تجلیاتِ سیرت

تالیف

مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب

شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تجلیاتِ سیرت

تالیف:

مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب
شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

وخلیفہ:
عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ
ومحبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی مدظلہ

باھتمام:
مرکز الکوثر التعلیمی والخیری مرادآباد
Contact No.: **+91- 9412866177, 9627625461**

اشاعت کی عام اجازت ہے۔

تفصیلات

نام کتاب : تجلیاتِ سیرت
تالیف : مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب
شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد
طبع اول : ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۱ء
کمپیوٹر کتابت : محمد شعیب سیتاپوری
صفحات : ٣٦٠
باہتمام : **مرکز الکوثر التعلیمی والخیری مرادآباد**

ملنے کے پتے:
جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد یوپی
فرید بک ڈپو دہلی
دارالکتاب دیوبند
کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
مکتبہ عکاظ دیوبند
مکتبہ ندویہ لکھنؤ
اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی
مرکز دعوت وارشاد دارالعلوم الاسلامیہ بستی یوپی
مولانا عبدالسلام خان قاسمی 179 کتاب مارکیٹ، وزیر بلڈنگ، بھنڈی بازار ممبئی

اسوۂ حسنہ کی روشنی

شیخ التفسیر مولانا انیس احمد آزاد قاسمی بلگرامی نقشبندی مجددی

کسی بھی زبان و قلم کی سب سے بڑی سعادت نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاری ہے۔ جن کے اسوۂ حسنہ کی روشنی: ذہنی، فکری، اعتقادی اور عملی زندگی کو پروان چڑھاتی ہے، مردہ دلوں کو زندگی عطا کرتی ہے، انسان کی عملی صلاحیتوں کو جلا بخشتی ہے، برگشتہ انسانیت کو صراط مستقیم پر گامزن کرتی ہے۔ جن کے خلق عظیم کی عطر بیزی کائنات کو معطر کئے ہوئے ہے، جن کی حیات مبارکہ قرآنی تعلیمات کی عملی تفسیر و تعبیر ہے، جن کا ہر قول زریں دستور حیات ہے، جن کا ہر عمل کہکشاں کی طرح روشن اور آبشاروں کی طرح مترنم ہے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اسجد ندوی قاسمی نقشبندی مجددی ہندستان کے نامور عالم دین، باصلاحیت منتظم، کامیاب استاذ اور مقبول مصنف ہیں۔ آپ جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد کے مہتمم و شیخ الحدیث ہیں۔ آپ کی تدریس زبان و بیان میں افراط و تفریط سے مبرا، ثقیل و عسیر الفہم جملوں سے پاک، طرز استدلال کی دلنشینی اور اسلوب بیان کی دلکشی سے مزین رہتی ہے۔ آپ تفسیری نکات، احادیث کی تشریحات اور فقہی جزئیات نہایت سہل ممتنع زبان میں بیان کرنے پر مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ آپ کے درس میں شائستگی، شستگی اور برجستگی نقطۂ عروج پر ہوتی ہے، جس سے ہر طالب علم اپنا دامن گوہر مراد سے بھر لیتا ہے۔ آپ ایک مقبول مصنف ہیں جن کے قلم سے اردو اور عربی میں درجنوں کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔

حضرت مولانا محمد اسجد صاحب نے تجلیات سیرت کے نام سے سات ابواب پر مشتمل جو عطر بیز مجموعہ تیار کیا ہے اس کی ایک ایک سطر حب رسول سے معطر اور اس کا ایک ایک ورق عقیدت و محبت کے لعل و گہر سے مزین ہے۔ آپ کا اسلوب نگارش نہایت دلکش اور ذوق انتخاب وجد آفریں ہے، آپ کی تحریر میں فکری طہارت، قلم کی پاکیزگی، زبان کی سلاست و روانی، مؤرخانہ بصیرت، انداز بیان کی ندرت، ادب و انشاء کی شگفتگی، لالہ و گل کی رنگینی، سوز جگر اور وفور شوق کی بھرپور نمائندگی ہے۔

حضرت مولانا نے تجلیات سیرت میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتیازات، آپ کے عظیم احسانات، آپ کا اسوۂ حسنہ، آپ کی عظمت، آپ سے محبت، آپ کی اطاعت جیسے اہم موضوعات پر نہایت بصیرت افروز خامہ فرسائی کی ہے اور اخیر میں توہین رسالت جیسے اہم اور حساس موضوع پر امت کی بروقت رہبری فرمائی ہے۔

یہ فقیر بارگاہ الٰہی میں دعا گو ہے میرا رب اس کتاب کو سسکتی بلکتی اور راہ سے بھٹکی انسانیت کے لیے طمانیت و ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

انیس احمد آزاد قاسمی بلگرامی (خادم جامعہ عربیہ سید المدارس دہلی۔ ۵۳) ۰۳/ذوالقعدہ ۱۴۴۲ھ

پہلے یہ چند باتیں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم:

عالی مرتبت والدین اور بلند مقام اساتذہ کے فیض تربیت سے راقم کو بہ توفیق الٰہی دینی موضوعات کے مختلف پہلوؤں پر خامہ فرسائی کی سعادت مسلسل حاصل رہی ہے، اس پر بارگاہ ایزدی میں جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، سیرت نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا موضوع ایک سدا بہار رنگا رنگ گلستان کی مانند ہے، اس گلستان کی سیر کبھی جذبۂ عقیدت سے سرشار مؤمن کو سیر نہیں کر پاتی، اور اس چمن کا ہر پھول مستقل دعوتِ نظارہ اور پیام استفادہ دیتا ہے۔ ع کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

سیرت مقدسہ کے اسی مالا مال باغ اور چمن سے مختلف مواقع اور مناسبتوں سے حسب توفیق جو پھول چن کر بارگاہِ رسالت مآب میں اپنی عقیدتوں کی سوغات پیش کرنے کا شرف اس حقیر راقم کو حاصل ہوا، انہیں کا ایک انتخاب ''تجلیاتِ سیرت'' نامی اس مجموعے میں یکجا کر دیا گیا ہے، جسے قارئین کی خدمت میں کتابی شکل میں پیش کرتے ہوئے راقم کو بے حد مسرت وفرحت کا احساس ہو رہا ہے، اور یہ تمنا دل میں موجزن ہے کہ اللہ کرے اپنا حال شاعر کے اس شعر کے مطابق ہو جائے ؎

ہر شام کہ می خوابم بریاد تو می خوابم
ہر صبح کہ برخیزم از عشق تو برخیزم

کتاب کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلے باب میں سرور کائنات علیہ التسلیمات کے چند نمایاں امتیازات کا ذکر جمیل ہے، دوسرا باب آپ ﷺ کے عظیم احسانات کے تذکرے پر مشتمل ہے، اور اس میں گیارہ اہم گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور

انقلاب نبوی کی ہمہ گیری اور عظمت کو پیش کیا گیا ہے۔

تیسرا باب اسوۂ حسنہ کے عنوان سے ہے، اس میں ایک حدیث نبوی کی روشنی میں سترہ روشن عناوین کی قدرے وضاحت کے بعد آپ ﷺ کے امتیازی اوصاف، تعلیم وتربیت کے نمایاں نمونوں، اور آپ کی تربیت یافتہ جماعت صحابہ کی زندگی کے رہنما اور مثالی گوشوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

چوتھا، پانچواں اور چھٹا باب بالترتیب نبی اکرم ﷺ کے بنیادی حقوق (عظمت، عشق اور اطاعت) کی کچھ تفصیلات کو محیط ہے، ساتواں اور آخری باب ”توہین رسالت اور ہم“ کے عنوان سے تین الگ الگ مضامین پر مشتمل ہے، جس میں موضوع کی حساسیت کا ذکر بھی ہے، اور جذباتی تعلق کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اصل کرنے کے کاموں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے، آخر میں بہ طور ضمیمہ ”ہجرت نبوی: اسباب، نتائج وپیغام“ نامی مضمون بھی شریک اشاعت کیا گیا ہے۔

راقم اپنے معاون احباب بہ طور خاص جناب مولانا محمد شعیب قاسمی صاحب، جناب مولانا مفتی محمد ساجد قاسمی صاحب، جناب مولانا عظیم الدین صاحب کے حسن تعاون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی عاجزی اور بے بضاعتی کے تمام تر اعتراف کے ساتھ یہ مجموعہ اس امید وتوقع پر پیش کر رہا ہے کہ یہ خدمت اللہ کرے میدان حشر میں شفاعتِ نبوی کے حصول کا بہانہ بن جائے۔ ع شاہاں چہ عجب گر بہ نوازند گدارا

اس دعا کے ساتھ کہ۔

یا رب بروز حشر تری مغفرت کے ساتھ
ماہر کو ہو نصیب شفاعت رسول کی

محمد اسجد قاسمی ندوی

۱۴/ذی قعدہ ۱۴۴۲ھ — خادم الحدیث النبوی الشریف
۲۶/جولائی ۲۰۲۱ء — جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

◆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حسن ترتیب

پہلے یہ چند باتیں -- ۴

باب اول: امتیازات وخصوصیات ۱۱-۴۸

☐ سرورِ کائنات علیہ التسلیمات کے خاص امتیازات ---------------------------- ۱۲
☐ حضور اکرم ﷺ کی شخصیت اور مشن کے امتیازی پہلو ---------------------------- ۱۹
○ (۱) رسول کا بشر ہونا -- ۲۰
○ (۲) رسول کی قدرت واختیارات -- ۲۳
○ (۳) رسول کی نبوت ودعوت -- ۲۷
○ (۴) مقاصد بعثت -- ۳۰
○ آپ ﷺ کا تعلیمی وتربیتی طریق کار -- ۳۱
○ عملی طریق کار -- ۳۵
○ (۵) رسول اللہ ﷺ کی عالمگیریت -- ۳۸
○ (۶) ختم نبوت -- ۴۱
☐ پیغمبر اسلام ﷺ کی جامعیت -- ۴۶

باب دوم: حضور اکرم ﷺ کے عظیم احسانات ۴۹-۱۹۴

☐ عالمِ انسانیت پر حضور ﷺ کے عظیم احسانات ---------------------------- ۵۰
○ (۱) عقیدۂ توحید -- ۵۳
○ (۲) مساواتِ انسانی -- ۷۹
○ (۳) احترام انسانیت -- ۱۰۹

○ (۴) امید و اعتماد کی بحالی، ناامیدی کا خاتمہ اور توبہ کی تحریک ---------- ۱۱۹
○ (۵) حقیقی منزل کی رہنمائی ---------- ۱۳۳
○ (۶) خواتین کی تکریم اور ان کے حقوق ---------- ۱۳۷
○ (۷) دین اور دنیا کی وحدت ---------- ۱۴۳
○ (۸) علمی و تعلیمی انقلاب ---------- ۱۴۹
○ (۹) قیامِ امن ---------- ۱۵۹
○ (۱۰) حیا اور عفت ---------- ۱۷۰
○ (۱۱) وحدتِ امت ---------- ۱۷۴
☐ عظیم اور مکمل انقلاب ---------- ۱۸۰
☐ یتیموں کا والی ---------- ۱۸۹

باب سوم: اسوۂ حسنہ ۱۹۵-۲۵۰

☐ اسوۂ رسول کے روشن عناوین ---------- ۱۹۶
○ (۱) معرفت میرا سرمایۂ زندگی ہے ---------- ۱۹۷
○ (۲) عقل میرے دین کی اصل ہے ---------- ۱۹۹
○ (۳) محبت میری زندگی کی بنیاد ہے ---------- ۲۰۱
○ (۴) شوق میرا راہوار ہے ---------- ۲۰۵
○ (۵) ذکر اللہ میرا مونس ہے ---------- ۲۰۶
○ (۶) اعتماد میرا خزانہ ہے ---------- ۲۰۹
○ (۷) غم میرا رفیق ہے ---------- ۲۱۱
○ (۸) علم میرا ہتھیار ہے ---------- ۲۱۲
○ (۹) صبر میری پوشاک ہے ---------- ۲۱۵
○ (۱۰) رضا میرا مالِ غنیمت ہے ---------- ۲۱۸
○ (۱۱) تواضع اور انکساری میرا فخر ہے ---------- ۲۲۰

○ (۱۲) زہد میرا پیشہ ہے ---------- ۲۲۲
○ (۱۳) یقین میری توانائی ہے ---------- ۲۲۴
○ (۱۴) صدق میرا حامی اور سفارشی ہے ---------- ۲۲۵
○ (۱۵) اطاعتِ الٰہی میرے لئے بس ہے ---------- ۲۲۶
○ (۱۶) جہاد میرا اخلق ہے ---------- ۲۲۸
○ (۱۷) میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے ---------- ۲۲۹
☐ **پانچ پیغمبرانہ اوصاف** ---------- **۲۳۰**
○ (۱) صلہ رحمی ---------- ۲۳۱
○ (۲) درماندوں کا بوجھ اٹھانا ---------- ۲۳۲
○ (۳) تہی دستوں کا بندوبست کرنا ---------- ۲۳۳
○ (۴) مہمان نوازی ---------- ۲۳۳
○ (۵) راہِ حق کے مصائب پر تعاون ---------- ۲۳۴
☐ **رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت کے چند نمونے** ---------- **۲۳۵**
☐ **ایثار و اتحاد سے آراستہ روشن کردار** ---------- **۲۳۹**
☐ **ایک اسلامی معاشرہ، انسانی معاشرہ کو کیسے متاثر کرسکتا ہے؟** ---------- **۲۴۵**
○ (۱) موقفِ حق پر محکم یقین اور استقامت ---------- ۲۴۶
○ (۲) جذبۂ ایثار و قربانی ---------- ۲۴۷
○ (۳) نافعیت اور مواسات ---------- ۲۴۷
○ (۴) عدل و مساوات ---------- ۲۴۸
○ (۵) اجتماعیت و اخوت ---------- ۲۴۹
○ (۶) قول و عمل کی یکسانیت ---------- ۲۴۹
○ (۷) پاکیزگی ---------- ۲۵۰
○ (۸) ادائے حقوق ---------- ۲۵۰

باب چہارم: عظمتِ رسول ﷺ ۲۵۱-۲۶۲

☐ احترام رسول ﷺ کے قرآنی احکام و ہدایات ---------- ۲۵۲

○ (۱) نام لے کر پکارنے کی ممانعت ---------- ۲۵۲

○ (۲) پیش قدمی سے ممانعت ---------- ۲۵۳

○ (۳) بلند آواز میں بولنے سے ممانعت ---------- ۲۵۵

○ (۴) سرگوشیوں کے ذریعہ پریشان کرنے سے ممانعت ---------- ۲۵۸

○ (۵) خانۂ رسول ﷺ کے سلسلہ میں ہدایات ---------- ۲۶۰

باب پنجم: عشقِ رسول ﷺ ۲۶۳-۲۹۲

☐ پیغمبر اسلام علیہ السلام سے محبت و عشق اور اس کا پیغام ---------- ۲۶۴

☐ محبت رسول ﷺ کے ثمرات و نتائج ---------- ۲۷۵

○ (۱) ایمانی حلاوت ---------- ۲۷۵

○ (۲) آخرت میں آپ ﷺ کی معیت ---------- ۲۷۶

○ (۳) سعادت کا حصول ---------- ۲۷۸

☐ رہے رسول کے قدموں میں سر خدا کے لئے ---------- ۲۷۹

○ وضاحت ---------- ۲۷۹

☐ عشق رسالت مآب: بنیادی محرکات و اسباب ---------- ۲۸۴

باب ششم: اطاعتِ رسول ﷺ ۲۹۳-۳۱۸

☐ اطاعتِ رسول ﷺ ---------- ۲۹۴

باب ہفتم: توہین رسالت اور ہم ۳۱۹-۳۴۷

☐ قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے ---------- ۳۲۰

○ حضرت صدیق اکبرؓ کا کردار ---------- ۳۲۱

○ حضرت غرفہؓ کا کردار ---------- ۳۲۱
○ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کا کردار ---------- ۳۲۲
○ حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن ابی کا کردار ---------- ۳۲۳
○ مجاہدِ اعظم صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کا کردار ---------- ۳۲۴
○ شیخ عبد النبی رحمہ اللہ کا کردار ---------- ۳۲۴
○ گستاخِ رسول ﷺ کی سزا ---------- ۳۲۵
○ گستاخوں کی تذلیل کا قرآنی اعلان ---------- ۳۲۵
○ لمحۂ فکریہ ---------- ۳۲۶
○ کرنے کے کام ---------- ۳۲۸
○ حالات کا پیغام ---------- ۳۲۹
☐ اہانتِ رسول کے واقعات اور ہمارے کرنے کے کام ---------- ۳۳۰
☐ ناموسِ رسول کی حفاظت کا قرآنی اسلوب ---------- ۳۳۶
☐ **ضمیمہ**: ہجرت نبوی ﷺ (اسباب، نتائج و پیغام) ---------- ۳۴۸ - ۳۵۱
☐ مراجع و مصادر ---------- ۳۵۲ - ۳۵۶
☐ مصنف کی مطبوعہ علمی کاوشیں ---------- ۳۵۷ - ۳۶۰

○●○

باب اول:

امتیازات وخصوصیات

سرورِ کائنات علیہ التسلیمات کے خاص امتیازات

خداوند قدوس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے اپنی مخلوقات میں انسان کو اپنی خلافت کے لئے منتخب فرمایا، اسے اشرف المخلوقات بنایا، پھر نوعِ انسانی کی ہدایت کے لئے انہیں میں سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی جماعت کا انتخاب فرمایا، پھر انبیاء کی اس پاکیزہ جماعت سے تین سو تیرہ رسولوں کا مقدس گروہ منتخب فرمایا، پھر رسولوں کے اس گروہ سے پانچ صاحب عزیمت اولوالعزم رسول (حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہم السلام) متعین ہوئے، پھر ان اولوالعزم رسولوں میں بطور خاص نبی آخر الزماں محمد عربی ﷺ کا انتخاب فرمایا گیا اور خدا کے بعد کائنات میں سب سے عالی مرتبہ، بلند مقام اور افضل درجہ آپ ﷺ کو بخش دیا گیا: ع

بعد از خدا بزرگ توئی ایں قصہ مختصر

خداوند قدوس نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے دارین کی ہر عزت، ہر سعادت، ہر عظمت اور ہر رفعت مقدر فرمادی، اور آپ ﷺ کے قلب وقالب، جسم وروح، ظاہر وباطن غرض پورے سراپا کا مکمل تزکیہ فرمادیا، چنانچہ:

آپ ﷺ کے تعلق سے ارشاد ہے:

مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی. (النجم: ۲)

(اے مکے والو!) تمہارے ساتھ والے صاحب (محمد ﷺ) نہ راستہ بھولے ہیں اور نہ بھٹکے ہیں۔

آپ ﷺ کی صداقت کے بارے میں اعلان ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى. (النجم:٣-٤)

وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس آتی ہے۔

آپ ﷺ کے پاس آنے والے فرشتے کے متعلق بیان ہے:

عَلَّمَهُ شَدِيْدُ الْقُوَى. (النجم:٥)

انہیں ایسے فرشتے نے تعلیم دی ہے جو قوت کا حامل ہے۔

آپ ﷺ کی بصارت کے بارے میں وارد ہوا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى. (النجم:١٧)

ان کی آنکھ نہ تو چکرائی (یعنی آنکھ نے دیکھنے میں کوئی دھوکا نہیں کھایا) اور نہ حد سے آگے بڑھی۔

آپ ﷺ کے قلب اطہر کے تعلق سے فرمایا گیا:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى. (النجم:١١)

جو کچھ انہوں نے دیکھا، دل نے اس (کے سمجھنے) میں کوئی غلطی نہیں کی۔

آپ ﷺ کے مقدس سینے کے بارے میں مذکور ہے:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. (انشراح:١)

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟

آپ ﷺ کے ذکر جمیل سے متعلق یہ صراحت ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ. (انشراح:٤)

ہم نے آپ کی خاطر آپ کے تذکرے کو اونچا مقام عطا کر دیا ہے۔

آپ ﷺ کے پورے سراپا کے تعلق سے شہادت ہے:

وَإِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. (القلم:٤)

یقیناً آپ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہیں۔

آپ ﷺ کی رفعت مرتبت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے تمام انبیاء سے آپ ﷺ کی تصدیق اور نصرت کا خاص عہد لیا، ارشاد فرمایا گیا:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذٰلِكُمْ إِصْرِیْ قَالُوْا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَأَنَاْ مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِيْنَ. (آل عمران:٨١)

اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کردوں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس کتاب کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے، اللہ نے پیغمبروں سے کہا تھا کہ کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ ذمہ داری اٹھاتے ہو، انہوں نے کہا تھا: ہم اقرار کرتے ہیں، اللہ نے کہا: تو پھر ایک دوسرے کے اقرار کے گواہ بن جاؤ، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی میں شامل ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ، أُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِداً وَ طَهُوْراً، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ. (ترمذی: ابواب السیر:١٥٤٢)

مجھے دیگر انبیاء پر چھ باتوں میں برتری بخشی گئی ہے۔

(۱) مجھے ”جَوَامِعُ الْکَلِمِ“ (جامع ارشادات) عطا کئے گئے ہیں۔

(۲) میری مدد رعب اور دبدبہ کے ذریعہ کی گئی ہے۔

(۳) میرے لئے مال غنیمت کو حلال کیا گیا ہے۔

(۴) میرے لئے پوری زمین کو نماز پڑھنے کی جگہ اور پاکی کا آلہ بنایا گیا ہے۔

(۵) مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

(۶) مجھ پر نبوت تمام کردی گئی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے:

مَثَلِی وَ مَثَلُ الْأَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِی، کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَی بُنْیَاناً، فَأَحْسَنَهُ وَ أَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِیَةٍ مِنْ زَوَایَاهُ، فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوفُونَ بِهِ وَ یَعْجَبُونَ لَهُ، وَ یَقُولُونَ: هَلَّا وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَ أَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّینَ. (صحيح مسلم: الفضائل:٥٩٥٩)

میرا حال اور دوسرے انبیاء کا حال اس آدمی جیسا ہے، جس نے کوئی حویلی بنائی، اور اسے بہتر وشاندار بنایا، مگر اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، لوگ اس حویلی میں آنے لگے اور اسے حیرت سے دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں نہیں بھری گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ آخری اینٹ میں ہوں، اور میں آخری نبی ہوں، مجھ پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا۔

یہ بھی فرمایا گیا:

أَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ یَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ، وَ أَوَّلُ شَافِعٍ وَ أَوَّلُ مُشَفَّعٍ. (مسلم: الفضائل: ٥٩٤٠)

میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، سب سے پہلے میری قبر کھلے گی، سب سے پہلا سفارش کرنے والا میں ہوں گا، سب سے پہلے میری سفارش بارگاہ الٰہی میں قبول ہوگی۔

قیامت میں جب میدان محشر میں اولین وآخرین سب جمع ہوں گے، نفسی نفسی کا عجب عالم ہوگا، سورج بالکل قریب آجائے گا، اور بزبانِ نبوت:

يُؤْتَىٰ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ، لَهَا سَبْعُوْنَ أَلْفَ زِمَامٍ، مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا. (مسلم: صفة الجنة: ٧١٦٤)

اس روز جہنم لائی جائے گی، اس کے ساتھ ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے۔

جہنم پوری طرح شعلہ بار ہوگی، اس منظر سے ہر انسان خوف، دہشت، اور کپکپاہٹ کی ناقابل بیان وتصور کیفیت سے دوچار ہوگا، قرآنی بیان کے مطابق:

وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً. (الجاثية: ٢٨)

تم وہاں ہر گروہ کو (ہولناک مناظر دیکھ کر) گھٹنوں کے بل گرا ہوا پاؤ گے۔

ایک مفصل روایت حضرت ابو ہریرہؓ کی سند سے مروی ہے، آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، اور پھر اس کی تفصیل اس طرح بتائی کہ اللہ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرے گا، وہ بڑا سخت مرحلہ ہوگا، لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے، اور عرض کریں گے: آپ تو تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو سب سے پہلے پیدا کیا اور آپ کے جسم میں اپنی خاص روح پھونکی، فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدے کا حکم دیا، آپ ہماری کیفیت اور پریشانی دیکھ ہی رہے ہیں، اپنے رب سے ہماری سفارش کردیجئے، تاکہ جلد از جلد معاملہ نمٹ جائے، حضرت آدم فرمائیں گے: آج میرا رب اتنا ناراض ہے کہ نہ پہلے کبھی اتنا ناراض ہوا تھا اور نہ آئندہ کبھی اتنا ناراض ہوگا، اس نے مجھے جنت

کے (خاص) درخت سے منع کیا تھا، مگر میں نہ مانا، مجھے تو بس اپنی فکر ہے، تم کسی اور کے پاس جاؤ، نوح کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ پھر سب لوگ حضرت نوح کی خدمت میں آ کر کہیں گے: آپ روئے زمین پر سب سے پہلے رسول ہیں، اللہ نے آپ کو "**عبد شکور**" (بہت شکر گزار بندہ) کا نام دیا ہے، آپ ہماری حالت اور پریشانی دیکھ رہے ہیں، اپنے رب سے ہماری سفارش فرمائیے، حضرت نوح فرمائیں گے: میرا رب آج اتنا خفا ہے نہ پہلے کبھی اتنا خفا ہوا اور نہ آئندہ کبھی اتنا خفا ہوگا، میں نے اپنی قوم کے لئے بددعا کی تھی، مجھے اسی کا خیال ہے، مجھے صرف اپنی فکر ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ، ابراہیم کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ لوگ حضرت ابراہیم کے آئیں گے اور عرض گذار ہوں گے،: آپ اللہ کے مخصوص نبی اور پورے اہل زمین میں اس کے خلیل ہیں، ہماری حالت دیکھ کر اللہ سے سفارش کیجئے، حضرت ابراہیم فرمائیں گے: میرا رب آج اتنا غضبناک ہے کہ نہ پہلے کبھی ایسا ہوا اور نہ آئندہ ایسا ہوگا، پھر وہ اپنے بعض قصور یاد کر کے کہیں گے کہ مجھے تو بس اپنی فکر در پیش ہے، تم کسی اور کے پاس بلکہ موسی کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ لوگ حضرت موسیٰ کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: آپ اللہ کے خاص نبی اور اس کے کلیم ہیں، ہماری حالت دیکھ کر اللہ سے سفارش فرمائیے، حضرت موسیٰ جواب دیں گے: میرا رب آج اتنے غصے میں ہے کہ نہ پہلے کبھی اتنا غصے میں ہوا اور نہ آئندہ کبھی اتنا غصے میں آئے گا، مجھ سے ایک قتل سرزد ہو گیا تھا، مجھے تو صرف اپنی فکر ہے، تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ، تم عیسیٰ کے پاس جاؤ، چنانچہ لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: آپ اللہ کے نبی ہیں، آپ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، اللہ نے آپ کو شیر خوارگی کے ایام میں قوت گویائی عطا کرنے کا شرف بخشا ہے، آپ ہماری حالت دیکھ کر اللہ سے سفارش کیجئے، حضرت عیسیٰ فرمائیں گے: میرا رب آج اسقدر جلال میں ہے کہ نہ پہلے کبھی اتنے جلال میں ہوا اور آئندہ کبھی اتنے جلال میں آئے گا، مجھے تو بس اپنی فکر ہے، تم کسی اور کے پاس جاؤ، تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ، چنانچہ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں گے اور عرض کریں گے، سرکار: آپ

اللہ کے رسول ہیں، آخری نبی ہیں، اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام قصور بخش دیئے ہیں، آپ ہماری حالت زار دیکھ ہی رہے ہیں، اپنے رب سے سفارش فرما دیجئے، حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں اٹھوں گا، عرش الٰہی کے نیچے آ کر رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا، اللہ عزوجل اس موقع پر میرے دل میں اپنی عظمتوں، محامد اور حمد وثنا کے مضامین امتیازی طور پر القاء فرمائے گا، پھر مجھ سے فرمایا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے، آپ مانگئے، عطا کیا جائے گا، سفارش کیجئے، قبول ہوگی، چنانچہ میں اپنا سر اٹھاؤں گا، اور عرض کروں گا، اے میرے رب! میری امت پر رحم فرمائیے، میری امت کو معاف فرما دیجئے، الخ۔ (ملاحظہ ہو: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب ذریۃ من حملنا: رقم الحدیث: ۴۷۱۲)

اس مفصل حدیث سے حضور اکرم ﷺ کی عظمت شان اور رفعتِ مقام کو سمجھا جا سکتا ہے، قرآن مجید میں آپ کو خطاب کیا گیا اور ایک آیت میں آپ کی عظمتوں کا عطر وجوہر بیان کیا گیا:

وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ. (الأنبياء:۱۰۷)

ہم نے آپ کو سارے جہان کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

پھر دنیا نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنی رحمۃ للعالمینی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے ہر جگہ پیغام حق پہونچایا، اور آج جہاں جہاں بھی حق وصداقت موجود ہے سب آپ ﷺ ہی کا صدقہ اور فیض ہے۔

○ ❖ ○

حضور اکرم ﷺ کی شخصیت اور مشن کے امتیازی پہلو

دنیا کی تاریخ میں مختلف ادوار میں آنے والے رہنماؤں، مصلحوں اور معلمین میں یہ امتیاز صرف نبی آخرالزماں محمد عربی ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ کی تعلیماتِ مبارکہ، سیرت مقدسہ اور آپ کی بابرکت شخصیت روزِ اول سے آج تک اپنے اصلی رنگ میں محفوظ ہیں، اور اس طرح محفوظ ہیں کہ اب اس میں تبدیلی اور انحراف ممکن نہیں رہ گیا ہے۔

انسانی وہم پرستانہ طبیعتوں سے یہ کچھ بھی مستبعد نہ تھا کہ وہ اللہ کی سب سے منتخب اور مقدس شخصیت رسول اکرم ﷺ کے سلسلے میں افراط اور غلو کا شکار ہوجاتیں اور ان کے لئے الوہیت کے کچھ اوصاف ثابت کر کے انہیں خدانخواستہ معبود ومسجود بناڈالتیں، لیکن خدائے قادر وعلیم نے اپنی مشیت کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے ذریعہ جماعتِ انبیاء کے بالکل آخری وتکمیلی مراحل میں آپ ﷺ کی شکل میں انسانیت کو ایسا ہادی ومعلم عنایت فرمایا جو پوری انسانیت کے لئے اور ہر زمان ومکان کے لئے دائمی وابدی اسوہ اور نمونہ ثابت ہوا، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی اس ظلم وستم اور افراط وغلو سے محفوظ رکھی گئی جو نادان اور جاہل عقیدت مندوں کی طرف سے دیگر رہنماؤں اور نبیوں کے ساتھ پیش آچکا تھا، چنانچہ سابق امتوں کے برخلاف امت محمدیہ نے دور صحابہ سے آج تک آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ اور حیات طیبہ کے تمام لمحات اور آپ ﷺ کے تمام اقوال وارشادات وافعال وکیفیات کو جوں کا توں مستند طور سے محفوظ رکھا ہے، یہ امتیاز صرف آپ ﷺ کی ذات والاصفات کو حاصل ہے۔

خود قرآن مقدس نے آپ ﷺ کی شخصیت اور خصوصیات کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں

کا معجزانہ تذکرہ جا بجا مختلف اسلوبوں اور پیرایوں میں کیا ہے، ذیل میں اس کی قدرے تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

(۱) رسول کا بشر ہونا

نبوت ورسالت کے تعلق سے قرآن نے سب سے بنیادی طور پر ''بشریت'' (رسول و نبی کے انسان ہونے) کے موضوع کا ذکر کیا ہے، جاہلانہ اور گمراہانہ افکار اور عقیدوں نے انسان کے اللہ کا رسول اور نائب ہونے کو ناممکن چیز قرار دے رکھا تھا، اور انسانیت کی اصلاح کے لئے خود خدا کے کسی انسان کی شکل میں رونما ہونے یا کسی فرشتہ اور فوق البشر ذات کے بھیجے جانے کا تصور عام کر رکھا تھا، یہی وجہ تھی کہ جب جب کوئی اللہ کا بندہ نبی بن کر پیغام الٰہی پہونچانے آتا تھا تو اس کی مخاطب قوم اسے انسان دیکھ کر تعجب کرتی، اس کے ساتھ بشری عوارض کا لاحقہ دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتی بالآخر اس کا انکار کر کے اپنی محرومی اور شقاوت کا سامان کر لیتی، یہ ہر دور میں انسانیت کی عالمگیر گمراہی رہی ہے کہ جب بھی کوئی انسان روحانی عظمت اور پیغمبرانہ شان کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے، تو لوگ اسے انسانیت اور عبدیت کی سطح سے بلند و بالاتر دیکھنا چاہتے ہیں، تاریخ کا تسلسل یہی رہا ہے، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے پیغام حق پیش کیا تو قوم کا جواب تھا:

> مَا هَـٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّـٰهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَـٰذَا فِيْ آبَائِنَا الْأَوَّلِيْنَ. (المؤمنون: ٢٤)
>
> یہ تو تمہیں جیسا ایک انسان ہے جو تم پر برتری چاہتا ہے، اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کر دیتا، یہ بات تو ہم نے اپنے پچھلے باپ دادوں میں کبھی نہیں سنی۔

حضرت ہود علیہ السلام پر بھی قوم کا سب سے پہلا اعتراض یہی ہوا:

مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ، وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَراً مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذاً لَّخَاسِرُونَ.

(المؤمنون:۳۳-۳٤)

یہ تمہیں جیسا ایک انسان ہے، جو چیز تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے اور اگر کہیں تم نے اپنے ہی جیسے ایک انسان کی فرماں برداری قبول کر لی تو تم بڑے ہی گھاٹے کا سودا کرو گے۔

فرعون اور اس کے سرداروں نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی بات ماننے سے اسی لئے انکار کیا کہ:

أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا. (المؤمنون:٤٧)

کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں؟

اور جب محسن انسانیت ﷺ نے آخری نبی کی حیثیت سے اپنے مشن کا آغاز فرمایا تو مخاطب افراد کی طرف سے یہی بات سامنے آئی کہ ہماری طرح چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا انسان کیسے اللہ کا رسول ہو سکتا ہے؟ ان کا سوال تھا:

مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيراً ،أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا. (الفرقان:۷-۸)

یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے؟ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ڈراتا، یا اس کے اوپر کوئی خزانہ ہی آپڑتا، یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس میں سے یہ کھایا کرتا؟

انبیاء و رسل کی نبوت و رسالت کا اعتراف کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ

انسانوں کی یہ غلط فہمی تھی، چنانچہ قرآن نے اس غلط فہمی کے ازالہ اور رد پر خاص توجہ دی اور دلائل کی روشنی میں واضح کیا کہ انسانیت کی اصلاح کے لئے انسانی پیغمبر ہی کا آنا معقول اور ضروری ہے، حق کی نظریاتی تعلیم کے ساتھ اس کی عملی تطبیق کر کے ایک نمونہ اور اسوہ سامنے رکھ دینا، اللہ کے پیغمبروں کی ذمہ داری ہوتی ہے، انسانی معاشرے میں غیر انسان پیغمبر مبعوث کر دیا جائے جو انسانی خصائص نہ رکھتا ہو، تو اس کا نمونۂ عمل انسانوں کے لئے رہنما نہیں ہوسکتا، سابق تمام انبیاء ورسل انسان تھے، اور انہوں نے جو نمونۂ عمل دنیا کے سامنے رکھا جب جب اس کو اپنایا گیا، خیر اور برکت کے دروازے کھلے اور ہر شر و زحمت سے حفاظت ملی، قرآن نے صراحت کی ہے:

(۱) وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالاً نُّوحِیْ إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لا تَعْلَمُونَ، وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَداً لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِيْنَ. (الانبیاء:۷-۸)

ہم نے آپ سے پہلے کسی اور کو نہیں، آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا، جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے، لہٰذا (کافروں سے کہہ دیجئے کہ) اگر تمہیں خود علم نہیں ہے تو نصیحت کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو، اور ہم نے ان رسولوں کو ایسے جسم بنا کر پیدا نہیں کیا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ایسے تھے کہ ہمیشہ زندہ رہیں۔

(۲) وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِیْ الْأَسْوَاقِ. (الفرقان: ۲۰)

ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے وہ سب ایسے تھے کہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

(۳) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجاً

وَذُرِّيَّةً. (الرعد: ۳۸)

ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے، ان کے لئے ہم نے بیویاں بنائیں اوران کو اولاد بھی دی تھی۔

(۴) اسی لئے آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ نے اپنے بشر ہونے کا واضح اعلان کریں، چنانچہ حکم الٰہی ہوا:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ.

(الکہف: ۱۱۱)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تمہیں جیسا ایک انسان ہوں، مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کا خدا بس ایک ہے۔

اسی طرح محمد ﷺ اور تمام انبیاء کے تعلق سے عام انسانی غلط فہمی کا پوری صراحت کے ساتھ رد کر دیا گیا اور حقیقت حال واضح کر دی گئی کہ انسانوں کے لئے انسان ہی کا پیغمبر ہونا ضروری ہے۔

(۲) رسول کی قدرت واختیارات

دوسری قابل ذکر چیز اللہ کے نبی اور پیغمبر کی قدرت اور قوت کا معاملہ ہے، قرآن نے اس کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، انسانی جہالت اور اوہام پرستی نے یہ تصور بھی دلوں میں جما دیا تھا کہ جن لوگوں کو خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے اور جو خدا کے نمائندے ہوتے ہیں وہ اپنے اندر غیر معمولی طاقت رکھتے ہیں، ان کے پاس کچھ مخصوص اختیارات ہوتے ہیں، اللہ کے فیصلوں میں ان کا کچھ نہ کچھ دخل ہوتا ہے، تقدیر کے فیصلے ان کی رائے سے تبدیل ہو سکتے ہیں، خیر وشر اور نفع وضرر ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، تمام قوتیں ان کے تابع ہوتی ہیں، گویا ان کو یک گونہ خدائی حاصل ہوتی ہے، یہ باطل اور جاہلانہ تصور ہر دور میں رہا ہے، بعثت محمدی کے وقت اس تصور

کی بنا پر مشرکین نے آپ ﷺ سے اس طرح کے بے جا اور نامعقول مطالبے بھی کیے:

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَکَ حَتَّی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الأَرْضِ یَنبُوعاً، أَوْ تَکُونَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّن نَّخِیلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الأَنْہَارَ خِلالَہَا تَفْجِیراً، أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفاً أَوْ تَأْتِیَ بِاللّٰہِ وَالْمَلآئِکَۃِ قَبِیلاً، أَوْ یَکُونَ لَکَ بَیْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَی فِی السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتَّی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتَاباً نَّقْرَؤُہُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّی ہَلْ کُنتُ إَلاَّ بَشَراً رَّسُولاً. (الاسراء: ۹۰-۹۳)

وہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم زمین کو پھاڑ کر ہمارے لئے ایک چشمہ نہ نکال دو، یا پھر تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو جائے، اور تم اس کے بیچ بیچ میں زمین کو پھاڑ کر نہریں جاری کر دو، یا جیسے تم دعوے کرتے ہو، آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو، یا پھر اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ، یا پھر تمہارے لئے ایک سونے کا گھر پیدا ہو جائے، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک تم ہم پر ایسی کتاب نازل نہ کر دو جسے ہم پڑھ سکیں، (اے نبی) آپ کہہ دیجئے کہ سبحان اللہ: میں تو ایک بشر ہوں جسے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

قرآن نے ایسے تمام جاہلانہ تصوارت کی تردید کر دی ہے، اور یہ واضح کر دیا ہے کہ:

(۱) خدائی قدرت وطاقت اور کاموں میں رسول کا کوئی حصہ اور عمل دخل نہیں ہوتا۔

(۲) اللہ کے اذن وحکم کے بغیر نبی نہ دوسروں کو ضرر سے بچا سکتا ہے اور نہ اپنے آپ کو۔

(۳) نبی کو ماوارئے عادت قوتیں حاصل نہیں ہوتیں۔

(۴) اسے غیب کا علم نہیں حاصل ہے۔

(۵) اس کے پاس خدائی خزانوں کی کنجی نہیں ہے۔

(۶) جزاوسزا اور حساب وکتاب میں اس کی کوئی مداخلت نہیں ہے۔

(۷) اس کا کام صرف حق پہونچادینا اور صراط مستقیم بتادینا ہے، اچھے انجام کی بشارت اور برے انجام سے ڈرادینا ہے، نہ کہ محاسبہ ومؤاخذہ کرنا۔

(۸) اس کے قبضہ میں دلوں کو حق کی طرف پھیر دینا نہیں ہے۔

اس روشنی میں قرآن کی یہ صراحتیں دیکھی جائیں:

وَإِن يَمُسَسُکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلاَ کَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يَمُسَسُکَ بِخَيرٍ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَىْءٍ قَدُير. (الانعام:۱۷)

اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہونچائے تو خود اس کے سوا اسے دور کرنے والا کوئی نہیں، اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہونچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے ہی۔

قُل لَّآ أَمُلِکُ لِنَفُسِیُ ضَرّاً وَلاَ نَفُعاً إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ. (یونس:۴۹)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو خود اپنی ذات کو بھی نہ کوئی نقصان پہونچانے کا اختیار رکھتا ہوں نہ فائدہ پہونچانے کا، مگر جتنا اللہ چاہے۔

وَلَوُ كُنتُ أَعُلَمُ الُغَيُبَ لاَسُتَكُثَرُتُ مِنَ الُخَيُرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوءُ إِنُ أَنَا إِلَّا نَذِيُرٌ وَبَشِيُرٌ لِّقَوُمٍ يُؤْمِنُونَ. (الاعراف:۱۸۸)

اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اچھی اچھی چیزیں خوب جمع کرتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف ہی نہ پہنچتی، میں تو بس ایک ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، ان لوگوں کے لئے جو میری بات مانیں۔

قُل لَّآ أَقُولُ لَكُمُ عِندِی خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلآ أَعُلَمُ الُغَيُبَ وَلآ أَقُولُ لَكُمُ إِنِّی مَلَکٌ إِنُ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَیَّ. (الانعام: ۵۰)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے

ہیں، اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔

یعنی پیغمبر ہونے کا مطلب خدائی اختیارات حاصل ہوجانا نہیں ہے، پیغمبر ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ کی وحی مجھ پر آتی ہے اور میں اس کی پیروی کرتا ہوں۔

قُلْ إِنِّیْ عَلَی بَیِّنَۃٍ مِّن رَّبِّیْ وَکَذَّبْتُم بِہِ مَا عِندِیْ مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِہِ إِنِ الْحُکْمُ إِلاَّ لِلّہِ یَقُصُّ الْحَقَّ وَہُوَ خَیْرُ الْفَاصِلِیْنَ، قُل لَّوْ أَنَّ عِندِیْ مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِہِ لَقُضِیَ الأَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَاللّہُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِیْن. (الانعام: ۵۷-۵۸)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل مل چکی ہے جس پر میں قائم ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے، جس چیز کے جلدی آنے کا تم مطالبہ کر رہے ہو وہ میرے پاس موجود نہیں ہے، حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا، وہ حق بات بیان کر دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو اگر وہ میرے پاس ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اہْتَدَی فَلِنَفْسِہِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْہَا وَمَا أَنتَ عَلَیْہِم بِوَکِیْلٍ. (الزمر: ۴۱)

ہم نے لوگوں کے فائدے کے لئے آپ پر کتاب برحق نازل کی ہے، اب جو شخص راہ راست پر آجائے گا وہ اپنی ہی بھلائی کے لئے آئے گا، اور جو گمراہی اختیار کر لے گا، وہ اپنی گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرلے گا، اور آپ اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ. (الرعد: ٤٠)

آپ کے ذمے تو بس پیغام پہنچا دینا ہے، حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ، وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ. (النمل: ٨٠-٨١)

یادرکھو کہ تم مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے اور نہ تم بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہو، جب وہ پیٹھ پھیر کر چل کھڑے ہوں، اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر راستے پر لا سکتے ہو، تم تو انہیں لوگوں کو اپنی بات سنا سکتے ہو، جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں، پھر وہی لوگ فرماں بردار ہوں گے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ. (القصص: ٥٦)

حقیقت یہ ہے کہ جس کو آپ خود چاہیں ہدایت تک نہیں پہونچا سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت تک پہونچا دیتا ہے، اور ہدایت قبول کرنے والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔

ان آیات اور صراحتوں کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ نبی کے پاس خدائی اختیارات نہیں ہوتے، اور نہ فوق الفطرت قوتیں ہوتی ہیں، وہ تو بس اللہ کا مقرب، منتخب، اور معتبر بندہ ہوتا ہے اور اس کا کام اللہ کے پیغام کو انسانیت تک پہونچا دینا ہوتا ہے۔

(۳) رسول کی نبوت ودعوت

قرآنی بیانات میں آپ ﷺ کے حوالے سے یہ بات بھی جگہ جگہ ذکر ہوئی ہے کہ آپ کوئی نئے اور انوکھے نبی نہیں ہیں، بلکہ اسی گروہ انبیاء کے فرد ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام

کے دور سے مسلسل چلا آرہا ہے، آپ کا مشن وہی ہے جو ہر داعیٔ حق پیغمبر کا مشن رہا، آپ اسی دین فطرت کے داعی ہیں جس کی دعوت ہر نبی نے دی، قرآن نے وضاحت بھی کردی ہے کہ اللہ نے ہر دور میں ہر خطے اور ہر قوم میں حق کی دعوت دینے والا اور باطل سے بچانے والا پیغمبر مبعوث کیا ہے، اور اس سلسلے کی آخری اور سب سے مکمل کڑی آپ ﷺ کی ذات ہے، فرمایا گیا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّٰهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ. (النحل:٣٦)

واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں اس ہدایت کے ساتھ پیغمبر بھیجا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (شیطان وبت) سے اجتناب کرو۔

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ. (فاطر:٢٤)

کوئی امت ایسی نہیں ہے جس میں کوئی خبردار کرنے والا (نبی) نہ آیا ہو۔

آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا:

هَذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَی. (النجم:٥٦)

یہ (پیغمبر) بھی پہلے خبردار کرنے والوں کی طرح ایک خبردار کرنے والے ہیں۔

مزید وارد ہوا:

إِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ. (یٰس:٣)

(اے محمد ﷺ) آپ یقیناً پیغمبروں میں سے ہیں۔

آپ ﷺ گروہ انبیاء کے ایک فرد ہیں اس کا تذکرہ اس طرح بھی آیا ہے:

قُلْ مَا کُنتُ بِدْعاً مِّنْ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا یُوحَی إِلَیَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ. (الاحقاف:٩)

آپ کہہ دیجئے کہ میں پیغمبروں میں کوئی انوکھا پیغمبر نہیں ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ یہ معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟ (یعنی میں عالم الغیب نہیں ہوں) میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے، اور میں تو صرف ایک واضح انداز سے خبردار کرنے والا ہوں۔

آپ ﷺ کی دعوت اور مشن سابق انبیاء کی دعوت اور مشن کے مطابق ہے، اس کا ذکر یوں آیا ہے:

قُولُواْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالأسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لاَ نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ، فَإِنْ آمَنُواْ بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا. (البقرۃ:۱۳۶)

(مسلمانو) کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اس کلام پر بھی جو ہم پر اتارا گیا اور اس پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا، اور اس پر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو دوسرے پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے عطا ہوا، ہم ان پیغمبروں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، ہم اسی ایک خدا کے تابع فرمان ہیں، اس کے بعد اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یہ راہ راست پر آجائیں گے۔

قرآن مجید میں مختلف آیات کے ذریعہ یہ ثابت کردیا گیا ہے کہ آپ ﷺ جماعت انبیاء کے ایک عظیم فرد ہیں، آپ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے، آپ کا دین آسمانی شریعتوں کا آخری مکمل اور فائنل ایڈیشن ہے، آپ نے کسی سابق نبی کی تردید وتکذیب نہیں کی بلکہ خالص دین

اسلام کو (جو تمام انبیاء کا پیش کردہ دین تھا) انسانی تحریفات اور آمیزشوں سے پاک اور منقح کر کے پیش کردیا۔

(۴) مقاصد بعثت

حضور اکرم ﷺ کے اصل مقصد بعثت اور اس کے لئے من جانب اللہ متعین کردہ طریقِ کار اور منہج و نظام عمل کا ذکر قرآن مقدس میں متعدد مقامات پر آیا ہے، سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوا ہے:

هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدَى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهِ. (التوبۃ:۳۳)

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا،
تاکہ اسے ہر دوسرے دین پر غالب کردے۔

بعثت محمدی کا یہی مقصود اعظم سورۃ الفتح (آیت:۲۸) اور سورۃ الصّف (آیت:۹) میں بیان ہوا ہے، تینوں مقامات پر الفاظ اور تعبیر بالکل ایک ہیں، اور قرآن میں یہ بات کسی اور نبی اور رسول کے لئے مذکور نہیں ہے۔

آیت مبارکہ میں ”الھدی“ (ہدایت) سے مراد قرآن مقدس ہے اور ”دین الحق“ (سچے دین) سے مراد خداوند قدوس کی مطلق اور کلی اطاعت کی بنیاد پر قائم نظام حیات ہے جسے ”اسلام“ کہا جاتا ہے، اور اسلام کو دیگر نظاموں، طریقوں اور مذہبوں پر غالب کرنا بعثت محمدی کا اصل مقصود بتایا گیا ہے۔

اس مقصد بعثت کی انجام دہی اور تکمیل کے لئے جو طریق کار آپ ﷺ کو بتایا گیا اور جسے اپنا کر آپ نے عظیم اور بے مثال انقلاب پیدا کیا، اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، پہلا حصہ تعلیم و تربیت سے متعلق ہے اور دوسرا عمل سے۔

آپ ﷺ کا تعلیمی وتربیتی طریق کار

تعلیمی وتربیتی طریق کار کے اجزاء مختلف ہیں:

(۱) آیات قرآنیہ کی تلاوت

(۲) تعلیم کتاب (انسانوں تک قرآن کا بالکل درست مطلب اور مفہوم پہونچانا اور پوری زندگی کے لئے موجود قرآنی تعلیمات اور اوامر ونواہی سے باخبر کرنا اور ان میں قرآن کے اصل پیغام اور روح ومدعا تک پہونچانے والی بصیرت پیدا کرنا)۔

(۳) تعلیم حکمت (یعنی سنت رسول کی تعلیم جو قرآن کے اجمال کی تفصیل، اس کے احکام کی تشریح اور اس کے تعلیم کردہ نظام کی توضیح بھی ہے اور قرآن کی عملی تنفیذ وتطبیق کے لئے اسوہ اور گائڈ کا مقام بھی رکھتی ہے)۔

(۴) تزکیہ (عملی اصلاح وتربیت، اخلاق اور اوصاف کو گندے جذبات سے پاک کرکے اعلیٰ درجہ کی خصوصیات سے آراستہ کرنا، فکری تطہیر، غیر صالح اعمال وعادات کو بیخ وبن سے اکھاڑنا)۔

قرآن نے ان چاروں کا ذکر فرمایا ہے، سورۃ الجمعہ میں ارشاد ہوا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْأُمِّیِّیْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ. (الجمعة: ۲)

وہی اللہ ہے جس نے امی لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور ان کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں، جب کہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

یہ چاروں اجزاء انہیں تفصیلات کے ساتھ سورۃ البقرۃ میں حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی مبارک دعاؤں کے ذیل میں بھی بیان ہوئے ہیں (البقرۃ:۱۲۹)، نیز یہی اجزاء سورۃ بقرہ (آیت:۱۵۱) اورسورۃ آل عمران (آیت:۱۶۴) میں بھی ذکر فرمائے گئے ہیں۔

(۵) انقلاب نبوی کے تعلیمی وتربیتی طریق کار کا پانچواں جزء ''دین کی تکمیل'' ہے، اس کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے:

اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الإِسْلاَمَ دِیْناً. (المائدہ:۲)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا، تم پر اپنی نعمت پوری کردی، اورتمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کرلیا۔

نبوت کی عمارت آپ ﷺ پر مکمل کردی گئی، دین حق کا لا زوال اور آخری ایڈیشن آپ ﷺ کے ذریعہ پوری انسانیت تک پہونچا دیا گیا، ہدایت کا کام آپ ﷺ کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک پہونچا دیا گیا، جن خرابیوں سے حیاتِ انسانی کی تطہیر مقصود تھی، وہ آپ ﷺ کے ہاتھوں کردی گئی، جن کمالات اور خوبیوں سے انسانی زندگی کو آراستہ کیا جانا مطلوب تھا، اس کا بے مثال نمونہ آپ ﷺ کی رہبری میں پیش کرادیا گیا، غرضیکہ دین اپنے تمام شعبوں اور اجزاء کے ساتھ کامل، مکمل اور موافقِ فطرت اسلوب وانداز میں قیامت تک آنے والی نسلِ انسانی کے لئے واحد ذریعۂ نجات کے طور پر متعین کرکے پیش کردیا گیا، پھر آپ ﷺ پر سلسلۂ نبوت ختم فرمادیا گیا۔

(۶) اس کا چھٹا حصہ وہ ہے جسے ''انذار وتبشیر'' کہا جاتا ہے، قرآن میں اس کا ذکر بار بار آیا ہے، فرمایا گیا:

وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلاَّ مُبَشِّراً وَنَذِیْراً. (الاسراء:۱۰۵)

ہم نے آپ ﷺ کو صرف خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

قرآنی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کے فرائض نبوت میں سب سے اساسی فریضہ نافرمانوں کو عذاب الٰہی اور انجام بد سے ڈرانے اور فرماں برداروں کو رحمت الٰہی کی خوش خبری دینے کا ہے۔

(۷) پیغمبرانہ طریق کار کا ساتواں حصہ ” اللہ کے پیغام کو بندوں تک خیرخواہانہ پہونچانا“ ہے، یہ حصہ اپنے اندر بڑی وسعت اور تنوع رکھتا ہے، اور قرآن نے اس کے لئے” تبلیغ، دعوت اور تذکیر“ کی اصطلاحات استعمال کی ہیں، چنانچہ ارشاد ہوا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ. (المائدہ:٦٧)

اے رسول، جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے، اس کی تبلیغ کرو۔

وَدَاعِياً إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيراً. (الاحزاب:٤٦)

ہم نے آپ کو اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

ادْعُ إِلِى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ.

(النحل:١٢٥)

اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دیجئے۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ. (ق:٤٥)

لہٰذا قرآن کے ذریعہ ہر اس شخص کو نصیحت کرتے رہیے جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ. (الذاریات:٥٥)

اور نصیحت کرتے رہیے، کیونکہ نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔

(۸) نبی آخرالزماں ﷺ کے ذریعہ برپا ہونے والے عظیم انقلاب کے تعلیمی وتربیتی طریقِ عمل کا آٹھواں پہلو سابق انبیاء کی امتوں کے درمیان اصل دین میں پیدا ہوجانے والے تمام اختلافات کی حقیقت واضح اور آشکارا کردینے سے تعلق رکھتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اصل دین کے اوپر ڈالے گئے تمام پردے چاک کردیئے، اصل دین سے ہر قسم کی تحریف اور آمیزش چھانٹ کر الگ کردی، اور وہ صراط مستقیم انسانیت کے سامنے نمایاں کردی جس کی اتباع ہی نجات اور رضائے الٰہی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے، قرآن مجید میں اہل کتاب کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے:

یَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيراً مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ قَدْ جَاء كُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ، يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلاَمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنِ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ. (المائدہ:۱۵-۱۶)

اے اہل کتاب: تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آگئے ہیں جو تورات و انجیل کی بہت سی ان باتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو تم چھپایا کرتے ہو، اور بہت سی باتوں سے درگزر کر جاتے ہیں، تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی آئی ہے، اور ایک ایسی کتاب جو حق کو واضح کردینے والی ہے، جس کے ذریعہ اللہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، اور انہیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن میں دوسرے مقام پر ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے:

تَـالـلّٰـهِ لَـقَـدْ أَرْسَلْنَا إِلَى أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ

أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ. (النحل:٦٣-٦٤)

(اے پیغمبر) اللہ کی قسم! تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں، ہم نے ان کے پاس پیغمبر بھیجے تھے، تو شیطان نے ان کے اعمال کو خوب بنا سنوار کر ان کے سامنے پیش کیا، چنانچہ وہی آج ان کا سر پرست بنا ہوا ہے، اور اس کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے، اور ہم نے تم پر یہ کتاب اسی لئے اتاری ہے تاکہ تم ان کے سامنے وہ باتیں کھول کر بیان کردو جس میں انہوں نے مختلف راستے اپنا رکھے ہیں، اور تاکہ یہ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان ہو۔

عملی طریق کار

اپنے عظیم الشان مقاصد بعثت کی تکمیل اور اپنے انقلابی مشن کو پورا کرنے کے لئے حضور اکرم ﷺ نے جو طریقہ اختیار فرمایا تھا اس کا دوسرا پہلو عمل ہے، عملی زندگی کے حوالے سے جو کام آپ ﷺ کے حوالے من جانب اللہ کئے گئے تھے، ان کا دائرہ اخلاقیات، معاشرت، تہذیب، عدالت وسیاست ہر شعبے تک پھیلا ہوا ہے، ان میں عادلانہ نظام قضاء، منصفانہ طرز حکومت، اصلاح معاشرہ، تعمیر سیرت واخلاق، صالح تہذیب وتمدن کی تشکیل سب شامل ہوجاتے ہیں، بطور نمونہ چند نمایاں امور ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) عدل وانصاف: آپ ﷺ کو یہ عظیم ذمہ داری اللہ کی طرف سے سونپی گئی کہ آپ نزاعات میں اللہ کے بندوں کے درمیان مکمل عدل وانصاف اور حق کے ساتھ فیصلہ کیا کریں، چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْکَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاکَ اللّٰهُ وَلاَ تَكُن لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْماً. (النساء:۱۰۵)

بے شک ہم نے حق پر مشتمل کتاب تم پر اس لئے اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تم کو سمجھا دیا ہے، اور تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنو۔

غور فرمایا جائے تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے تئیں اہم اصول بیان فرمائے ہیں، پہلا اصول تو یہ ہے کہ تمام فیصلے احکام الٰہی کے تابع ہوں، دوسرا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر علیہ السلام کے قلب اطہر پر بہت سے ایسے امور وحقائق منکشف فرماتے رہتے ہیں جو قرآن میں صریح طور پر مذکور نہیں ہیں، تمام فیصلے ان کی روشنی میں کئے جانے چاہئیں، اس سے قرآن کے ساتھ سنت رسول کا حجت ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، تیسرا اصول یہ ہے کہ جس کے بارے میں کسی مقدمے میں یقینی طور پر غلطی اور ناحق پر ہونا معلوم اور واضح ہو جائے اس کی وکالت، حمایت اور طرف داری بالکل جائز نہیں ہے۔

(۲) اقامت دین: اللہ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو یہ فرض بھی سونپا تھا کہ آپ دین الٰہی کو معاشرے میں اس طرح نافذ وقائم کردیں کہ حیات انسانی کا پورا نظام اور شعبے اس کے تابع اور ماتحت ہو جائیں، اور دوسرے تمام نظام اور طریقے عملی طور پر مغلوب ہو جائیں، قرآن میں فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِىْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدَى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللّٰهِ شَهِيْداً. (الفتح:۲۸)

وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اسے ہر دوسرے دین پر غالب کردے۔

اس کے معنی واضح الفاظ میں یہی ہیں کہ:

''پورا معاشرہ اسی توحید کی بنیاد پر قائم ہو جائے اور اسی میں اخلاق، تمدن، تہذیب، تعلیم، مذہب، قانون، رسم ورواج، سیاست، معیشت، غرض ہر شعبۂ زندگی کے لئے وہ اصول اعتقاداً مان لئے جائیں اور عملاً رائج ہو جائیں جو خداوند عالم نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ سے دیئے ہیں، خدا کا دین جس کو گناہ کہتا ہے، قانون اسی کو جرم قرار دے، حکومت کی انتظامی مشین اسی کو مٹانے کی کوشش کرے، تعلیم وتربیت اسی سے بچنے کے لئے ذہن اور کردار تیار کرے، منبر ومحراب سے اسی کے خلاف آواز بلند ہو، معاشرہ اسی کو معیوب ٹھہرائے، اور معیشت کے ہر کاروبار میں وہ ممنوع ہو جائے، اسی طرح خدا کا دین جس چیز کو بھلائی اور نیکی قرار دے، قانون اس کی حمایت کرے، انتظام کی طاقتیں اسے پروان چڑھانے میں لگ جائیں، تعلیم و تربیت کا پورا نظام ذہنوں میں اس کو بٹھانے اور سیرتوں میں اسے رچا دینے کی کوشش کرے، منبر ومحراب اسی کی تلقین کریں، معاشرہ اسی کی تعریف کرے، اور اپنے عملی رسم ورواج اس پر قائم کر دے، اور کاروبار معیشت بھی اسی کے مطابق چلے، یہ وہ صورت ہے جس میں انسان کو کامل داخلی وخارجی اطمینان میسر آجاتا ہے اور مادی وروحانی ترقی کے تمام دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں، کیونکہ اس میں بندگئ رب اور بندگئ غیر کے تقاضوں کا تصادم قریب قریب ختم ہو جاتا ہے''۔ (تفہیم القرآن: ۴/ ۳۷۱)

حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کے سماج میں ہر مرحلۂ حیات اور ہر شعبۂ زندگی میں دین کو اسی طرح نافذ وقائم کر کے دکھایا اور اس باب میں اپنی رہنمائی مکمل فرمادی۔

(۳) امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور آسانی فراہم کرنا: اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کو یہ مسئولیت بھی دی گئی تھی بلکہ اسے آپ ﷺ کا امتیاز بنایا گیا تھا کہ آپ انسانوں کو نیکی کا حکم، برائی سے رکنے کی تلقین کریں گے، حرام وحلال کی حدود قائم کریں گے اور انسانیت کو غیر اللہ کی عائد کردہ پابندیوں اور بوجھوں سے آزاد کریں گے، فرمایا گیا:

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ

الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالأَغْلاَلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ آمَنُواْ بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُواْ النُّورَ الَّذِيَ أُنزِلَ مَعَهُ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. (الاعراف: ۱۵۷)

(وہ رسول) انہیں اچھی باتوں کا حکم دے گا، برائیوں سے روکے گا، اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا، اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے وہ طوق اتار دے گا جو ان پر لدے ہوئے تھے، چنانچہ جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے، اس کی تعظیم کریں گے، اس کی مدد کریں گے، اور اس کے ساتھ جو نورِ قرآنی اتارا گیا ہے، اس کے پیچھے چلیں گے، تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔

چنانچہ سیرت رسول شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے شارع کی حیثیت سے یہ سارے کام پورے فرمادیئے۔

(۵) رسول اللہ ﷺ کی عالمگیریت

حضور اکرم ﷺ کا ایک بنیادی امتیاز آپ ﷺ کی نبوت اور دعوت کی عالمگیریت اور ابدیت ہے، آپ ﷺ سے پیشتر تمام انبیاء کی دعوت اپنی اپنی قوم کی حد تک محدود تھی، مگر آپ ﷺ کا خطاب دنیا کی تمام اقوام، تمام طبقات اور تمام علاقوں کے لئے اور صبح قیامت تک کے لئے تھا، قرآن میں جابجا "يَا أَيُّهَا النَّاسُ" (اے تمام انسانو) اور "يَا بَنِيْ آدَمَ" (اے آدم کی اولاد) کہہ کر پوری انسانیت کو مخاطب فرمایا گیا ہے، قرآن میں آپ ﷺ کو "رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِيْنَ" (سارے جہانوں کے لئے رحمت) اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید کو "هُدًى لِلْعَالَمِيْنَ" (پوری دنیا کے لئے سامان ہدایت) قرار دیا گیا ہے، اور یہ بھی فرمایا گیا ہے:

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ. (التکویر:۲۷)

یہ قرآن تمام دنیا والوں کے لئے رحمت ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے:

تَبَارَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْراً. (الفرقان:۱)

بڑی شان ہے اس ذات کی جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کا فیصلہ کر دینے والی یہ کتاب نازل کی، تا کہ وہ دنیا جہان کے تمام لوگوں کو خبردار کر دے۔

قرآن میں آپ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْراً وَنَذِيْراً وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ. (السباء:۲۸)

ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

سورۃ الاعراف میں وارد ہوا ہے:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّىْ رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعاً الَّذِىْ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لا إِلَـهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ فَآمِنُواْ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ. (الاعراف:۱۵۸)

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضہ میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگی اور موت دیتا ہے، اب تم اللہ پر اور اس کے

رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کی پیروی کرو تا کہ تمہیں ہدایت حاصل ہو۔

قرآن و حدیث کے نصوص میں جا بجا ایسی صراحتیں موجود ہیں جو آپ ﷺ کی نبوت کی ابدیت اور عالمگیریت کا واضح اعلان ہیں، پھر یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آپ سے پہلے انبیاء کو ملنے والے معجزات انہیں کے زمانوں تک محدود رہے، مگر آپ ﷺ کو قرآن مقدس کی شکل میں جو علمی و انقلابی معجزہ عطا کیا گیا وہ تا قیامت اپنی اسی شان کے ساتھ باقی رہے گا، نہ اس کے عجائب ختم ہوں گے اور نہ اس کی تاثیر و تسخیر میں ذرہ برابر فرق آسکے گا، یہ بجائے خود آپ ﷺ کی دعوت و نبوت کی ابدیت کا نمایاں ثبوت ہے۔

یہ اصولی بات قابل توجہ ہے کہ کسی بھی دعوت کی ابدیت اور عالمگیریت کے لئے تین باتیں بنیاد کا مقام رکھتی ہیں:

ایک تو یہ کہ اس دعوت کا مخاطب کوئی ایک طبقہ یا قوم نہ ہو، پوری کائنات اس کی مخاطب ہو۔

دوسری بنیاد یہ ہے کہ وہ دعوت تمام انسانی مسائل کا احاطہ کرتی ہو اور جامع ہو۔

تیسری بنیاد یہ ہے کہ وہ دعوت اپنی تعلیمات کے ساتھ کسی ملاوٹ کے بغیر محفوظ طور سے ہم تک پہونچی ہوئی ہو۔

ان تینوں معیاروں کی روشنی میں شریعت محمدی کا دوسرے مذاہب سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ دنیا کے دیگر مذاہب ایک خاص طبقے اور قوم کے لئے رہے، عیسائیت کا پیغام صرف بنی اسرائیل کے لئے تھا، جس کی صراحت انجیل میں بھی ملتی ہے، ہندو مذہب کو دیکھا جائے تو اس میں انسانوں کے درمیان انتہائی گھناؤنی طبقاتی تقسیم ہے، ظاہر ہے کہ ایسا نظام پوری انسانیت کے لئے کیسے قابل قبول ہوسکتا ہے، جب کہ شریعت محمدی اور دعوت محمدی پوری کائنات کے لئے ہے، اسلام آفاقی مذہب ہے، آپ ﷺ کا پیغام عالمگیر ہے، آپ نے پوری انسانیت کو مخاطب بنایا، طبقاتی تفریق کی لعنت کا خاتمہ کردیا، فضیلت اور برتری کے تمام

جھوٹے معیاروں کا خاتمہ فرما دیا اور واضح کر دیا کہ معیارِ فضیلت صرف تقوی اور حسنِ کردار ہے، آپ ﷺ نے اپنے طرز عمل سے بھی مذہبی، سیاسی، سماجی، قانونی ہر لحاظ سے مکمل مساوات کا نہ صرف پیغام دیا بلکہ اسے عملی طور پر برت کر دکھا دیا۔

دیگر مذاہب عالم کا جائزہ لیا جائے اور اسلام کو دیکھا جائے، آپ ﷺ کے سوا کوئی مصلح اور رہ نما ایسا نہیں ملتا جس کی دعوت تمام انسانی مسائل وضروریات کا احاطہ کرتی ہو، اور جس کی سیرت زندگی کے تمام پہلوؤں میں رہنمائی کرتی ہو، صرف آپ ﷺ کی ہی حیات و سیرت ہے جس میں عقائد وعبادات سے لیکر معاملات ومعاشرت واخلاق تک ہر شعبے میں جامع رہنمائی کا سامان مل سکتا ہے، تعلیمات نبوی میں ہر درد کی دوا، ہر مشکل کا حل اور ہر روگ کا علاج موجود ہے۔

اور یہ تو بالکل واضح ہے کہ آپ ﷺ کے علاوہ دیگر تمام مصلحین کی تعلیمات اپنی اصل شکل میں محفوظ نہیں رہیں، اور ان میں بہت سی تحریفات اور ملاوٹیں کی جا چکی ہیں، صرف آپ ﷺ کی تعلیمات ہیں جو آج تک جوں کی توں محفوظ ہیں اور ان میں ادنی درجہ کی تحریف اور ملاوٹ نہیں کی جا سکی ہے۔

لہٰذا جب یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی پورے عالم کے لئے اسوہ ونمونہ ہے اور آپ کی دعوت ابدی اور عالمگیر ہے تو یہ صرف جذباتی عقیدتمندانہ دعوی نہیں ہوتا بلکہ انمٹ سچائی اور حقیقت کا اعلان ہوتا ہے۔

(۶) ختم نبوت

حضور اکرم ﷺ کی ایک نمایاں خصوصیت آپ کا ”خاتم الانبیاء“ ہونا ہے، نبوت کی عمارت کی پہلی اینٹ حضرت آدم تھے اور آخری اینٹ جناب رسول اللہ ﷺ۔

قرآنی صراحت:

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ. (الاحزاب: ٤٠)

محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔

اور حدیث نبوی:

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، لاَ نَبِيَّ بَعْدِي. (ابوداؤد: الفتن: باب ذکر الفتن: ٤٢٥٢)

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

کے مطابق قرن اول سے لے کر آج تک ہر صاحب ایمان کا یہ متفقہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر اللہ نے سلسلۂ نبوت ختم فرما دیا ہے، اور اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

عقل اگر سلیم ہے اور حقائق و واقعات کے ادراک کی صلاحیت رکھتی ہے تو اسے اس عقیدے کو تسلیم کرنے میں ایک لمحے کے لئے بھی تذبذب نہیں ہو سکتا کہ نبی آخرالزماں ﷺ کے بعد سلسلۂ نبوت قطعی طور پر بند ہو چکا ہے، اور اب جو افراد اپنی نبوت کے مدعی ہوں گے یا ایسوں کے پیروکار ہوں گے وہ نہ صرف جھوٹے ہوں گے بلکہ دائرہ ایمان سے خارج بھی ہوں گے۔

رسالت و نبوت دین کے ان اولین بنیادی عقائد میں سے ہے جن کو تسلیم کرنے اور نہ کرنے پر ایمان اور کفر کا دارومدار ہے، نبی برحق کو نہ ماننا کفر ہے، اسی طرح جھوٹے مدعی نبوت کو نبی مان لینا بھی کفر ہے، جب یہ اس قدر حساس اور نازک معاملہ ہے تو یہ ناممکن ہے کہ اگر خدانخواستہ محمد ﷺ کے بعد سلسلۂ نبوت جاری رہتا تو اس کا اعلان نہ کیا جاتا اور امت کو خبردار نہ کیا جاتا۔

پھر چونکہ قرآن کی شکل میں آخری صحیفۂ ہدایت نازل ہو چکا تھا، زندگی کے تمام شعبوں

کے لئے الٰہی احکام و ہدایات اتاری جا چکی تھیں، انسانیت کے معلم کامل ﷺ کی شکل میں کامل واکمل نمونہ آچکا تھا، وحی ربانی کی مکمل دائمی حفاظت کا نظم اور وعدہ من جانب اللہ کیا جا چکا تھا، اس لئے آپ ﷺ پر ختم نبوت کا اعلان فرمادیا گیا۔

قرآن کریم کا غائرانہ مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف چار احوال ومواقع ہیں جن میں انبیاء کی بعثت ہوئی ہے:

(۱) کسی خاص قوم میں نبی مبعوث کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہو کہ اس قوم میں پہلے سے کوئی نبی نہیں آیا تھا اور دوسری قوم میں مبعوث نبی کی تعلیمات بھی اس قوم تک پہونچ نہیں پا رہی تھیں۔

(۲) بعثت نبی کی ضرورت اس لئے ہو کہ سابق نبی کا دین بھلادیا گیا ہو یا اس میں تحریف اور ملاوٹ کر کے اسے مسخ اور ناقابل اتباع بنادیا گیا ہو۔

(۳) نبی کی ضرورت اس لئے ہو کہ سابق نبی کے ذریعہ امت کو جامع و کامل ہدایت میسر نہ آسکی ہو اور تکمیل دین کے لئے دوسرے نبی کی حاجت ہو۔

(۴) کسی نبی کے ساتھ حالات کے پیش نظر مدد کے لئے دوسرے نبی کی ضرورت ہو۔

غور کیا جائے تو نبی اکرم ﷺ کے بعد ان چاروں ضرورتوں میں سے کوئی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔

قرآنی صراحتوں کے مطابق آپ ﷺ کو پوری انسانیت کے لئے نبی بنایا گیا ہے، اور بعثت محمدی سے لے کر آج تک کی تاریخ شاہد ہے کہ آپ ﷺ کا پیغام، دعوت اور تعلیمات تمام افراد و اقوام کو پہونچ سکتی ہیں اور پہونچ رہی ہیں، اسی طرح قرآن وسنت کی صراحت و شہادت کے مطابق آپ ﷺ کی تعلیمات جوں کی توں محفوظ ہیں، ان میں کسی لفظ وحرف بلکہ نقطے کی تحریف نہ ہوئی ہے نہ ہوسکتی ہے، قرآنی صراحت ”اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ“ کے مطابق آپ ﷺ کے ذریعہ دین کی تکمیل فرمادی گئی ہے۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی پوری سیرت تاریخی طور پر مکمل محفوظ ہے، آپ کا عطا کردہ دستورِ حیات پوری انسانیت کے لئے یکساں طور پر رہنما ہے، آپ ﷺ کا کردار زندگی کے ہر مرحلے کے لئے رہبری کرتا ہے اور اسے اپنانے کے بعد کہیں سے کوئی تشنگی اور نقص باقی نہیں رہتا۔

سابق انبیاء کے لئے اللہ کی سنت یہ تھی کہ ہر نبی کو کچھ معجزات دیئے جاتے تھے، نبی حق کا پیغام پیش کرتا، اپنی صداقت کے اثبات کے لئے معجزہ پیش کرتا، پھر بھی قوم نہ مانتی تو نبی کی ذمہ داری مکمل ہو جاتی اور آسمانی عذاب کے ذریعہ قوم کو سبق سکھا دیا جاتا، لیکن نبی اکرم علیہ السلام کی رحمۃ للعالمینی کی بنیاد پر اللہ نے یہ طے فرما دیا کہ آپ کے مدعو اور مخاطب افراد کے لئے اس طرح کا آسمانی اجتماعی عذاب نہیں آئے گا، بلکہ خود آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو ان سے مقابلہ کا حکم ہوگا، اور اس مقابلہ وجہاد کے ذریعہ ان کو حق ماننے پر مجبور کیا جائے گا، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیگر اقوام کے برخلاف آپ ﷺ کے اولین مخاطب اہل عرب پر کوئی اجتماعی عذاب عام نہیں آیا بلکہ اتمام حجت کے بعد آپ ﷺ اور صحابہ کا ان سے مقابلہ کرا دیا گیا، اور اس معرکہ آرائی میں حق فتح یاب ہوا، اور اسلام جزیرۃ العرب پر غالب وحاکم بن گیا۔

چونکہ آپ ﷺ کی دعوت کو انفرادی واجتماعی تمام مرحلوں سے گذرنا پڑا، اسی لئے اللہ کی طرف سے حیات انسانی کے تمام مرحلوں اور شعبوں کے لئے حکیمانہ احکام وہدایات بھی نازل ہوتی رہیں، آپ ﷺ کو زندگی کی تمام مثبت ومنفی، خوش گوار وتلخ کیفیات سے سابقہ پیش آیا، اور ہر جگہ اعلیٰ مثالی اور جامع وکامل کردار کا نمونہ آپ ﷺ کے ذریعہ امت کے سامنے قیامت تک رہنمائی کے لئے من جانب اللہ سامنے لایا گیا۔

ان سب کے لئے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو بڑے سخت مرحلوں اور مشکل ترین حالات سے گذرنا پڑا، قرآنی الفاظ میں ”وَزُلْزِلُوا زِلْزَالاً شَدِیْداً“ (الاحزاب: ۱۱) اہل ایمان کو خوب خوب ہلایا گیا اور جھنجھوڑا گیا، ایک طرف آپ ﷺ کو اہل باطل کی طرف معمولی درجے کے

جھکاؤ سے بھی شدت سے منع کیا گیا۔ (بنی اسرائیل: ۷۵) دوسری طرف آپ کے صحابہ کے لئے بھی کسی بھی حال میں آپ ﷺ کی جاں نثارانہ صحبت وحمایت ومعیت سے ادنیٰ اعراض وتخلف کا خیال تک لانا بھی ممنوع تھا۔ (التوبہ: ۱۹۹)

ختم نبوت، تکمیل دین اور اتمام نعمت کا عظیم منصوبہ ان مراحل سے گذار کر بروئے کار لایا گیا، اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ختم نبوت اس امت کے لئے بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے، اور امت کی وحدت، استقامت، فکری ثابت قدمی اور عالمگیریت کے لئے ختم نبوت بنیاد ہے، فرقہ بندی اور فکری واعتقادی انتشار وتذبذب سے تحفظ اسی کے ذریعہ ممکن ہے، اگر سلسلۂ نبوت جاری مان لیا جائے تو روز نیا نبی آئے گا، پھر اس کے اقرار وانکار کا مرحلہ ہوگا، اس سے تفرقہ پیدا ہوگا، دشمنان اسلام امت کو اسی تفرقہ کا شکار بنا کر کمزور کرنے کے درپے شروع سے رہے ہیں، اسلئے ہر دردمند مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ ختم نبوت کی حقیقت اچھی طرح سمجھ کر باطل مغالطوں کے شکار افراد کو ختم نبوت کے عقیدہ کی اہمیت اور معنویت سمجھائی جائے۔

◆

پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کی جامعیت

حضور اکرم ﷺ کی شخصیت ہر لحاظ سے جامع اور کامل ومکمل تھی، آپ کا عہد طفولیت ہو یا دور شباب، کہولت کا زمانہ ہو یا بڑھاپے کے ایام، آپ کی حیاتِ مبارکہ کی جامعیت وکاملیت کے نمونے ہر مرحلۂ زندگی میں نظر آتے ہیں۔ خود آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے کہ:

إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ أَدَّبَنِیْ فَأَحْسَنَ تَأْدِیْبِیْ. (شرح الزرقانی علی المواہب: ۵/۲۹۷)

بلاشبہ اللہ عزوجل نے مجھے ادب سکھایا اور میری تربیت کی، اور بہت خوب تربیت کی۔

قرآن میں وارد ہوا ہے:

وَأَنزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً. (النساء: ۱۱۳)

اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی، جو آپ کو معلوم نہ تھا وہ آپ کو سکھایا، اور آپ پر اللہ کا فضل بہت ہے۔

پوری دنیا کو آپ ﷺ کی اطاعت وپیروی کا حکم دیا گیا، اور آپ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا، فرمایا گیا:

مَّنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰہَ. (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔

آپ ﷺ کی عظمت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ تن تنہا اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی قوم کو خدائے واحد کی بندگی کی صریح دعوت دی، بت پرستی کی علانیہ مذمت کی، نتیجہ یہ ہوا کہ حق غالب آ کر رہا، دین برحق ہر طرف پھیل گیا، آپ بے سروسامان تھے، سلطنت آپ کے قبضہ میں نہ تھی، مال ودولت کے خزانے آپ کے پاس نہ تھے، مگر توکل اور تقویٰ آپ کا زادِ سفر تھا، آپ نے اسلام کا علم بلند کر دیا اور اپنے رب کا پیغام حق ہر گوشے میں پہنچا دیا۔

آپ ﷺ بے انتہا عظیم ہونے کے ساتھ ہی مصلحِ اعظم بھی تھے، ہر نوع کی برائیوں اور خرابیوں کو معاشرہ سے مٹانے کی سعی وکوشش آخری لمحۂ زندگی تک فرماتے رہے، اور اس کی تلقین وتاکید کرتے رہے، عدل وانصاف اور مساوات ومواسات آپ کی تعلیم کے روشن عناوین ہیں، فقراء ومساکین کے ساتھ آپ کا معاملہ رحم وہمدردی، مدد واعانت، غلاموں کے ساتھ حسن سلوک، انہیں اللہ کی راہ میں آزاد کرنے کی تلقین، آپ کی سیرت میں واضح طور پر موجود ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے زمانۂ جاہلیت میں بھی اپنے غلاموں کو آزاد فرمایا تھا، پھر بعد میں جو غلام بھی آپ کو ہدیہ میں ملے ان کو بھی آزاد فرمایا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''اپنے غلاموں اور زیر دستوں کے بارے میں اللہ سے ڈرا کرو''۔ (ابوداود: الادب: باب فی حق المملوک: ۵۱۵۶)

یعنی ان کے ساتھ حسن معاملہ رکھو، ظلم، بدسلوکی اور طاقت سے زائد بوجھ ڈالنے کا گناہ مت کرو۔

اس معاشرے میں جہالت عام تھی، آپ نے علم کی روشنی پھیلائی، علم کی طلب کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا، واضح کر دیا کہ علم زندگی اور جہالت موت ہے، اہل علم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے۔ بدر کے قیدیوں کی رہائی کا عوض یہ بھی قرار دیا کہ وہ جاہل مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں، فرمایا: ''اپنے بچوں کو علم سکھاؤ، کیوں کہ وہ تمہارے زمانے کے لئے نہیں اگلے زمانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں''۔ (مستفاد از: سیرت المصطفیٰ: ۲/ ۱۳۰، طبقات ابن سعد: ۱/ ۱۴)

اس ماحول میں یتیم سب سے زیادہ مظلوم تھا، تربیت کے نام پر اس کا استحصال ہوتا تھا،

آپ نے اس پہلو پر خاص توجہ دی، آپ نے یتیموں کے ساتھ بدمعاملگی کو بہت خطرناک جرم قرار دیا، (مشکوۃ المصابیح: الادب: باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق: ۴۹۷۳) یتیم کی کفالت کرنے والے کو جنتی بتایا، (ایضاً: ۴۹۵۲) اوراس سے حسن سلوک کی پرزور تاکید فرمائی، (ایضاً: ۴۹۷۴) اسی طرح قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا، مسلمانوں کوتاکید کی کہ وہ قیدیوں کو رہا کرانے کی کوشش کریں، (ایضاً: الجنائز: باب عیادۃ المریض الخ: ۱۵۲۳) حضرت ثمامہ بن اثالؓ قیدی تھے، ان کے بارے میں حکم دیا کہ ان سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کیا جائے۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/ ۶۳۹)

آپ ﷺ کی ذاتی زندگی کا شعار زہد، قناعت اوراستغناء تھا، آپ شاہانہ زندگی گذارنے پر قدرت کے باوجود فقر وزہد کو ترجیح دیتے تھے، بقدر کفاف روزی پر قانع تھے، اپنا ہر کام بدست خود کرتے تھے، آپ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ کا کرتا کسی یہودی کے پاس گروی رکھا ہوا تھا، (بخاری: الجہاد: باب ما قیل فی درع النبی الخ: ۲۷۵۹) آپ نے واضح فرمادیا تھا کہ انبیاء کا مال وراثت میں نہیں بٹتا، وہ صدقہ ہے، جوضرورت مند مسلمانوں کے کام میں آتا ہے۔ (بخاری: الفرائض: باب قول النبی: لانورث الخ: ۶۳۴۶)

آپ ﷺ کی شجاعت، دلیری، ثابت قدمی، صبر وشکیبائی، غیرت ایمانی، سخاوت وفیاضی اور جود وکرم کے نمونے سیرت میں محفوظ ہیں، میدانِ جنگ میں آپ کی جنگی حکمت، فوجی صلاحیت، فراست، دوراندیشی اور بصیرت کی نظیر نہیں ملتی، آپ نے بارہا کافروں کے ہجوم میں بالکل بے خوف ہوکر حق وتوحید کی صدا بلند کی، اس راہ میں آپ کو بے شمار ایذاؤں اور مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا، مگر آپ پہاڑوں سے زیادہ ثابت قدم رہے، طائف میں آپ کو لہولہان کیا گیا، دارالندوہ میں آپ کے قتل کا پروگرام طے ہوا، حالت نماز میں آپ پر اوجھ ڈالی گئی، راستہ چلتے ہوئے آپ پر غلاظت ڈالی گئی، غزوۂ احد میں آپ کے دندانِ مبارک شہید کئے گئے، روئے مبارک کو زخمی کیا گیا، مگر صبر واستقلال کی طاقت سے آپ نے دشمنوں کی ہر تدبیر ناکام بنادی۔

آپ کی زندگی کا ہر پہلو نمونہ ہے، اہل ایمان کے لئے منارۂ نور اور مشعل راہ ہے، اور آپ کے اولادِ آدم کا سردار ہونے کا واضح ثبوت بھی ہے۔ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه واٰله وسلم.

باب دوم:

حضور اکرم ﷺ کے عظیم احسانات

عالمِ انسانیت پر حضور ﷺ کے عظیم احسانات

اس کائنات کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی پوری نسل انسانی اپنے مالک وخالق کے عظیم الشان انعامات واحسانات سے ہر لمحہ فیض یاب ہوتی ہے، انسان کی حیاتِ مستعار کا کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گذرتا جب وہ اپنے رب کی نعمتوں سے لطف اندوز نہ ہوتا ہو، قرآن مقدس میں اللہ نے انسانیت پر اپنی نعمتوں کے تسلسل اور کثرت کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

وَإِن تَعُدُّواْ نِعْمَةَ اللّٰهِ لاَ تُحْصُوهَا. (ابراهيم: ٣٤)

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار بھی نہیں کر سکتے۔

قرآن میں خداوند قدوس نے اپنی بے شمار نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے، مگر ان تمام نعمتوں میں صرف ایک نعمت ایسی ہے جس پر اللہ نے بندوں کو خطاب کر کے واضح الفاظ میں احسان جتایا ہے، یہ نعمت پیغمبر ﷺ کی بعثت مبارکہ کی نعمت ہے، اللہ کے الفاظ ہیں:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلاَلٍ مُّبِينٍ. (آل عمران: ١٦٤)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے، جب کہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ پوری انسانیت کے لئے آپ ﷺ کی ذات والا صفات اللہ کی سب سے بڑی نعمت ثابت ہوئی، نوعِ انسانی پر اللہ رب العزت کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اپنے نبی کو تاریخ کا سب سے بڑا انسان بنا کر مبعوث فرمایا، گویا آپ ﷺ کی صورت میں ایسا بلند ترین مینار قائم کر دیا گیا کہ انسان جس طرف بھی نظر ڈالے آپ ﷺ کو دیکھ لے، جب بھی اسے رہبر کی تلاش ہو نگاہ آپ ﷺ ہی پر جا ٹھہرے، جب بھی اسے حق کی جستجو ہو آپ ﷺ کا پیغام اس کے لئے مرکز توجہ بن جائے اور آپ کی صدائے دل نواز اسے اپنا اسیر بنا لے، اور جب بھی اسے حالات کے ہچکولے پریشان کریں آپ ﷺ کا دامان رحمت اس کے لئے پناہ دہندہ اور سہارا ثابت ہو۔

تخلیقِ کائنات کا عنواں ہیں مصطفیٰ
انسانیت کے درد کا درماں ہیں مصطفیٰ

ہم پر خدائے پاک کا احساں ہیں مصطفیٰ
واللہ سب رسولوں کے سلطاں ہیں مصطفیٰ

صد شکر بے مثال ہمیں رہنما ملا
وہ مل گئے تو ان سے خدا کا پتہ ملا

۲۳/سال کے مختصر عرصے میں آپ ﷺ کی اور صرف آپ ﷺ کی محنتوں، کاوشوں اور جہد مسلسل کے فیض سے دنیائے انسانیت میں وہ عظیم وہمہ گیر انقلاب آیا، جس نے ذہن ودماغ بھی بدل دیئے، فکر ونظر کی سمت بھی تبدیل کر دی، قلب وباطن بھی اجلے کر دیئے، قالب وسراپا کی بھی تطہیر کر دی، بلکہ کایا پلٹ دی، رخ بدل دیا، ضمیر بیدار کر دیا، کھسکی ہوئی زندگی کی چول بٹھا دی، اور تاریخ کا دھارا بدل دیا، قرآن نے فرمایا ہے:

وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا. (آل عمران:۱۰۳)

تم آگ کے گڈھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔

خداوند قدوس نے پیغمبر علیہ السلام کے ذریعہ انسانیت کو ہلاکت سے بچانے والا نظام عطا فرمایا، اسی کو آپ ﷺ نے انسانوں کو مخاطب کر کے: ’’أَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ‘‘ (میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو جہنم کی آگ سے روک رہا ہوں) کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: الایمان: باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ: ۱۴۹)

بعثت محمدی جس ماحول میں ہوئی تھی، اس میں پوری انسانیت نزع کے عالم میں تھی، جاں کنی کا مرحلہ تھا، ارحم الراحمین کی شان رحمت اس طرح جلوہ گر ہوئی کہ آپ ﷺ کی شکل میں ایسا ناصح وامین انسان مبعوث فرمایا گیا جس نے جاں بلب نوع انسانی کو حیات نو بخش دی۔

فقر کو جس کے تھی حاصل کج کلاہی وہ رسول
گلہ بانوں کو عطا کی جس نے شاہی وہ رسول

زندگی بھر جو رہا بن کر سپاہی وہ رسول
جس کی ہر اک سانس قانونِ الٰہی وہ رسول

جس نے قلبِ تیرگی سے نور پیدا کردیا
جس کی جاں بخشی نے مردوں کو مسیحا کردیا

واقعہ یہ ہے کہ پوری انسانیت آپ ﷺ کی مرہون منت اور زیر احسان ہے، محسن انسانیت کے احسانات کی فہرست بے حد طویل ہے، ان میں چند نمایاں احسانات یہ ہیں۔

(۱) عقیدۂ توحید

پوری کائنات اور نوع انسانی پر آپ ﷺ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے شرک و کفر کی عفونتوں میں لتھڑی ہوئی دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت عطا کی۔

تابندہ عقیدہ دیا، تہذیب عطا کی
تاریخ نہ بھولے گی یہ احسانِ محمدؐ

اس عقیدے میں جو انقلاب انگیزی، عہد آفرینی اور مردم سازی کا جوہر پایا جاتا ہے، وہ بے مثال ہے، اسی کی برکت سے انسانیت کے تن مردہ میں روحِ تازہ آتی ہے، خدا کو ایک تسلیم کرنا ظاہری لحاظ سے تو ایک سادہ سا معاملہ ہے، لیکن شرک، کفر، مخلوق پرستی اور الحاد وغیرہ کے بالمقابل یہ انتہائی انقلابی عقیدہ و فکر ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ جس ماحول میں ہوئی وہ شرک و کفر کے منحوس اثرات اور ظلمتوں میں ڈوبا ہوا تھا، شرک اور اس کے پیدا کردہ اوہام نے انسانیت کو آخری حد تک ذلیل کر رکھا تھا، مشرکانہ بدعقیدگی ہی کا منحوس اثر تھا کہ جا بجا اپنی عقل و حکمت، فراست و بصیرت، دانائی و زیرکی، ہنرمندی اور تدبیر کے شاہکار چھوڑنے والا انسان اپنے سے کہیں زیادہ مجبور و بے بس، بے جان و حرکت اور بے حس و شعور چیزوں کے سامنے اپنی پیشانی ٹیکتا اور سجدہ ریز ہوتا تھا، توہم پرستی اس کے پورے وجود کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھی، دنیا اس کے لئے عشرت کدہ بنی ہوئی تھی، اقدار و اخلاق کی پاسداری اس کے لئے بے معنی چیز تھی۔

محسن انسانیت ﷺ نے اس مشرکانہ، کافرانہ اور توہم پرستانہ فضا میں توحید کی صدائے

دل نواز بلندی کی، آپ ﷺ نے انسانوں کو عقیدۂ توحید کی تعلیم دے کر اس کی جبین نیاز صرف ایک خدائے برحق کے سامنے جھکا دی، اور ایک خدا کی غلامی اور بندگی کے سوا ہر غلامی اور بندگی کا جوا انسان کی گردن سے اتار پھینکا اور اپنی تعلیمات کے ذریعہ یہ حقیقت انسان کے جسم و جان کے ریشے ریشے میں پیوست کر دی کہ جبین صرف خدائے واحد کے در پر جھکے گی، ناک صرف اسی کے دربار میں رگڑی جائے گی، مرادیں، پناہیں، فریادیں صرف اسی سے طلب کی جائیں گی، اس لئے کہ خالق، مالک، معبود، مسجود، حاکم، قاضی الحاجات، مشکل کشا اور بندہ نواز سب کچھ وہی ہے، اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کو یہی حکم ہوا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، اللّٰهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ. (الاخلاص)

کہہ دو کہ بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے، اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں ہے۔

مزید حکم ہوا:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَداً وَلَم يَكُن لَّهُ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِىٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْراً. (الاسراء:۱۱۱)

کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے نہ کوئی اولاد بنائی، نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے، اور نہ وہ کمزور و عاجز ہے کہ اسے کسی مددگار اور حمایتی کی ضرورت ہو، اور اس کی ایسی بڑائی بیان کیجئے جیسی بڑائی بیان کرنے کا حق ہے۔

تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ہر نبی کے لئے اللہ کی طرف سے سب سے پہلا حکم یہی ہوتا تھا کہ وہ اللہ کے بندوں کو عقیدۂ توحید کی پر زور اور پرسوز دعوت

دیں، انہیں شرک کی آلائشوں سے پاک کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش بھی کریں اور اس راہ کی تمام صعوبتوں کو ہنسی خوشی گوارا بھی کریں اور بہر حال یہ اعلان کر دیں اور نازک ترین مرحلوں میں بھی اس علان پر قائم و مستقیم رہیں کہ معبود برحق صرف اللہ کی ذات واحد ہے، اس کے سوا سب گمراہی ہے، قرآن اس تاریخی حقیقت کو بیان کرتا ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوتَ. (النحل:٣٦)

اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر اس ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

وَلَقَدْ أُوحِیَ إِلَیْکَ وَإِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ أَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ، بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَکُنْ مِّنَ الشَّاکِرِیْنَ. (الزمر: ٦٥،٦٦)

اور یہ حقیقت ہے کہ تم سے اور تم سے پہلے تمام پیغمبروں سے وحی کے ذریعہ یہ بات کہہ دی گئی تھی کہ اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا، اور تم یقینی طور پر سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے، لہٰذا اس کے بجائے تم اللہ ہی کی عبادت کرو، اور شکر گذار لوگوں میں شامل ہو جاؤ۔

چنانچہ قرآن کا بیان ہے کہ ہر نبی نے اپنی امت کو سب پہلا پیغام یہی دیا:

أُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُم مِّنْ إِلٰهٍ غَیْرُهُ. (الاعراف: ٦٥)

تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔

اور اس پیامِ توحید کے ساتھ ہر نبی نے یہ بھی واضح کر دیا:

أَنَا لَکُمْ نَاصِحٌ أَمِیْنٌ. (الاعراف: ٦٨)

میں تمہارے لئے امانت دار خیر خواہ ہوں۔

اور یہ بھی صاف کر دیا:

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ، إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ. (الشعراء:۱۰۹)

میں تم سے اس دعوت حق پر کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے ذمہ ہے۔

چونکہ نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ کی ذات والا صفات پر مکمل ہونا تھا، اور آپ ﷺ کو زمان ومکان کی ہر قید سے بالاتر ہوکر پورے عالم کے لئے اور صبح قیامت تک پوری انسانیت کے لئے اللہ کا پیغامبر اور رہبر بنایا گیا تھا، اس لئے عقیدۂ توحید کی دعوت آپ ﷺ کی حیات وسیرت میں سب سے بڑھ کر اولیت اور قوت کے ساتھ نظر آتی ہے، اور اسی لئے آپ کو خطاب کرکے کہا گیا:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ. (الاعراف:۱۵۸)

(اے رسول! ان سے) کہو کہ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضہ میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہی زندگی اور موت دیتا ہے، اب تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کی پیروی کرو تا کہ تمہیں ہدایت حاصل ہو۔

آپ ﷺ کی سیرت اور دعوت کا جائزہ لیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ آپ کی پوری

زندگی اسی عقیدۂ توحید کی تعلیم، تبلیغ، اور عملی تنفیذ و تطبیق کے گرد گھومتی رہی ہے، تمام جھوٹے معبودوں کی کبریائی ختم کر کے خدائے واحد کی کبریائی کا اعلان آپ کی زندگی کا وہ بنیادی مقصد رہا جو شروع سے آخر تک ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہا اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپ اس سے غافل نہیں رہے، اللہ نے آپ کو مکلّف کیا تھا:

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ . (المدثر:۳)

اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کر دیجئے۔

چنانچہ آپ ﷺ تا دمِ آخر اسی کو اپنے مشن کی اولین بنیاد بنا کر سرگرم رہے، پہلی وحی کے نزول اور منصبِ نبوت سے سرفرازی کے بعد اپنی شریک حیات ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے سامنے سب سے پہلے آپ نے عقیدۂ توحید کی دعوت پیش کی جو انہوں نے بلا تردد قبول کر لی، یہ ابتداء تھی، پھر تین سال خفیہ شکل میں اسی مشن پر کام ہوتا رہا، پھر حکم الٰہی پر خاندان کے قریبی اعزہ کو اجتماعی شکل میں دعوتِ طعام کے بعد یہی پیام توحید آپ نے سنایا، اس کے بعد اللہ کے حکم پر کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر مکہ کے تمام عمائدین کے سامنے آپ ﷺ نے بآواز بلند یہ اعلان فرما دیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، تُفْلِحُوا.

اے لوگو! اقرار کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کامیاب ہو جاؤ گے۔

(ابن کثیر: ۱/ ۴۵۵)

یہ تو آغاز تھا، پھر حیات مبارکہ کے اخیر مرحلے میں اور بطور خاص حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ کے میدان میں سوا لاکھ افراد کے سامنے آپ ﷺ نے صاف صاف فرما دیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ. (الترغیب: ۳/ ۶۱۲)

اے لوگو: ہمیشہ یاد رکھنا، تمہارا رب ایک ہے۔

پھر مرض الوفات میں بطور خاص یہ ایمان افروز وصیت بھی امت کو فرما دی کہ تم سے پہلی

امتوں (یہود و نصاریٰ) نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا ڈالا، خدا کی ان پر لعنت ہو، مسلمانو! تم میری قبر کو سجدہ گاہ اور جشن گاہ مت بنانا۔ (مسند احمد: ۲/ ۲۴۶، بخاری: الجنائز: باب ماجاء فی قبر النبی الخ)

ان جملوں سے آپ ﷺ نے شرک و بدعقیدگی کی جڑ کاٹ دی ہے اور امت کو بہر حال اپنے عقیدے کے تحفظ اور اسے ہر قسم کی مشرکانہ دست برد سے محفوظ رکھنے اور ہر فرد کو اس حوالے سے بے حد محتاط اور حساس و چوکنا رہنے کی تلقین و تاکید بھی فرما دی ہے۔

اس طرح دیکھا جائے تو آپ ﷺ نے اپنی مبارک زندگی کے تمام مرحلوں میں مکی زندگی میں بھی اور مدنی زندگی میں بھی، ہجرت سے قبل مکہ میں بھی اور طائف میں بھی، مکہ کے باشندوں میں بھی اور بیرونی زائرین میں بھی، بازاروں اور میلوں میں بھی، گھروں اور راستوں پر بھی، حدود حرم میں بھی اور باہر بھی، پھر ہجرت کے بعد سفر و حضر، جنگ و صلح، نارمل اور ایمر جنسی ہر طرح کے حالات میں عقیدے کی اصلاح کا یہ مشن پوری قوت سے جاری رکھا۔

معروف صاحب قلم مفکر نے خوب لکھا ہے:

> ’’یہ (توحید) دعوت کا وہ بنیادی پہلو تھا، جو کبھی مدھم یا اوجھل نہ ہوا، حالانکہ اس کے بعد ہر قسم کے مراحل آئے جن میں سیاسی اور معاشی مقاصد بھی حاصل کئے گئے، کفار سے صلح اور جنگ بندی کے معاہدات بھی ہوئے، لیکن ہر وقت یہ بنیادی دعوت نمایاں رہی:
>
> ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ. (الانعام: ۱۰۲)
>
> یہ ہے اللہ تمہارا رب، کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے، ہر چیز کا خالق وہی ہے، لہذا تم اسی کی بندگی کرو۔
>
> اس کے لئے بعض دفعہ ایسے انتہائی دل آویز پیرائے بھی اختیار کئے:
>
> فَفِرُّوا إِلَى اللّٰهِ. (الذاریات: ۵۰)
>
> پس دوڑو اللہ کی طرف۔

بادشاہوں کو خطوط لکھے تو یہی بات سب سے اول تھی، یہودیوں سے مطالبہ تھا تو یہی، نجران کے عیسائی آئے تو ساری جزئیات کو چھوڑ کر یہی کلمۂ مشترک تلاش کیا:

وَلاَ نُشْرِکَ بِهِ شَيْئاً وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّٰهِ. (آل عمران:٦٤)

آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔

اور جب امت مسلمہ کی تشکیل اور اجتماعی شیرازہ بندی کے بعد اس کے سپرد جہاد اور شہادت حق کا فریضہ کیا گیا تو سرنامہ یہی لکھا ہوا تھا: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، رکوع وسجدہ کرو، اپنے رب کی بندگی کرو.......... اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے.......... اور تم لوگوں پر گواہ بنو۔ (الحج:۷۷-۷۸)

قرآن نے اسی لئے آپ ﷺ کے منصب اور کام کا اظہار داعیاً الی اللہ کے الفاظ سے کیا''۔ (اسلامی قیادت: خرم مرادؒ: ۲۳، ۲۴)

امت کے سامنے قرآن کی زبان میں آپ ﷺ نے اعلان کیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ. (الفاطر:١٥)

اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو، اور اللہ بے نیاز ہے، ہر تعریف کا بذات خود مستحق۔

آپ ﷺ نے صاف صاف قرآن کی زبانی بتا دیا:

وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَ يَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلاَّ يَعْلَمُهَا وَلاَ حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الأَرْضِ وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ يَابِسٍ إِلاَّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ. (الانعام:٥٩)

اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے وہ اس سے واقف ہے، کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اسے علم نہ ہو، اور زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک یا تر چیز ایسی نہیں ہے جو ایک کھلی کتاب میں درج نہ ہو۔

اور:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ. (یوسف: ٤٠)

حاکمیت اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے، اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا سیدھا دین ہے۔

اور:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا. (النساء:١١٦)

بیشک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر گناہ کی جس کے لئے چاہتا ہے بخشش کر دیتا ہے، اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، وہ راہِ راست سے بھٹک کر بہت دور جا گرتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ:

”شرک ایک ایسا فساد اور ایک ایسی گمراہی ہے جس سے زندگی کا ہر دائرہ اور ہر شعبہ متاثر ہوتا ہے، اللہ کی ذات وصفات اور اس کے حقوق میں شرک کا اثر عبادات پر بھی پڑتا ہے، معاملات پر بھی، اخلاق پر بھی، طرزِ زندگی پر بھی، معاشرتی طور اطوار پر بھی، حرام اور حلال کے طریقوں پر بھی اور حکومت اور ریاست کے آئین و قانون پر بھی،

کیونکہ جس پاور ہاؤس سے زندگی کی ایک ایک کرن نصیب ہوتی ہے اور جس مینارۂ نور سے راستے روشن ہوتے ہیں اور جس سرچشمۂ علوم سے علم کی وادیاں جگمگاتی ہیں اور جس سرچشمۂ حیات سے زندگی کو صراط مستقیم ملتی ہے اس میں شرکت یقیناً پوری زندگی کو نہ صرف متاثر کرتی ہے بلکہ تلپٹ کر کے رکھ دیتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ایک ایسی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے جس گمراہی کی کوئی انتہا نہیں، وہ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے، اللہ سے دور اور شیطان کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے، جنت سے محروم اور جہنم کا مستحق ہوتا چلا جاتا ہے، اس سے بڑھ کر دور کی گمراہی اور کیا ہوگی؟'' (روح القرآن: از ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی: ۲/۸۰۴)

پھر آپ ﷺ کی سیرت بتاتی ہے کہ آپ نے عقیدۂ توحید وحق پر ایسے ثبات واستقلال کا نمونہ پیش کیا کہ عقلیں حیران رہ گئیں، توحید کے منکروں کو آپ کی اس دعوت پر ہزار بار استعجاب ہوا، اور ان کی زبانوں پر یہ بھی آیا:

أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ إِلٰهاً وَاحِداً إِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ. (ص: ۵)

کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود میں تبدیل کر دیا ہے؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

مگر آپ ﷺ اپنے مشن پر ثابت قدم رہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے خوب لکھا ہے:

''آپ ﷺ نے دنیا کو جو پیغام دیا اس کے مختصر لفظ زندگی کی تمام وسعتوں پر حاوی ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ انسانی زندگی کی جڑیں اور اس کے جھوٹے قصر زندگی کی بنیادیں کبھی اس زور سے نہیں ہلائی گئیں جیسی اس پیغام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اعلان سے ہلائی گئیں اور دنیا کے کند ذہن پر کبھی ایسی چوٹ نہیں پڑی تھی جیسی ان لفظوں سے پڑی، وہ غصہ سے تلملا گیا اور اس نے جھنجلا کر کہا:

أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ إِلٰهاً وَاحِداً إِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ.

کیا ان سب کو جن کی ہم پرستش کرتے تھے اور جن کے ہم بندے بنے ہوئے تھے، اُڑا کر ایک ہی معبود مقصود رکھا ہے؟ یہ تو بڑے اچنبھے کی بات ہے۔

اس ذہن کے نمائندوں نے فیصلہ کیا کہ یہ ہمارے نظام زندگی کے خلاف ایک گہری اور منظّم سازش ہے اور ہم کو اس کا مقابلہ کرنا ہے:

وَانطَلَقَ الْمَلَأُ مِنهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ.

ان کے سردار اور ذمہ دار ایک دوسرے کے پاس گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، یہ تو کوئی طے کی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے۔

یہ نعرۂ توحید زندگی اور انسانیت کے پورے تصور پر ایک کاری ضرب تھی، جو ذہن کے پورے سانچہ اور زندگی کے پورے ڈھانچہ کو متاثر کرتی تھی‘‘۔ (کاروان مدینہ: ۴۳)

چنانچہ مخالفین نے آپ ﷺ کے سامنے طرح طرح کی پیش کش رکھی، متعدد فارمولے سامنے آئے، مگر آپ نے عقیدۂ حق کے مقابلے میں ہر متبادل فارمولہ ٹھکرا دیا اور ہر پیشکش رد کر دی۔

سیرت کا یہ باب ہماری توجہ کا طالب ہے کہ مکہ کی ناک سمجھے جانے والے سردار ابوطالب کے پاس آتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اپنے بھتیجے کو سمجھا لیجئے، آپ نہیں سمجھا سکتے، درمیان سے ہٹ جایئے، ہم اس سے نمٹ لیں گے، ابوطالب نے آپ ﷺ سے کہا: بھتیجے! اتنا بوجھ مت ڈالو کہ میں سہار نہ سکوں، آپ ﷺ نے رقت آمیز مگر پر عزم لہجے میں بہتے آنسوؤں کے ساتھ فرمایا:

وَاللّٰهِ: لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي، وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي،
عَلَى اَنْ اَتْرُكَ هَذَا الْاَمْرَ، مَا تَرَكْتُهُ حَتَّى اَمُوْتَ.

خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس دین کو چھوڑ دوں، میں مرنا تو گوارا

کر سکتا ہوں مگر اس دین اور دعوت سے دستبردار ہونا گوارہ نہیں کر سکتا۔

ابو طالب پر رقت طاری ہوئی اور انھوں نے کہا: بھتیجے! جو چاہو کرو، میں تمھیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا، خدا کی قسم: جب تک میں زندہ ہوں تمہاری مدد کرتا رہوں گا۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ۱/۲۶۶، سیرت ابن اسحاق: ۱/۱۹۶)

آپ ﷺ کے اس جواب نے قیامت تک کے لئے یہ فکر واضح کردی کہ عقیدۂ برحق وہ چیز ہے جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا، جس کے لئے کوئی بھی پیش کش قبول نہیں کی جاسکتی، آج امت جن حالات سے دوچار ہے، ان میں سب سے زیادہ یلغار ہمارے عقیدے پر ہورہی ہے، سیرت کا یہ باب ہمارے سامنے یہ پیغام دے رہا ہے کہ کبھی بھی اپنے عقیدے کے تعلق سے کوئی لچک اور نرمی پیدا مت ہونے دو۔

بیت اللہ کے سائے میں قریش کے سرداروں کے نمائندے کی حیثیت سے ابو الولید عتبہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا ہے، اور بڑی لگاوٹ سے کہتا ہے:

محمد! تم بھائی ہو، بھتیجے ہو، یہ کیسا دین ہے؟ تمہارا مقصد کیا ہے؟

(۱) اگر تم دولت کے خواہش مند ہو، اس دین کی دعوت چھوڑ دو، دولت کے خزانے تمہارے قدموں میں نچھاور کردیئے جائیں گے۔

(۲) اگر تم عورت کے خواہش مند ہو، اس دین کی دعوت چھوڑ دو، عرب کی سب سے حسین خاتون تمھیں پیش کردی جائے گی۔

(۳) اگر تمھیں حکومت کی آرزو ہے، اس دین کی دعوت چھوڑ دو، ہم تمھیں متفقہ طور پر اپنا حاکم تسلیم کرلیں گے۔

(۴) اگر تم بیمار یا آسیب زدہ ہو، اس دین کی دعوت چھوڑ دو، ہم بہر صورت اور بہر قیمت تمہارا علاج کرائیں گے۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ابو الولید کہہ چکے؟ بولا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: اب میری

بات بھی سن لو، پھر آپ ﷺ نے سورہ حم سجدہ کی تلاوت شروع کی:

> حم. تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآناً عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ. بَشِيْراً وَنَذِيْراً، فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ......

آپ ﷺ نے ۳۸/ آیات سنائیں، عتبہ ہمہ تن گوش دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے حیران سنتا رہا، جب آپ ﷺ اس آیت قرآنی پر پہنچے :

> فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ. (حم السجدہ/۱۳)

> پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ میں نے تمہیں اس کڑکے سے خبر دار کر دیا ہے جیسا کڑکا عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا۔

تو یہ آیت سن کر عتبہ بے اختیار کہہ پڑا: محمد! اپنی قوم پر رحم کرو، عتبہ وہاں سے واپس ہوا ہے، تو چہرہ فق ہے، رنگ بدلا ہوا ہے، قدم لڑکھڑا رہے ہیں، مشرکین بولے: عتبہ کیا بات ہے؟ بولا:

> إِنِّي سَمِعْتُ قَوْلاً وَاللّٰهِ مَا سَمِعْتُ مِثْلَهُ قَطُّ، وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِالسِّحْرِ وَلَا بِالشِّعْرِ وَلَا بِالْكَهَانَةِ، يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! أَطِيْعُوْنِي، فَوَاللّٰهِ لَيَكُوْنَنَّ لِقَوْلِهِ الَّذِيْ سَمِعْتُ نَبَأٌ، وَإِنْ يَظْهَرْ عَلَى الْعَرَبِ فَمُلْكُهُ مُلْكُكُمْ وَعِزُّهُ عِزُّكُمْ وَكُنْتُمْ أَسْعَدَ النَّاسِ بِهٖ.

> بخدا میں نے ایسا کلام سنا کہ کبھی اس سے پہلے نہ سنا تھا، خدا کی قسم، نہ یہ شعر ہے، نہ سحر ہے اور نہ کہانت ہے، اے سردارانِ قریش: میری بات مانو، اور اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو، میں سمجھتا ہوں کہ بخدا یہ کلام کچھ رنگ لا کر رہے گا، اگر عرب اس پر غالب آ گئے تو اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ

اٹھانے سے تم بچ جاؤ گے اور دوسرے اس سے نمٹ لیں گے، اور اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہی تمہاری بادشاہی اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی، اور تم اس کی وجہ سے خوش نصیب ہو جاؤ گے۔

سردارانِ قریش بول اٹھے کہ آخر اس کا جادو تم پر چل ہی گیا۔ عتبہ بولا:

هَذَا رَأْيِي فَاصْنَعُوا مَا بَدَا لَكُمْ.

میں نے اپنی رائے بتا دی، اب تم جو چاہو کرو۔

(ملاحظہ ہو: سیرت ابن ہشام :۱/۲۹۴، سیرت ابن کثیر :۱۳۳-۱۳۵، تفسیر القرطبی :۱۵/ ۲۹۶، مجمع الزوائد :۶/۲۰)

آپ ﷺ نے بار بار مخالفین کے سامنے پوری قوت سے فرمایا:

كَلِمَةً تَقُوْلُوْنَهَا تَمْلِكُوْنَ بِهَا الْعَرَبَ وَالْعَجَمَ.

میں اس کلمے کی دعوت لایا ہوں جس کا اقرار عرب و عجم سب کو تمہارے زیرِ نگیں کر دے گا۔ (مستفاد از: سیرت ابن ہشام :۱/ ۴۱۸، الرحیق المختوم)

اور اس کلمے میں کوئی مصالحت یا مفاہمت (کمپرومائز) کسی بھی طرح نہیں ہو سکتی، اس طرح آپ ﷺ نے یہ ثابت کر دیا کہ عقیدۂ توحید ہی اساس ہے، بالآخر ؎

توحید کا دھارا رک نہ سکا، اسلام کا پرچم جھک نہ سکا
کفار بہت کچھ جھنجھلائے، شیطاں نے ہزاروں بل کھائے

اسی عقیدۂ حق کی خاطر آپ ﷺ کو ہر طرح کی قربانی دینی پڑی، ظلم و ستم کا طوفان آیا، طنز و ملامت کے تیر بھی برسے، مخالفانہ پروپیگنڈے بھی ہوئے، اور جسمانی و نفسیاتی ایذاؤں کے مرحلے سے بھی گزرنا پڑا، کانٹے بچھائے گئے، غلاظتیں ڈالی گئیں، گلا گھونٹا گیا، رخِ انور پر بدبختوں نے تھوک کر اپنی شقاوت پر مہر بھی لگائی، بائیکاٹ کے روح فرسا حالات بھی آپ کو سہنے پڑے، طائف میں پتھروں کی بارش کا جاں گسل مرحلہ بھی آیا، جسم لہولہو ہوا، قتل کی سازشیں ہوئیں، قتل کے ارادے سے گھر کا محاصرہ ہوا، ہجرت اور ترکِ وطن کی قربانی دینی پڑی، ہجرت

کے بعد یہود کی تخریب کاریوں اور مارِ آستین منافقوں کی سازشوں کا بھی سامنا کرنا پڑا، احد کے معرکے میں رخِ انور مجروح ہوا، غرض یہ کہ اذیتوں کا ایک طوفانِ مسلسل اور آپ ﷺ کی جامع تعبیر میں:

لَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذَىٰ أَحَدٌ.

مجھے راہ خدا میں اتنی اذیتیں پہونچائی گئیں جتنی کسی کو بھی نہیں پہنچائی گئیں۔ (مشکوۃ: الرقاق: باب فضل الفقراء: ۵۲۵۳)

اور یہ سب اسی عقیدہ و ایمان کی راہ میں جس کا امین آپ ﷺ کا قلب تھا، اور جس کی داعی اور ترجمان آپ ﷺ کی زبان تھی، اور ہر دور میں اہل حق کے ساتھ یہی ہوتا ہے:

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ. (البروج: ۸)

اور وہ ایمان والوں کو کسی اور بات کی نہیں، صرف اس بات کی سزا دے رہے تھے کہ وہ اُس اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو بڑے اقتدار والا، بہت قابل تعریف ہے۔

کیا کیا ظلم کئے انساں نے، اس انسانِ کامل پر
جو دنیا میں انسانوں کو انسان بنانے آیا تھا

واقعہ یہ ہے کہ توحید صرف ایک عقیدہ ہی نہیں ہے، دعوتِ کشمکش بھی ہے، ایک مفکر نے خوب لکھا ہے:

”توحید کا یہ تصور محض ایک مذہبی عقیدہ نہیں ہے، (بلکہ) اس سے اجتماعی زندگی کا وہ پورا نظام جو انسان کی خودمختاری یا غیر اللہ کی حاکمیت و اُلوہیت کی بنیاد پر بنا ہوا ہے، جڑ بنیاد سے اکھڑ جاتا ہے اور ایک دوسری اساس پر ایک نئی عمارت تیار ہوتی ہے، آج دنیا آپ کے موذنوں کو أشهد أن لا إله إلا الله کی صدا بلند کرتے ہوئے اس لئے ٹھنڈے پیٹوں سن لیتی ہے کہ نہ پکارنے والا جانتا ہے کہ کیا پکار رہا ہوں، نہ سننے والوں

کو اس میں کوئی معنی اور کوئی مقصد نظر آتا ہے، لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس اعلان کا مقصد یہ ہے، اور اعلان کرنے والا جان بوجھ کر اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ میرا کوئی بادشاہ یا فرماں روا نہیں ہے، کوئی حکومت میں تسلیم نہیں کرتا، کسی قانون کو میں نہیں مانتا، کسی عدالت کے حدود و اختیارات (Jurisdictions) مجھ تک نہیں پہنچتے، کسی کا حکم میرے لئے حکم نہیں ہے، کوئی رواج اور کوئی رسم مجھے تسلیم نہیں، کسی کے امتیازی حقوق، کسی کی ریاست، کسی کا تقدس، کسی کے اختیارات میں نہیں مانتا، ایک اللہ کے سوا میں سب سے باغی اور سب سے منحرف ہوں، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس صدا کو کہیں بھی ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا جاسکتا، آپ خواہ کسی سے لڑنے جائیں یا نہ جائیں، دنیا خود آپ سے لڑنے آجائے گی، یہ آواز بلند کرتے ہی آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ یکا یک زمین و آسمان آپ کے دشمن ہو گئے ہیں، اور ہر طرف آپ کے لئے سانپ، بچھو اور درندے ہی درندے ہیں۔

یہی صورت اس وقت پیش آئی جب محمد ﷺ نے یہ آواز بلند کی، پکارنے والے نے جان کر پکارا تھا، اور سننے والے سمجھتے تھے کہ کیا پکار رہا ہے، اس لئے جس جس پر جس پہلو سے بھی اس پکار کی ضرب پڑتی تھی، وہ اس آواز کو دبانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، پجاریوں کو اپنی برہمنیت و پاپائیت کا خطرہ اس میں نظر آیا، رئیسوں کو اپنی ریاست کا، ساہوکاروں کو اپنی ساہوکاری کا، نسل پرستوں کو اپنے نسلی تفوق (racial superiority) کا، قوم پرستوں کو اپنی قومیت کا، اجداد پرستوں کو اپنے باپ دادا کے موروثی طریقے کا، غرض ہر بت کے پرستار کو اپنے بت کے ٹوٹنے کا خطرہ اسی ایک آواز میں محسوس ہوا، اس لئے **الکفر ملة واحدة** کے بمصداق وہ سب جو آپس میں لڑا کرتے تھے، اسی نئی تحریک سے لڑنے کے لئے ایک ہو گئے۔

اس حالت میں صرف وہی لوگ محمد ﷺ کی (دعوت کی) طرف آئے جن کا ذہن صاف تھا، جو حقیقت کو سمجھنے اور تسلیم کرنے کی استعداد رکھتے تھے، جن کے اندر اتنی

صداقت پسندی موجود تھی کہ جب ایک چیز کے متعلق جان لیں کہ حق یہ ہے تو اس کی خاطر آگ میں کودنے اور موت سے کھیلنے کے لئے تیار ہو جائیں، ایسے ہی لوگوں کی اس تحریک کے لئے ضرورت تھی، وہ ایک ایک، دو دو، چار چار کر کے آتے رہے اور کش مکش بڑھتی رہی، کسی کا روزگار چھوٹا، کسی کو گھر والوں نے نکال دیا، کسی کے عزیز، دوست، آشنا سب چھوٹ گئے، کسی پر مار پڑی، کسی کو قید میں ڈالا گیا، کسی کو تپتی ہوئی ریت پر گھسیٹا گیا، کسی کی سر بازار پتھروں اور گالیوں سے تواضع کی گئی، کسی کی آنکھ پھوڑ دی گئی، کسی کا سر پھاڑ دیا گیا، کسی کو عورت، مال، حکومت و ریاست اور ہر ممکن چیز کا لالچ دے کر خریدنے کی کوشش کی، سب چیزیں آئیں، ان کا آنا ضروری تھا، ان کے بغیر اسلامی تحریک نہ مستحکم ہو سکتی تھی اور نہ بڑھ سکتی تھی''۔ (سیرت سرور عالم: ۳/۴۵۰-۴۵۲)

اللہ کی ہزار رحمتیں ہوں آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر، آپ نے آلام و مصائب کے تمام حالات کو توحید کی راہ کا تحفہ سمجھا، اور جوں جوں مصائب کی شدت بڑھتی گئی، آپ کا جوشِ دعوت بڑھتا چلا گیا۔

چنانچہ آپ ﷺ نے اسی عقیدے کو اتنی اہمیت دی کہ ہر اس شگاف اور رخنے کو بلکہ ہر اس سوراخ کو بھی بند کر دیا جہاں سے شرک دبے پاؤں آ سکتا تھا اور توحید پر یلغار کر سکتا تھا، آپ ﷺ نے امت کو صاف صاف خبردار کر دیا:

اَلشِّرْکُ أَخْفَی فِیْ أُمَّتِیْ مِنْ دَبِیْبِ النَّمْلِ عَلَی الصَّفَا فِی اللَّیْلَةِ الظَّلْمَاءِ. (الجامع الصغیر للسیوطی: ٤٩١٨)

جس طرح تاریک رات کی سیاہی میں کالے پہاڑ کی کالی چٹان کے کالے چکنے پتھر پر کالی چیونٹی چلتی ہے اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی، شرک اور عقیدے کا بگاڑ اس سے بھی زیادہ مخفی انداز میں دبے پاؤں آتا ہے، انسان کے دل میں داخل ہو کر اس کی توحید اور ایمان کو غارت کر کے چلا جاتا ہے۔

غور کیا جائے تو اس تمثیلی انداز میں آپ ﷺ نے اپنی امت کو اپنے عقیدے کے تعلق سے ہمہ وقت چوکنا رہنے اور شرک کی مخفی یلغاروں اور خطرناکیوں سے محتاط رہنے کی تلقین فرمادی ہے، احادیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے جاہل شاعر ''لبید'' کے اس شعر کی تحسین فرمائی اور اسے '' أَصْدَقُ كَلِمَةٍ'' (سب سے سچا کلمہ) بتایا۔ (بخاری: المناقب: باب ایام الجاہلیۃ: ۳۸۴۱)

وہ شعر یہ ہے ؎

أَلَا كُلُّ شَيْئٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ
وَ كُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلُ

سنو! اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے، اور ہر نعمت و آسائش یقینی طور پر ختم ہونے والی ہے۔

یہی توحید آپ ﷺ کا اولین پیغام تھا ؎

جس کا پیغام پیغامِ توحید تھا کوئی حاجت روا ہے نہ مشکل کشا
صرف تنہا خدا، صرف تنہا خدا ہے وہی کارساز اور وہی غیب داں

آپ ﷺ نے انسانیت کے سامنے واضح فرمادیا کہ کارسازِ حقیقی اور مسبب الاسباب اللہ کی ذات مطلق ہے، اسباب کا جو سلسلہ دنیا میں ہے وہ اللہ ہی کا قائم کیا ہوا ہے، اسباب کا پورا سلسلہ اللہ کے دست قدرت میں ہے اور اس سلسلے کی کوئی بھی کڑی اللہ کے حکم کے بغیر حرکت میں نہیں آسکتی، اسباب سے متاثر ہوکر انہیں خدا کا درجہ دے دینا، مسبب الاسباب سے غافل ہوکر اسباب کو اللہ کا شریک بنا دینا بدترین شرک ہے، بسا اوقات انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ توحید پر قائم ہے مگر ذہنی و فکری طور پر وہ اسباب کو اصل کا درجہ دے کر اپنی توحید کو مٹا دیتا ہے اور شرک کی عفونت میں لتھڑ جاتا ہے۔

شرک اور عقیدے کے بگاڑ کا ایک بہت بڑا ذریعہ شخصیت پرستی اور اپنے بزرگوں کی مشرکانہ تعظیم بھی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے نصاریٰ نے یہی کیا کہ ان کی تعظیم میں غلو کر

کے انہیں خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا کا جزو قرار دے بیٹھے، آپ ﷺ نے اپنی امت کو خبر دار کیا اور فرمایا:

لَا تُطْرُونِی کَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَیٰ عِیسَیٰ ابْنَ مَرْیَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا: عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ. (بخاری: احادیث الانبیاء: باب واذکرفی الکتاب مریم: ۳۴۴۵)

میری مدح وتوصیف میں ایسا مبالغہ مت کرو جیسا عیسائیوں نے حضرت عیسی بن مریم کے بارے میں کیا، میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں، لہذا تم میرے بارے میں یہ کہا کرو کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

حضرت مطرّفؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد کا بیان ہے:

اِنْطَلَقْتُ فِی وَفْدِ بَنِی عَامِرٍ إِلَی رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا: أَنْتَ سَیِّدُنَا، فَقَالَ: السَّیِّدُ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ، قُلْنَا: وَأَفْضَلُنَا فَضْلاً وَ أَعْظَمُنَا طَوْلاً، فَقَالَ: قُولُوا بِقَوْلِکُمْ وَ لاَ یَسْتَجْرِیَنَّکُمُ الشَّیْطَانُ. (ابو داؤد: الادب: باب فی کراھیة التمادح: ۴۸۰۶)

میں بنو عامر کے وفد کے ہمراہ خدمت نبوی میں حاضر ہوا، ہم نے عرض کیا: کہ آپ ہمارے آقا ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: سردار اور آقا تو اللہ ہے، ہم نے عرض کیا کہ آپ ہم میں سب سے افضل اور برتر ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا یہ کہو، مگر دیکھو: شیطان تم کو اپنا وکیل نہ بنالے۔

اس طرح آپ ﷺ نے توحید کو شرک کے ہر شائبہ سے بچانے کی فکر کی اور امت کو متوجہ کیا۔

ہر دور میں انسان اپنے وہم سے سحر و طلسم، جنات و شیاطین وغیرہ کی غیبی قدرت و تصرف کا اعتقاد رکھتا آیا ہے، آپ ﷺ نے شرک کے اس دروازے کو پورے طور پر بند کر دیا، اور آپ کی تعلیم اور وحی نے ان تمام خرافات کا قلع قمع کر دیا اور خدا کے سوا تمام دوسری مخفی و

پوشیدہ قوتوں کا ڈر انسان کے سینوں سے ہمیشہ کے لئے نکال کر پھینک دیا اور دعا و کلمات الٰہی کے سوا ہر نوع کے جھاڑ پھونک، منتر، تعویذ، گنڈے ٹوٹکے، جن میں کسی غیر خدا سے غیبی استمداد یا شرک کا کلمہ ہو کفر قرار پایا، اسی قسم کے فاسد خیالات کے استیصال کے لئے ہر نماز میں اور نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ضمن میں اس آیت کے پڑھنے کا حکم دیا گیا:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ. (الفاتحہ:۵)

(اے عالم کے پروردگار) ہم تیرے ہی آگے سر جھکاتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

سحر و طلسم و جادو اور ٹوٹکے کے متعلق ارشاد خداوندی ہوا:

وَمَا هُم بِضَآرِّيْنَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُواْ لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الآخِرَةِ مِنْ خَلاَقٍ. (البقرۃ:۱۰۲)

یہ جادو اور ٹوٹکے کرنے والے کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے، لیکن خدا کے حکم سے، اور یہ بیہودہ (جادو اور ٹوٹکے) سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان رساں ہیں نفع بخش نہیں اور یقیناً ان کو علم ہے کہ جو ان کو حاصل کرتا ہے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

بلکہ بعض صحابہ نے ان مکار جادوگروں کے قلع قمع کے لئے ان کے قتل تک کا حکم دے دیا تا کہ انسانوں کے دلوں میں ان کا جو خوف و ہراس بیٹھا ہوا ہے وہ دور ہو اور ان کے اس عاجزانہ قتل ہونے سے یہ ثابت ہو کہ ان میں کوئی غیر معمولی طاقت نہیں بالکل وہ بے بس ہیں۔ (مستفاد از: سیرت النبی:۳/۲۶۱)

ایسے تمام اوہام اور خرافات جن سے شرک پرست اہل عرب بے انتہا متاثر اور خائف رہا کرتے تھے، اور جن کی قدرت و تصرف کا وہ مشرکانہ عقیدہ رکھتے، آپ ﷺ نے ان سب کو

بے اصل قرار دے کر ان کا طلسم توڑ دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے چھوت کے جاہلانہ تصور کا خاتمہ فرما دیا، فال نکالنے کو شرک قرار دے دیا، جاہلانہ عقیدے کے مطابق سورج و چاند کا گرہن یا ستارے ٹوٹنے کا واقعہ کسی بڑے آدمی کے مرنے یا پیدا ہونے پر ہوتا ہے، آپ ﷺ نے اس کو بالکل بے اصل بتا دیا، سمجھا جاتا تھا کہ بارش ہونے میں پچھتروں کا دخل ہوتا ہے، آپ ﷺ نے اس کا ابطال فرما دیا، جانوروں کے تعلق سے بہت سے مشرکانہ عقیدے رائج تھے، سورۃ الانعام میں صراحت کے ساتھ ان سب کا رد کیا گیا۔

اوہام پرستی تباہی کی بنیاد ہوتی ہے، یہ اوہام حقیقت کے خلاف تو ہوتے ہی ہیں، اور بہت سے کاموں میں مخل بھی ہوتے ہیں اور ان کا سلسلہ کسی نہ کسی مرحلے میں شرک سے جڑا ہوا ہوتا ہے، آپ ﷺ نے اسی لئے تمام اوہام وخرافات کے ابطال سے شرک کا یہ دروازہ سرے سے بند کر دیا۔

شرک میں مبتلا افراد یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کے باطل معبود اللہ کی طرف سے دینے اور بخشنے کا مکمل اختیار رکھتے ہیں، اور مشرکین ان معبودوں کی عبادت اسی نیت سے کرتے تھے کہ وہ اللہ کے دربار میں ان کے سفارشی بنیں اور بخشوا دیں، یہ ''شفاعت'' کا وہ غلط مفہوم تھا جس نے شرک کے دروازے کھول دیئے تھے۔

آپ ﷺ نے پوری قوت سے اس مفہوم کو غلط ثابت کیا، اور قرآن کی زبان میں بتایا:

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ. (الزخرف:۸۶)

> اور یہ لوگ اسے چھوڑ کر جن معبودوں کو پکارتے ہیں، انہیں کوئی سفارش کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، ہاں البتہ جن لوگوں نے حق بات کی گواہی دی ہو، اور انہیں اس کا علم بھی ہو۔

مَن ذَا الَّذِى يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ. (البقرۃ:۲۵۵)

کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ. (سبا:۲۳)

اور اللہ کے سامنے کوئی سفارش کارآمد نہیں ہے، سوائے اس شخص کے جس کے لئے خود اس نے (سفارش کی) اجازت دے دی ہو۔

انبیاء کے بارے میں بتایا:

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى. (الانبیاء:۲۸)

اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے، سوائے اس کے جس کے لئے اللہ کی مرضی ہو۔

اور یہ بھی واضح کیا کہ مشرکین کا کوئی سفارشی نہ ہوگا۔

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ. (المؤمن:۱۸)

ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا، اور نہ کوئی ایسا سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

شرک کی ایک باریک صورت ''غیر اللہ کی قسم کھانا'' ہے، آپ ﷺ نے امت کو نہ صرف یہ کہ اس سے منع فرمایا بلکہ اس کی شناعت دلوں میں راسخ کرنے کے لئے اس کے شرک ہونے کی بھی وضاحت فرمائی۔ (مشکوۃ المصابیح: کتاب الأیمان والنذور: ۳۴۱۹)

بسا اوقات لوگ غایت احترام میں اللہ کی مشیت کے ساتھ آپ ﷺ کی مشیت کا بھی ذکر کر دیتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ جو خدا چاہے اور آپ ﷺ چاہیں، یہ طرزِ کلام خدا کی مشیت کے ساتھ آپ ﷺ کی مشیت کی برابری کا تاثر دیتا تھا، آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا، اور ایسا کہنے والے ایک شخص سے تو یہ فرمایا کہ: تم نے خدا کا ہمسر اور مقابل ٹھرایا، جو خدا تنہا چاہے وہی ہوتا ہے۔ (مسند احمد: ۳/۲۵۳)

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

''اس سلسلہ میں یہاں تک اہتمام مد نظر تھا کہ اس سے بھی منع فرمایا کہ خدا اور

رسول کی طرف ایک ضمیر پھیر کر ایک فعل لایا جائے تا کہ یہ سمجھا جائے کہ خدا اور رسول کا درجہ برابر ہے، ایک دفعہ آپ کے سامنے کسی شخص نے خطبہ کے اثناء میں یہ فقرہ کہا: جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی اور جس نے دونوں کی نافرمانی کی ……… یہاں تک اس نے کہا تھا کہ آپ نے اس کو روک دیا اور فرمایا: اٹھ جاؤ تم برے خطیب ہو، آپ ﷺ نے آزردگی کا اظہار اس لئے فرمایا کہ ''ان دونوں'' کو ساتھ کہنے سے سامعین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ خدا کی اور رسول کی نافرمانی کا حکم برابر ہے اور اس میں شرک کا شائبہ ہے، اس لئے خطیب کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ اور جو خدا اور رسول کی نافرمانی کرے گا وہ……… جیسا کہ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے اور ماثورہ خطبوں میں منقول ہے''۔ (سیرت النبی: ۳/۲۷۲)

ان کے علاوہ آپ ﷺ نے ان تمام امور کا بھی قوت سے ابطال فرمایا، جن میں شرک کا ادنیٰ شائبہ بھی پایا جاتا تھا، قبر پرستی اور یادگار پرستی ہر دور میں شرک کا بہت بڑا ذریعہ ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے ان پر سختی سے روک لگادی، ریا اور دکھاوا انتہائی بدترین عمل ہے، آپ ﷺ نے اسے معنوی شرک، چھپا ہوا شرک اور شرک اصغر بتایا اور امت کو بار بار اس سے خبردار کیا، اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے تمہارے اوپر سب سے زیادہ خطرہ شرک اصغر کا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: الرقاق: باب الریاء والسمعۃ: ۵۳۳۴) گویا۔

دیا درس اس طرح توحید خالص کا شہِ دیں نے
دلوں سے شائبہ تک مٹ گیا کفر و بغاوت کا

اس تفصیل سے سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کس طرح ہر پہلو سے توحید کی تکمیل اور شرک کی تردید کا احسانِ عظیم فرمایا، چنانچہ وہی لوگ جو پہلے سیکڑوں خداؤں کے پرستار تھے، آپ ﷺ کی تعلیم کے فیض سے توحید کی معراج کمال تک جا پہنچے، اور انسان کی جبین جو ہر آستانے پر جھکا کرتی تھی، آپ ﷺ کے پیغام جاودانی کی تاثیر سے صرف ایک خدا کے آستانے پر خم ہونے لگی۔

کفر کی ظلمت جس نے مٹائی، دین کی دولت جس نے لٹائی
لہرایا توحید کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم
وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
شرک کی محفل کردی برہم، صلی اللہ علیہ وسلم

صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے ہاتھوں جن بنیادوں پر تربیت پائی ان میں عقیدۂ توحید کا رنگ سب سے نمایاں اور سب سے نرالا تھا، صحابہ کی پوری سیرت، حوصلہ وہمت، عزیمت اور کامیابی کی پشت پر اسی عقیدہ کی طاقت کارفرما رہی۔

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے اسی عقیدے کا اور آپ ﷺ کے احسان عظیم کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا:

”اے بادشاہ: ہم جاہلیت میں مبتلا تھے، بت پرست تھے، مردار بھی کھا جاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے رہتے تھے، آپس کے تعلقات خراب رکھتے تھے، پڑوس کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے، ہم میں سے طاقتور کمزور کو دباتا اور کھاتا جارہا تھا، ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ نے اپنے کرم سے ہمارے پاس ہم ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جس کی عالی نسبی، صداقت شعاری، امانت داری اور پاکدامانی سے ہم بخوبی واقف تھے، اس پیغمبر نے ہمیں ایک اللہ کو ماننے، اس کی عبادت کرنے اور ان بتوں اور پتھروں سے دستبردار ہونے کا حکم دیا جنہیں ہم اور ہمارے آباء واجداد ایک مدت سے پوجتے چلے آرہے تھے، اور اس نے ہمیں راست بازی، امانت داری، صلہ رحمی، پڑوس کے ساتھ اچھے سلوک اور تمام حرام کاموں اور خوں ریزی سے بچنے کا حکم دیا، نیز ہم کو بے حیائیوں، دروغ گوئی، یتیم کے مال کو ناحق استعمال کرنے اور پاکدامن عورت پر تہمت لگانے کے جرم سے منع فرمادیا، اور ہمیں تاکید کردی کہ ہم صرف خدائے واحد کی پرستش کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرائیں، چنانچہ ہم نے اس رسول کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے، اس کی لائی ہوئی باتوں پر عمل کیا، ہم ایک خدا کے عبادت گزار

بن گئے، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا ہم نے چھوڑ دیا، اس کے نتیجہ میں ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی، قوم کے لوگوں نے ہمیں طرح طرح کی سزائیں دیں، ہمیں ہمارے دین سے ہٹا کر بت پرستی کی طرف لوٹانا اور اللہ کی عبادت سے برگشتہ کرنا چاہا اور ہمیں مجبور کیا کہ ہم سابق زمانے کی طرح گندے کاموں کو حلال سمجھیں، جب ظلم کی حد ہوگئی تو ہم آپ کے علاقے میں آ گئے، ہم نے دوسروں پر آپ کو ترجیح دی، ہم نے آپ کے پڑوس میں رہنا پسند کیا، ہمیں پوری امید ہے کہ آپ کے دربار میں ہم پر کوئی ظلم نہ ہوگا''۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مسند احمد: ۱/۲۵۰-۲۵۱ حدیث جعفر، دلائل النبوۃ: ابونعیم: ۱/۲۴۶-۲۵۰، سیرت ابن ہشام: ۱/۳۳۴-۳۳۸)

رستم کے دربار میں حضرت ربعی بن عامرؓ سے جب پوچھا گیا کہ تمہارا مقصد کیا ہے، تو انہوں نے بڑی صراحت و جرأت سے فرمایا تھا:

اللّٰهُ ابْتَعَثَنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَى عِبَادَةِ رَبِّ الْعِبَادِ وَمِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا إِلَى سَعَةِ الدُّنْيَا وَالْأَخِرَةِ، وَمِنْ جَوْرِ الْأَدْيَانِ إِلَى عَدْلِ الْإِسْلَامِ. (البداية والنهاية: معركة القادسية: ٩/٦٢٣)

اللہ نے ہمیں اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ ہم اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر رب کی بندگی میں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا اور آخرت کی وسعتوں میں، اور دیگر مذاہب کے ظلم و ستم سے نکال کر اسلام کے دامن عدل اور سایۂ انصاف میں پہنچا دیں۔

مقام افسوس ہے کہ آج ہم اپنے انہیں سلف کے نام لیوا تو ہیں، مگر ہمارا یقین بے حد مضمحل ہو چکا ہے، شرک مادہ پرستی اور شہوت پرستی کی شکل میں ہم کو جکڑ چکا ہے، ہماری نوجوان اور نونہال نسل کی اکثریت اس نظام تعلیم سے وابستہ ہے اور اس تہذیب کی رسیا ہے جس کا مشن ایمان و توحید کی بنیادوں کو کمزور کرنا ہے۔

ان حالات میں سیرت نبوی کا اصل پیغام ہمارے نام یہی ہے کہ:

''اے اللہ سے بھاگنے والو! اللہ کی طرف بھاگو اور اس کے سوا کسی کو الٰہ نہ بناؤ:

فَفِرُّوا إِلَى اللّٰهِ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ، وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللّٰهِ إِلٰهاً آخَرَ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ. (الذاریات: ۵۰-۵۱)

پس بھاگو اللہ کی طرف، بے شک میں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہ بناؤ، بے شک میں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔

یہ پیغام محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہر سال دنیا کو سناتی ہے اور دنیا کے گوشہ گوشہ تک یہ دعوت پہنچاتی ہے، ہوا اپنے کاندھوں پر اور سمندر اپنے سر آنکھوں پر رکھ کر ہر سال اس پیغام اور دعوت کو دنیا کے ملکوں اور قوموں کو پہونچاتا ہے اور دنیا کا یہ شور جو کچھ سننے نہیں دیتا اگر ذرا کم ہو تو اب بھی کان میں یہ آواز آرہی ہے، جس کو پہلی صدی کے اہل کتاب نے سنا تھا:

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ، يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ. (المائدہ: ۱۵، ۱۶)

تمہارے پاس ایک روشنی آئی اور ایک کھلی ہوئی کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ ہدایت کرتا ہے، اس کو جو اس کی رضا کا پیرو ہو سلامتی کے راستوں کی، اور ان کو نکالتا ہے تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور ان کو ہدایت کرتا ہے سیدھے راستہ کی۔'' (کاروانِ مدینہ: ۱۱۶-۱۱۷)

بارگاہ نبوت میں غلام یہ عرض کر سکتے ہیں ؎

اے کہ تیرے ظہور نے دہر سے محو کر دیئے
کفر کے سب تکلفات، شرک کے سب توہمات

پھر اپنے لئے وہیں سے یہ سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

حاکم کون و مکاں سے سرکشی اچھی نہیں
مالکِ روح و بدن سے بے رخی اچھی نہیں
جو نہ ہو اس کے لئے وہ زندگی اچھی نہیں
زندگی تو زندگی ہے، موت بھی اچھی نہیں

یہی سبق اللہ نے اپنے نبی کو دیا تھا:

قُلْ إِنَّ صَلاَتِی وَنُسُكِی وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لاَ شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ، قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِی رَبّاً وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ. (الانعام: ١٦٢-١٦٤)

کہہ دو کہ: بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں اس کے آگے سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں، کہہ دو کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور پروردگار تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے؟

◆

(۲) مساواتِ انسانی

انسانیت پر محسن اعظم ﷺ کا دوسرا عظیم اور انقلاب آفریں احسان طبقاتی تفریق اور اختلاف و جدال کے شکنجوں میں کراہتی ہوئی دنیا کے سامنے انسانی مساوات کا نظام و پیغام رحمت ہے، یہ نظام آپ ﷺ نے دنیا کو عطا کیا، برت کر دکھا دیا اور مساوات کا پیکر معاشرہ تیار کر کے بے مثال عملی نمونہ بھی فراہم کر دیا، **فصلی اللّٰہ علیہ وسلم۔**

سبق مساوات کا پڑھا کر، غرورِ نسل و وطن مٹا کر
بدل دیے زندگی کے تیور، درود ان پر سلام ان پر

آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ سے پہلے دنیا کی معاشرتی اور سماجی تصویر یہ تھی کہ انسان قوموں، برادریوں، ذات پات، اعلیٰ و ادنیٰ، کم تر و برتر کی تفریق کی لعنتوں میں ڈوبا ہوا تھا، دنیا کی تمام تہذیبوں اور مذہبوں میں انسان اور انسان کے درمیان تفریق، کچھ کے پیدائشی طور پر معزز ہونے اور کچھ کے حقیر ہونے، کچھ لوگوں کے اعلیٰ اور کچھ کے ادنیٰ ہونے، کچھ کے مستقل حاکم ہونے اور کچھ کے مستقل محکوم ہونے اور کچھ کے عبد و غلام ہونے اور کچھ کے آقا اور مالک ہونے کا گھناؤنا تصور موجود تھا، یہود کا الگ اور نصاریٰ کا الگ یہ دعوی تھا کہ سارے انسانوں میں سے ہم ہی اللہ کے لاڈلے ہیں:

وَقَالَتِ الْیَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ. (المائدہ:۱۸)

یہود و نصاری کہتے ہیں کہ: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔

پھر یہودیوں میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کی تفریق تھی، ان میں نسلِ یعقوب کو پیدائشی

طور پر سب سے افضل باور کیا جاتا تھا، ایرانیوں کا دعویٰ تھا کہ جو لوگ بادشاہ کی نسل سے ہیں وہ اللہ کے مقرب اور خصوصی بندے ہیں، عربوں کا حال یہ تھا کہ وہ اپنی نخوت اور تعصب میں ہر حد تجاوز کر چکے تھے، اور اپنے سوا سب کو عجم (گونگا) قرار دیتے تھے، چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا اور انتہائی مقدس سمجھتے تھے، ہندوستان کا حال تو سب سے ابتر تھا، یہاں انسانیت کے مستقل طور پر چار طبقات بنے ہوئے تھے:

(۱) بعض افراد کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ وہ خدا کے سر سے پیدا ہوئے ہیں، یہ برہمن کہلاتے تھے۔

(۲) کچھ لوگوں کے بارے میں خیال تھا کہ وہ خدا کے بازو سے پیدا ہوئے ہیں، یہ ویش کہلاتے تھے۔

(۳) کچھ لوگوں کو یہ کہا جاتا تھا کہ وہ خدا کی ران سے پیدا ہوئے ہیں، یہ کھتری کہلاتے تھے۔

(۴) کچھ کی پیدائش خدا کے پیر سے بتائی جاتی تھی، یہ شودر کہلاتے تھے۔

ان طبقات میں ''شودر'' ایسا بدقسمت طبقہ تھا کہ تاریخ عالم میں ایسی اجتماعی وقومی مظلومیت کی مثال شاید ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکے، ان کے لئے تعلیم کے دروازے یکسر بند تھے، انتہائی حقیر باور کئے جانے والے کام اور پیشے ان کے لئے خاص تھے، انہیں اونچی ذاتوں کا پیدائشی غلام جانا جاتا تھا۔

کم وبیش یہی صورت حال دنیا کے مختلف علاقوں اور اقوام کی تھی، انسانوں کے بہت سے طبقات کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک ہو رہا تھا، پوری دنیا اس ظلم، ناانصافی اور نابرابری کے شکنجے میں سسک اور کراہ رہی تھی، طبقاتی تفریق، اعلیٰ وادنیٰ کی تقسیم اور ذات پات کے بھید بھاؤ کی یہ ملعون اور منحوس فضا صدیوں سے چلی آ رہی تھی، ان ناموافق حالات میں انسانیت کے محسن اعظم ﷺ نے اپنے رب کے الفاظ میں یہ حیرت انگیز، فکر انگیز، انقلاب انگیز

اور زندہ اعلان کیا:

> يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. (الحجرات:۱۳)
>
> اے لوگو: حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ متقی ہو، یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔

یہ آیت قرآن مجید کی انتہائی جامع آیت ہے، اور اس میں تین اصولی حقائق آشکارا فرمائے گئے ہیں:

(۱) تمام انسانوں کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا ہے، سب کی اصل ایک ہے، سب کا مادۂ تخلیق ایک ہے، اسی وجہ سے خلقت کے لحاظ سے کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں ہے، سب کا ایک مرد و عورت سے پیدا ہونا، ایک مادۂ تخلیق سے پیدا ہونا، ایک ہی طریقے سے پیدا ہونا اور ایک خالق کے ہاتھوں پیدا ہونا مسلم حقیقت ہے۔

(۲) اصل کے لحاظ سے ایک ہونے کے باوجود خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم تفاخر اور اعلیٰ و ادنیٰ کی تفریق کے لئے نہیں ہے، بلکہ تعارف اور شناخت کے لئے ہے۔

(۳) انسان اور انسان کے درمیان برتری کا معیار صرف ''تقویٰ'' اور کردار کی پاکیزگی ہی ہوسکتا ہے۔

سورۃ الفاتحہ پورے قرآن مقدس کا جوہر، عطر اور خلاصہ ہے اور قرآن کا دیباچہ اور ''سبع مثانی'' (سات بار بار پڑھی جانے والی آیات) پر مشتمل مبارک سورت ہے، اور اس کے بغیر

کسی نماز کی کوئی رکعت درست نہیں ہوتی، اس کے آغاز میں فرمایا گیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. (الفاتحه : ۱)

تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جو یکساں طور پر سارے جہانوں کا رب ہے۔

اللہ کو ''العالمین'' (تمام جہانوں) کا رب بتا کر تمام امتیازات وتفریقات کی جڑ کاٹ دی گئی ہے، گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ یکساں طور پر عرب عجم، مغرب مشرق، شمال جنوب، گوروں کالوں، امیر غریب، طاقت اور کمزور سب کا رب ہے، اور اس کے دربار میں سب ایک اور برابر ہیں۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
ترے دربار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

حجۃ الوداع میں تقریباً سوا لاکھ اہل ایمان کے سامنے آپ ﷺ نے پوری انسانیت کو خطاب فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ: إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا: لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ. (الترغيب والترهيب :الترهيب من احتقار المسلم: ۳/۶۱۲)

اے لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، سنو: کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر، کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے، برتری کا معیار صرف تقوی ہے، بلاشبہ اللہ کی نگاہ میں تم میں سب سے باعزت وہی ہے جو سب سے بڑھ کر تقوی والا ہو۔

غور کیا جائے ان الفاظ نبوت سے دو وحدتوں کا اعلان فرمایا جا رہا ہے، اور یہی دونوں وحدتیں نوع انسانی کی حقیقی وحدت کے قیام کے لئے فطری، مستحکم اور دائمی بنیادوں کا درجہ رکھتی ہیں، اور انہیں کے سائے میں انسان امن وسکون بھی پا سکتا ہے اور اپنی سیرت کی تعمیر کا کام انجام دے سکتا ہے۔

(۱) نوع انسانی کے خالق کی وحدت: سب کا رب ایک ہے۔

(۲) نسل انسانی کے بانی اور مورث کی وحدت: سب کا باپ ایک ہے۔

ہر انسان کا دوسرے انسان سے دوہرا رشتہ ہے، ایک روحانی رشتہ ہے کہ سب ایک اللہ کے بندے ہیں، اور دوسرا جسمانی رشتہ کہ سب ایک باپ آدم کی اولاد ہیں ؎

نبی کی انجمن میں اسود و احمر برابر ہیں
نبی کی انجمن میں امتیازِ این و آں کیوں ہو

ترا نقشِ قدم شاہا چراغِ راہِ یزداں ہے
ترے نقشِ قدم سے بڑھ کے حسنِ کہکشاں کیوں ہو

زبان نبوت سے وحدتِ انسانی اور مساوات کا یہ انقلابی اعلان جس وقت ہوا تھا، دنیا اسے سننے کے لئے تیار نہیں تھی، طبقاتی اونچ نیچ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے سماج کے کانوں کے لئے یہ اعلان کسی زلزلے سے کم نہ تھا، دل ودماغ اسے سمجھنے کو آمادہ نہ تھے، لیکن پھر بہ تدریج حالات بدلے، آپ ﷺ کی جہد مسلسل اور مساوات کے مظہر و پیکر عملی کردار کی برکت سے وطنیت، قومیت، لسانیت، علاقائیت اور عصبیت کے سارے بت پاش پاش ہوئے اور عالمگیر امن کے لئے مستحکم بنیادیں فراہم ہوئیں۔

تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رنگ، نسل، زبان، قوم، اور وطن کی بنیاد پر دوسروں پر اپنی بڑائی جتانا یا دوسروں کی تحقیر اور ان سے نفرت انتہائی سنگین فتنہ ہے، جو بارہا ہولناک جنگوں اور خوں ریزیوں کا باعث بنا ہے، آپ ﷺ نے وحدتِ انسانی کا تصور پیش

فرما کر اس فتنے کی جڑ کاٹ دی اور واضح فرمادیا:

لَيُسَ مِـنَّـا مَـنُ دَعَـا إِلَـى عَصَبِيَّةٍ، وَلَيُسَ مِنَّا مَنُ قَاتَلَ عَلَى عَـصَبِيَّةٍ، وَلَيُسَ مِنَّا مَنُ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ. (نسائی: الادب: باب فی العصبية: ٥١٢١)

جوتعصب کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں، جوتعصب کی بنیاد پر جنگ کرے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں، جوتعصب پر مرے اسے ہم سے کوئی واسطہ نہیں۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے خطاب فرمایا:

إِنَّ اللّٰـهَ عَـزَّوَجَـلَّ اَذُهَـبَ عَـنُـكُمُ عُبِّيَّةَ الُجَاهِلِيَّةِ وَ فَخُرَهَا بِالآبَاءِ، النَّاسُ بَنُو آدَمَ، وَآدَمُ مِنُ تُرَابٍ، مُؤمِنٌ تَقِيٌّ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ، لَيَـنُتَهِيَنَّ اَقُوَامٌ يَفُتَخِرُوُنَ بِرِجَالٍ، إِنَّمَاهُمُ فَحُمٌ مِنُ فَحُمِ جَهَنَّمَ، أَوُ لَيَـكُـونُـنَّ أَهَـوَنَ عَـلَـى اللّٰـهِ مِـنَ الـجُعُـلَانِ الَّتِـيُ تَدُفَعُ النَّتُنَ بِأَنُفِهَا. (الترغيب والترهيب: للمنذری:٣/٦١٤، الترهيب من احتقار المسلم)

بلاشبہ اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباء واجداد پر فخر وتکبر کو ختم کردیا ہے، سارے انسان آدم کی اولاد ہیں، اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا، تمام انسان بس دو ہی حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں، ایک نیک اور پرہیزگار مؤمن، دوسرا فاجر وشقی، لوگ اپنے آباء واجداد پر اور طبقاتی بنیاد پر کسی پر فخر کرنا چھوڑ دیں، ورنہ وہ جہنم کا کوئلہ بن جائیں گے یا وہ اللہ کی نگاہ میں گندگی کو اپنی ناک سے دھکیلنے والے حقیر کیڑے سے زیادہ ذلیل ہوجائیں گے۔

آپ ﷺ نے اس قوت وصراحت سے مساوات اور وحدت کے اصول بیان فرمادیئے، پھر اس کا راست اثر انسانی زندگی کے ہر شعبے پر پڑا، علم کا اجالا ہر طرف پھیلا، تعلیم

کے دروازے بلاتفریق سب کے لئے کھلے، پیشوں کی تحقیر واہانت کی فرسودہ اور ملعون روایات ختم ہوئیں، معاشرتی زندگی میں ہر فرد کے لئے باعزت طور پر جینے اور زندگی گزارنے کے مواقع فراہم ہوئے، عدل وانصاف کا قیام آسان ہوا، ہر شخص کے لئے اپنی تہذیب وتمدن اور کلچر وروایات کی حفاظت ممکن ہوسکی۔

سب سے بڑھ کر اس کے اثرات سیاسی نظام پر ظاہر ہوئے، اسلام سے پہلے دنیا کے سیاسی نظام میں ملوکیت (بادشاہی) کا نظام چھایا ہوا تھا، کوئی اور نظام عملی طور پر موجود نہ تھا، بعثت نبوی کے وقت موجود تمام حکومتیں ملوکیت کی نمائندہ تھیں، روم، ایران، حبش، ہند وچین ہر جگہ بادشاہت تھی، پوری دنیا ملوکیت کے آمرانہ نظام کے شکنجے میں تھی، حد یہ ہے کہ یونان کے فلاسفہ نے جس جمہوریت کا خاکہ پیش کیا تھا اس میں بھی ''اشراف'' ہی کی حکومت کا خیال غالب تھا، اور عوام کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی، آپ ﷺ نے وحدت ومساواتِ انسانی کے تصور و اعلان کے ذریعہ محض خاندانی بنیادوں پر حکومت واقتدار اور فرماں روائی کے تصور کو کالعدم کردیا، اور اس کے بجائے حقیقی جمہوریت کا تصور پیش کیا (جس کی تفصیلات ایک مستقل موضوع ہیں) آج صورت حال یہ ہے کہ تقریباً پوری دنیا میں جمہوری نظام قائم ہے، جو اسلام کے تصورِ خلافت سے ماخوذ ہے، اور اپنی بہت سی خامیوں، نقائص اور بے اعتدالیوں کے باوجود کسی نہ کسی صورت میں انسانی وحدت کا علم بردار ہے۔

اس کے علاوہ سیاست میں آپ ﷺ نے رنگ ونسل کی بنیاد پر کسی تفریق کو درست نہیں قرار دیا، احادیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

أُوصِيكُمْ بِتَقْوَىٰ اللّٰهِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا. (مشکوۃ: الاعتصام بالکتاب والسنة: ١٦٥)

میں تم کو اللہ سے ڈرنے اور اپنے امیر کی بات سننے اور ماننے کی تاکید کرتا ہوں، اگرچہ تمہارا امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔

بارہا آپ ﷺ نے اپنی عدم موجودگی میں نابینا صحابی حضرت عبد اللہؓ بن ام مکتوم کو اپنا نائب اور مدینہ کا گورنر بنایا، جب کہ وہ نسلی طور پر غلام تھے، حضرت زیدؓ بن حارثہ (آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام) اور ان کے بیٹے (جنھیں محبوب رسول کہا جاتا تھا) حضرت اسامہ بن زیدؓ کو ایسے لشکروں کا امیر و کمانڈر آپ ﷺ کی طرف سے مقرر کیا گیا جن میں قریش کے بڑے بڑے صحابہ عام سپاہی کی حیثیت سے شریک تھے، جس لشکر اسلامی کے ہاتھوں ایران فتح ہوا، اس کی قیادت حضرت سلمان فارسیؓ فرما رہے تھے جو عجمی تھے، حضرت عمرؓ فرماتے تھے: اگر حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالم حیات ہوتے تو میں اپنے بعد انہیں کو مسلمانوں کا خلیفہ نامزد کرتا، (صفۃ الصفوۃ: ۱/۲۸۳) ان تمام مثالوں سے سیاسی امور میں کامل مساوات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یہی مساوات مذہبی معاملات میں بھی پورے طور پر ملتی ہے، آپ ﷺ نے کوئی ایسی تفریق نہیں رکھی کہ کسی خاص قوم یا نسل یا طبقے کے افراد ہی مذہبی عہدوں تک پہونچ سکیں، یا انہیں کو دینی تعلیم و تعلم کا حق حاصل ہو، یا انہیں کی رائے قابل اعتبار و قبول قرار پائے، آپ ﷺ نے واضح فرما دیا کہ نماز کی امامت کا مستحق وہ ہوگا جسے قرآن سب سے زیادہ یاد ہو اور جو اچھے طریقے سے قرآن پڑھ لیتا ہو، پھر اس کا درجہ ہے جو نماز کے مسائل و احکام سے بخوبی واقف ہو، پھر اس کا مقام ہے جو ورع و تقویٰ کی اعلیٰ زندگی گزارتا ہو۔ (مشکوۃ المصابیح: الامامۃ: ۱۱۱۷)

دینی علوم سیکھنے سکھانے میں آپ ﷺ نے کوئی تفریق نہیں فرمائی، صحابہ کی جماعت میں بہت سے ممتاز اہل علم و فضل وہ لوگ ہوئے ہیں جن کا تعلق نہ قریش سے تھا اور نہ وہ عربی تھے۔

قانونی اعتبار سے بھی آپ ﷺ نے کامل مساوات کی دعوت دی ہے، سب کو ایک درجے میں رکھا، اور جرم و سزا کے باب میں نسلی و طبقاتی بنیادوں پر کوئی تفریق نہیں رکھی، ایک مخزومی عورت کی چوری کی سزا میں تخفیف کی سفارش پر آپ ﷺ نے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو آب زر سے لکھنے اور اسلامی مساوات کے پورے نظام کا ٹائٹل بننے کے قابل ہے:

لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا. (مشكوة: الحدود: باب الشفاعة فى الحدود: ٣٦١٠)

اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

آپ ﷺ کے پیش کردہ اسی وحدت و مساوات کے تصور نے رنگ و نسل کے تمام تر فرق کے باوجود تمام مسلمانوں کو اخوت و اجتماعیت کی ایک اٹوٹ اور نا قابل شکست لڑی میں پرو دیا، اس تصور نے عرب کے معزز قبائل اور حبش کے حضرت بلالؓ اور دیگر عجمی اور غلام خاندانوں سے وابستہ افراد کو ایک صف میں کھڑا کر دیا۔

حضرت بلال حبشیؓ کی سیرت پڑھی جائے، آپ ﷺ نے دنیا کو وحدت و مساوات کا جو اصول عنایت فرمایا اور جس کو عملی طور پر برت کر دکھایا، حضرت بلالؓ کی تنہا ذات گرامی اس کا جیتا جاگتا ثبوت اور واضح دلیل ہے، حضرت بلالؓ عجمی نژاد حبشی غلام تھے، دور جاہلیت کے عرب انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، آپ ﷺ نے انہیں ایسی عزت بخشی کہ وہ سب کے لئے قابل رشک بن گئے، حضرت عمرؓ جیسے عظیم انسان نے ان کے لئے ’’سیدنا‘‘ کا لفظ استعمال کیا اور فرمایا:

أَبُوبَكْرٍ سَيِّدُنَا، وَأَعْتَقَ سَيِّدَنَا يَعْنِي بِلَالاً.

حضرت ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں، انہوں نے ہمارے سردار حضرت بلالؓ کو آزاد کیا۔ (بخاری: فضائل اصحاب النبی: باب مناقب بلال: ۳۷۵۴)

فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ کے حکم پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد حرام کی چھت پر اذان دے رہے ہیں، فتح مکہ کے بعد اللہ کی کبریائی اور عظمت و وحدانیت کے اعلان کی یہ پہلی روح پرور صدا ہے، قریش کے سردار بلال کے اس بلند نصیب کو بنگاہِ حسرت دیکھ رہے ہیں، وہ بلال جنہیں ذلیل غلام سمجھ کر مکہ والے ظلم و ستم کا طوفان کھڑا کرتے آئے تھے، اس کا یہ مرتبہ دیکھ کر ان کو غم و حسرت نے گھیر لیا ہے، وہ تبصرے کر رہے ہیں، اللہ پیغمبر ﷺ کو وحی کے ذریعہ ساری خبر

دے رہا ہے، پیغمبر ﷺ ان تبصرہ کرنے والوں کو بتا رہے ہیں، اس طرح حق بالکل کھلی شکل میں ان کے سامنے آ گیا ہے، اور ان کے دل وزبان توحید ورسالت کی شہادت دے رہے ہیں۔ (شرح الزرقانی:۲/ ۳۴۶، البدایۃ والنہایۃ :۴/۲۲۳)

اقبالؒ نے حضرت بلالؓ اور مشہور فاتح سکندر رومی کا موازنہ کرتے ہوئے خوب کہا ہے:

لیکن بلال وہ حبشی زادۂ حقیر
فطرت تھی جس کی نورِ نبوت سے مستنیر
جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلال
محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر
ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط
کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

سیرت نبوی کا مطالعہ اگر وحدت ومساوات کے اس زریں اصول کے تناظر میں کیا جائے تو سیکڑوں روشن نمونے امت کی رہنمائی کے لئے موجود ملیں گے، صرف غزوۂ بدر میں ہی دو واضح مثالیں موجود ہیں:

رسول اللہ ﷺ ۱۲/ رمضان المبارک ۲/ ہجری کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ہیں، آپ ﷺ کے ہمراہ ۳۱۳/ صحابہ ہیں، بہت معمولی سامان ہمراہ ہے، ۸/ تلواریں، ۲/ گھوڑے، ۷۰/ اونٹ، باری باری ۳/ لوگ اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں۔ (زاد المعاد:۱/۳۴۲، سنہری سیرت:۱۹۸)

نکلتے وقت آپ ﷺ کے ہمراہ ایک اونٹ پر حضرت علیؓ اور حضرت ابولبابہؓ شریک ہیں، جب آپ ﷺ کے پیدل چلنے کی باری آتی ہے، تو دونوں صحابہ باادب عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہ! آپ سوار ہو جائیں، ہم پیدل چل لیں گے، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

مَا أَنْتُمَا بِأَقْوىٰ مِنِّي وَلاَ أَنَا بِأَغْنىٰ عَنْ الأَجْرِ مِنْكُمَا.

تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو اور میں تم دونوں کے مقابلے میں اجر سے بے نیاز بھی نہیں ہوں۔ (سیرت احمد مجتبیٰ: ۲/۲۰۰)

غور فرمایئے! مساوات اور دوسروں کی رعایت کا اس سے معیاری نمونہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ دنیا کے قائدین کی تاریخ، تواضع، مساوات اور حسن اخلاق کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

پھر میدان بدر میں جب آپ ﷺ نے فوجی تنظیم کا عمل انجام دیا، صف بندی کے اسی مرحلے میں چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ ایک مجاہد صحابی حضرت سواد بن غزیہؓ صف سے ذرا سا آگے نکل آئے ہیں، آپ ﷺ انہیں سیدھا کرتے ہیں، دوبارہ راؤنڈ لیا، تو پھر وہی صحابی ذرا سا باہر ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''تم بار بار صف کیوں توڑتے ہو؟'' یہ کہہ کر آپ ﷺ انہیں سیدھا کرتے ہیں، اور اپنے نیزے کی انی اُن کے پیٹ میں ذرا سا چبھو دیتے ہیں، وہ صحابی عرض کرتے ہیں کہ: ''یا رسول اللہ! آپ نے میرے پیٹ پر نیزہ لگایا، مجھے تکلیف پہنچی، اللہ نے آپ کو عدل وانصاف کا علم بردار بنایا ہے، میں آپ ﷺ سے قصاص لوں گا، مجھے بدلہ دیجئے۔''

قربان جایئے! عدل و مساوات کے علم بردار پیغمبر پر، آپ ﷺ نے اپنا سینہ کھول دیا، فرمایا کہ آؤ! انتقام لے لو، سواد آگے بڑھتے ہیں، لپٹ کر حضور ﷺ کے سینے کو بوسہ دے رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا کہ آقا! میدانِ جنگ ہے، شہادت کی تمنا لے کر آیا ہوں:

أَرَدْتُ أَنْ يَكُوْنَ آخِرُ الْعَهْدِ بِکَ أَنْ يَمَسَّ جِلْدِیْ جِلْدَکَ.

دل نے چاہا کہ دم نکلنے سے پہلے اپنے لبوں کو جسم اطہر سے مس کر لوں، برکتیں مل جائیں، سعادتیں حاصل ہو جائیں، اسی لئے بار بار صف سے آگے کو ہو جاتا تھا، اپنے پروانے

کی یہ بات سن کر شمع ہدایت ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ (الاصابۃ :۲/ ۹۵، السیرۃ النبویۃ : لابن ہشام :۲/ ۲۳۸)

حضرت سلمان فارسیؓ جو ایران کے ایک گاؤں کے باشندے تھے، عجمی نژاد تھے، دربار نبوت میں آئے تو انہیں کیسے گلے لگایا گیا اور کیسا اعزاز ملا، اسلامی مساوات و وحدت کے سنہرے سلسلے کا ایک اہم باب ہے۔

آپ ﷺ کی مدینہ منورہ آمد کے پانچ دنوں بعد پیش آنے والا اہم واقعہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبولِ ایمان ہے، حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایران کے علاقے ’’رامہرمز‘‘ کے باشندے اور خاندانی مجوسی العقیدہ تھے، اپنے والدین اور خاندان سے بغاوت کر کے نصرانی بن گئے تھے، گھر والوں کی طرف سے اذیتوں کا بھی سامنا رہا، بالآخر شام آ گئے، وہاں کے بڑے پادری کی خدمت میں رہنے لگے، اس نے اپنی موت کے وقت ’’موصل‘‘ میں مقیم ایک سچے پادری کی نشان دہی کی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی خدمت میں پہنچ گئے، ایک مدت وہاں رہے، اس نے اپنی موت کے وقت ’’نصیبین‘‘ کے ایک مسیحی پادری کی طرف رجوع ہونے کو کہا، چناں چہ وہاں حاضر ہوئے اور مقیم ہو گئے، اس نے اپنی موت کے وقت روم کے شہر ’’عموریہ‘‘ کے ایک بزرگ مسیحی عابد سے وابستہ ہو جانے کی ہدایت دی، حضرت سلمان وہاں پہنچ گئے، جب ان بزرگ کا آخری وقت آیا تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ میں تلاشِ حق میں سرگرداں ہوں، آپ کے بعد کہاں جاؤں گا؟ انہوں نے جواب دیا کہ اب دنیا شرک سے لبریز ہو چکی ہے، اور وہ وقت آ گیا ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہو جائے، نبی آخر الزماں ﷺ صحرائے عرب سے اٹھ کر دین حنیف کو زندہ کریں گے، ان کی ہجرت گاہ کھجور کے جھنڈوں والی زمین ہو گی، ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کی پشت پر دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی، وہ ہدیہ قبول کریں گے مگر صدقے کو اپنے لئے حرام سمجھیں گے۔

اب متلاشی حق حضرت سلمان فارسیؓ کو شب و روز نبی آخر الزماں ﷺ کی جستجو ہے، عرب جانے والے بنی کلب کے قافلے سے درخواست کر کے ہمراہ ہو گئے، مقام ''وادیٔ القریٰ'' میں قافلہ کے سردار کی نیت بدلی اور اس نے حضرت سلمان کو یثرب کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا، اب حضرت سلمان غلام بن کر یہودی آقا کے ہمراہ یثرب پہنچے ہیں، ان کے دل نے اس نخلستانی سرزمین کو دیکھ کر گواہی دی ہے کہ ہو نہ ہو نبی آخر الزماں ﷺ کی ہجرت گاہ یہی مقام ہے۔

ایک دن حضرت سلمان اپنے آقا کے باغ میں کھجور کے درخت پر کام میں مصروف تھے، مالک نیچے بیٹھا تھا، اس کے دوست نے آ کر کہا کہ خدا بنو قیلہ (اَوس وخزرج) کو غارت کرے، یہ مکہ سے آئے ہوئے نبوت کے نئے مدعی کے پیچھے دیوانہ ہوئے جا رہے ہیں، سلمان کا پورا جسم اس خبر کو سن کر کانپ اٹھا، جلدی سے درخت سے اترے، آقا سے پوچھا کہ:

''آپ لوگ کیا بات کر رہے تھے؟''

آقا نے زور سے طمانچہ مارا، اور بولا:

''تمہیں اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرتے رہو۔''

حضرت سلمانؓ شام کو قبا پہنچے ہیں، آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہیں، صدقہ کی کھجوریں پیش کرتے ہیں، آقا ﷺ نے وہ کھجوریں دوسروں میں تقسیم کر دیں، خود نہیں کھائیں، یہ پہلی علامت کا ظہور تھا، کچھ دنوں بعد پھر حاضر ہوئے، ہدیہ پیش کیا، آقا ﷺ نے قبول کر لیا، خود بھی استعمال کیا اور حاضرین کو بھی شریک کیا، یہ دوسری علامت کا ظہور تھا۔

کچھ دنوں کے بعد کسی جنازے میں شرکت کے لئے حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ کے اِرد گرد چکر کاٹنے لگے، آپ ﷺ بھانپ گئے، آپ ﷺ نے اپنی پشت مبارک سے چادر سرکا دی، مہر نبوت سامنے نظر آئی، سلمان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، عقیدت سے مہر نبوت

چوم لی، تلاشِ حق کا سفر ختم ہو گیا تھا، منزل ہاتھ آ گئی تھی، فوراً کلمہ پڑھا، آقا ﷺ کو داستان سنائی، پہلے نام "مابہ" تھا، آقا ﷺ نے "سلمان" نام رکھا۔

غلامی سے آزادی کی بات آئی تو یہودی آقا نے ۳۰۰/کھجور کے بار آور درختوں اور ۴۰/اوقیہ چاندی کی شرط لگادی، آپ ﷺ کی تحریک پر انصار نے اپنے باغوں سے ۳۰۰/پودوں کا انتظام کیا، متعین مقام پر آپ ﷺ نے بدستِ خود یہ پودے لگائے، پیغمبر علیہ السلام کا معجزہ ظاہر ہوا کہ ایک ہی سال میں یہ سارے درخت بار آور ہو گئے، اسی طرح ۴۰/اوقیہ چاندی کا انتظام بھی کرایا، حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آزاد ہوئے، انہیں کی مشورت سے غزوۂ احزاب میں خندق کھودی گئی۔ (طبقات ابن سعد: ۴/۲۳۳، سیرت ابن ہشام: ۱/۷۳، سیرت المصطفیٰ: ۱/۴۲۴)

راہِ حق کے اس مخلص مسافر کی قربانیوں اور تلاشِ حق کے سفر کی عزیمتوں کے صلہ میں زبانِ نبوت سے کبھی انہیں "سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ" (سلمان میرے اہل بیت میں سے ہیں) کا اعزاز ملا، (دلائل النبوۃ: بیہقی: ۳/۴۸۲) کبھی یہ ارشاد ہوا:

مَنْ اَرَادَ أَنْ يَنْظُرَ اِلَىٰ رَجُلٍ نُوِّرَ قَلْبُهُ فَلْيَنْظُرْ اِلَىٰ سَلْمَانَ. (کنز العمال: ١١/٣١٦)

جو روشن قلب اور پاک باطن انسان دیکھنا چاہے، وہ سلمان کو دیکھ لے۔

اور کبھی "سَلْمَانُ الْخَيْرُ" (مجسم خیر سلمان) کا لقب عطا ہوا، اور خود انہوں نے ہمیشہ اپنے تعارف میں "سلمان بن اسلام بن اسلام" ہی فرمایا، رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ وَاَرْضَاهُ. (الاستیعاب: حافظ ابن عبد البر: ۲/۵۶)

روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابوذرؓ کا کسی مسلمان سے جھگڑا ہوا، حضرت ابوذرؓ نے انہیں عار دلاتے ہوئے یہ الفاظ کہہ دیئے:

يَا ابْنَ السَّوْدَاءِ.

اے کالی عورت کے بیٹے۔

اس جملے میں طبقاتی تفریق اور نخوت کی بو تھی، آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا:

> **يَا أَبَاذَرٍّ: أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ، إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ.**
>
> اے ابوذر! کیا تم نے اسے اس کی ماں کی عار دلائی ہے، بلا شبہ تم ایسے آدمی ہو کہ تم میں جاہلیت کی نخوت موجود ہے۔

پھر فرمایا:

> **إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيْكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَ لْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلاَ تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَأَعِيْنُوْهُمْ.** (بخاری: الایمان: باب المعاصی من امر الجاهلية: ۳۰)
>
> تمہارے خدام، غلام اور ماتحت تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے انہیں تمہارے زیر دست رکھا ہے، جس کا بھائی اس کے تابع ہو اسے چاہئے کہ جو خود کھا رہا ہے اس میں سے اسے کھلائے، جو خود پہن رہا ہے اس میں سے اسے پہنائے، اپنے ماتحتوں کو ایسے کام نہ دو جوان کے بس سے باہر ہوں، اگر کسی وجہ سے ایسے کام کا موقع آجائے تو خود بھی ان کی مدد کرو۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حضرت ابوذرؓ نے دست بستہ ان صاحب سے معافی مانگی، زمین پر لیٹ گئے، اور کہا: جب تک تم اپنا پیر میرے رخسار پر رکھ کر معاف نہیں کرو گے، میں نہیں اٹھوں گا، جب ان صاحب نے اپنے پاؤں ان کے رخسار پر رکھے، تب انہیں چین آیا، پھر انہوں نے اپنے تمام غلاموں اور خدام کے ساتھ مکمل مساوات حتی کہ خوراک و پوشاک تک میں مکمل مساوات کو لازم سمجھ لیا۔ (ملاحظہ ہو: الکواکب الدراری: کرمانی: ۱/۱۴۰)

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں، اور نماز ادا فرما رہے ہیں،

اس موقع پر آپ نے اپنی ہمراہی کا شرف اکابر اور معروف صحابہ کے بجائے اپنے غلام زادے اور محبوب حضرت اسامہؓ، اپنے موذن حضرت بلال حبشیؓ اور کلید بردار کعبہ حضرت عثمان بن طلحہؓ کو بخشا ہے، اس سے مساوات کی وہ روح جھلکتی ہے جس سے آپ ﷺ کی سیرت وحیات کا ہر ہر ورق روشن ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات سے مزدلفہ روانہ ہو رہے ہیں، یہ انتہائی اہم موقعہ ہے، مگر آپ ﷺ نے اپنی سواری پر اس موقع پر اپنے محبوب غلام زادے حضرت اسامہؓ کو پیچھے سوار ہونے کی سعادت بخشی ہے، اس طرح نسلی تفوق کے تمام جراثیم ختم کر دیئے ہیں۔

آپ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحشؓ (جو بعد میں آپ کی زوجۂ محترمہ اور ام المومنین بنیں) کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ سے کرایا، اپنی چچازاد حضرت ضباعہؓ بنت زبیر بن عبد المطلب کا عقد غریب الوطن حضرت مقداد بن الاسودؓ سے کرایا، حضرت اسامہ بن زیدؓ کا نکاح حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے کرایا، حضرت بلالؓ کا پیغامِ نکاح ایک انصاری خاندان نے رد کیا تو آپ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور رشتہ قبول کئے جانے کا حکم دیا، حضرت ابو ہندؓ (جو آزاد کردہ غلام تھے اور جن کا مشغلہ پچھنہ لگانا تھا) نے بنو بیاضہ میں پیغام بھیجا، آپ ﷺ نے بنو بیاضہ کو رشتہ قبول کرنے کا حکم دیا، آپ کی انہیں ہدایات پر حضرت ابو حذیفہؓ نے اپنی برادر زادی کا عقد ”سالم“ نامی غلام سے کیا، حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ جیسے صحابی نے اپنی بہن کا عقد حضرت بلالؓ سے کیا، حضرت بلالؓ نے مسجد نبوی میں ذکر کیا کہ میں حبشی ہوں، غلام و بے مایہ ہوں، مگر اپنے بھائی کا عقد چاہتا ہوں تو مدینہ کے کئی معزز خاندانوں نے پیش کش کی، حضرت سعید بن المسیبؒ نے اپنی بیٹی کا عقد (جس کے لئے بادشاہ وقت نے اپنے شہزادے کا پیغام بھیجا تھا) اپنے غریب شاگرد ابو وداعہؒ سے کر دیا، حضرت جلیبیبؓ کا واقعہ اس زریں سلسلے کی ایک ایک زریں کڑی ہے:

جلیبیبؓ ایک انصاری صحابی تھے، نہ مالدار تھے نہ کسی معروف خاندان سے تعلق تھا،

صاحب منصب بھی نہ تھے، رشتہ داروں کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی، رنگ بھی سانولا تھا، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، علم سیکھتے اور صحبت سے فیض یاب ہوتے۔

ایک دن اللہ کے رسول ﷺ نے شفقت کی نظر سے دیکھا اور ارشاد فرمایا:

یَا جُلَیْبِیْبُ: أَلاَ تَتَزَوَّجُ؟

جلیبیب تم شادی نہیں کرو گے؟

جلیبیب نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھ جیسے آدمی سے بھلا کون شادی کرے گا؟

اللہ کے رسول ﷺ نے پھر فرمایا: ''جلیبیب تم شادی نہیں کرو گے؟'' اور وہ جواباً عرض گزار ہوئے کہ اللہ کے رسول! بھلا مجھ سے شادی کون کرے گا؟ نہ مال نہ جاہ وجلال!!

اللہ کے رسول ﷺ نے تیسری مرتبہ بھی ارشاد فرمایا: جلیبیب تم شادی نہیں کرو گے؟ جواب میں انھوں نے پھر وہی کہا: اللہ کے رسول! مجھ سے شادی کون کرے گا؟ کوئی منصب نہیں، میری شکل بھی اچھی نہیں، نہ میرا خاندان بڑا ہے اور نہ مال و دولت رکھتا ہوں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذْهَبْ إِلٰی ذَاکَ الْبَیْتِ مِنَ الْأَنْصَارِ وَ قُلْ لَّهُمْ، رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُبَلِّغُکُمُ السَّلاَمَ وَ یَقُوْلُ: زَوِّجُوْنِیْ ابْنَتَکُمْ.

فلاں انصاری کے گھر جاؤ اور ان سے کہو کہ اللہ کے رسول ﷺ تمھیں سلام کہہ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اپنی بیٹی سے میری شادی کر دو۔

جلیبیب ؓ خوشی خوشی اس انصاری کے گھر گئے اور دروازہ پر دستک دی، گھر والوں نے پوچھا: کون؟ کہا: جلیبیب، گھر والوں نے کہا: ہم تو تمھیں نہیں جانتے، نہ تم سے کوئی غرض ہے، خیر گھر کا مالک باہر نکلا، ادھر جلیبیب کھڑے تھے، پوچھا: کیا چاہتے ہو، کدھر سے آئے ہو؟ کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے تمھیں سلام بھجوایا ہے۔

یہ سننے کی دیر تھی کہ گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اللہ کے رسول نے ہمیں سلام کا پیغام بھجوایا

ہے۔ ارے! یہ تو بہت ہی خوش بختی کا مقام ہے کہ ہمیں اللہ کے رسول نے سلام کہلا بھیجا ہے۔

جلیبیب کہنے لگے: آ گے بھی سنو! اللہ کے رسول ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کردو، صاحب خانہ نے کہا: ذرا انتظار کرو، میں لڑکی کی ماں سے مشورہ کرلوں، اندر جا کر لڑکی کی ماں کو پیغام پہنچایا اور مشورہ پوچھا؟ وہ کہنے لگی: نا نا، نا نا...... قسم اللہ کی! میں اپنی بیٹی کی شادی ایسے شخص سے نہیں کروں گی، نہ خاندان، نہ شہرت، نہ مال و دولت، ان کی نیک سیرت بیٹی بھی گھر میں ہونے والی گفتگو سن رہی تھی اور جان گئی تھی کہ حکم کس کا ہے؟ کس نے مشورہ دیا ہے؟ سوچنے لگی اگر اللہ کے رسول ﷺ اس رشتہ داری پر راضی ہیں تو اس میں یقیناً میرے لئے بھلائی اور فائدہ ہے۔

اس نے والدین کی طرف دیکھا اور مخاطب ہوئی:

أَتَرُدُّونَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرَهُ؟ إِدْفَعُونِي إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّهُ لَنْ يُضَيِّعَنِي.

کیا آپ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ٹالنے کی کوشش میں ہیں؟ مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے سپرد کردیں (وہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں میری شادی کردیں) کیوں کہ وہ ہرگز مجھے ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

پھر لڑکی نے اللہ تعالی کے اس فرمان کی تلاوت کی:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ. (الاحزاب: ۳۶)

اور دیکھو! کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے امور میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

لڑکی کا والد اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کا حکم سر آنکھوں پر آپ کا مشورہ، آپ کا حکم قبول، میں شادی کے لئے راضی ہوں، جب رسول

اکرم ﷺ کو اس لڑکی کے پاکیزہ جواب کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کے حق میں یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ صُبَّ الْخَیْرَ عَلَیْھَا صَبّاً وَ لَا تَجْعَلْ عَیْشَھَا کَدّاً.

اے اللہ! اس بچی پر خیر اور بھلائی کے دروازے کھول دے اور اس کی زندگی کو مشقت و پریشانی سے دور رکھ۔

(موارد الظمآن: ۲۲۶۹، احمد: ۴/ ۴۲۵، مجمع الزوائد: ۹/ ۳۷۰ وغیرہ)

پھر جلیبیبؓ کے ساتھ اس کی شادی ہوگئی، مدینہ منورہ میں ایک اور گھرانہ آباد ہوگیا جس کی بنیاد تقوی اور پرہیز گاری پر تھی، جس کی چھت مسکنت اور محتاجی تھی، جس کی آرائش و زیبائش تکبیر تہلیل اور تسبیح و تحمید تھی، اس مبارک جوڑے کی راحت نماز میں اور دل کا اطمینان تپتی دوپہروں کے نفلی روزوں میں تھا۔

رسول اکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے یہ شادی خانہ آبادی بڑی ہی برکت والی ثابت ہوئی، تھوڑے ہی عرصے میں ان کے مالی حالات اس قدر اچھے ہوگئے کہ راوی کا بیان ہے:

فَکَانَتْ مِنْ أَکْثَرِ الْأَنْصَارِ نَفَقَةً وَّمَالاً.

انصاری گھرانوں کی عورتوں میں سب سے خرچیلا گھرانہ اسی لڑکی کا تھا۔

ایک جنگ میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی، رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا:

هَلْ تَفْقِدُوْنَ مِنْ أَحَدٍ؟

دیکھو تمہارا کوئی ساتھی بچھڑ تو نہیں گیا؟

مطلب یہ تھا کہ کون کون شہید ہوگیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: ہاں، فلاں فلاں حضرات موجود نہیں ہیں، پھر ارشاد ہوا:

هَلْ تَفْقِدُوْنَ مِنْ أَحَدٍ؟

کیا تم کسی اور کو گم پاتے ہو؟

صحابہ نے عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

لٰكِنِّى أَفْقِدُ جُلَيْبِيبًا فَاطْلُبُوْهُ.

لیکن مجھے جلیبیب نظر نہیں آ رہا، اس کو تلاش کرو۔

چنانچہ میدان جنگ میں تلاش کیا گیا، وہ منظر بڑا عجیب تھا، میدان جنگ میں ان کے اردگرد سات کافروں کی لاشیں تھیں، گویا وہ ان ساتوں سے لڑتے رہے اور پھر ساتوں کو جہنم رسید کر کے شہید ہوئے، اللہ کے رسول ﷺ کو خبر دی گئی، رؤف ورحیم پیغمبر تشریف لائے، اپنے پیارے ساتھی کی نعش کے پاس کھڑے ہوئے، منظر کو دیکھا، پھر فرمایا:

قَتَلَ سَبْعَةً ثُمَّ قَتَلُوْهُ، هٰذَا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ هٰذَا مِنِّي وَ أَنَا مِنْهُ.

اس نے سات کافروں کو قتل کیا، پھر دشمنوں نے اسے قتل کر دیا، یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں، یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔

فَوَضَعَهُ عَلَى سَاعِدَيْهِ لَيْسَ لَهُ إِلَّا سَاعِدَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

پھر آپ نے اپنے پیارے ساتھی کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور شان یہ تھی کہ اکیلے ہی اس کو اٹھایا ہوا تھا، صرف آپ کے دونوں بازوؤں کا سہارا اسے میسر تھا۔

جلیبیبؓ کے لیے قبر کھودی گئی، پھر نبی ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انہیں قبر میں رکھا۔ (صحیح مسلم: ۶۳۵۸، مستفاد از: سنہری کرنیں: عبد المالک مجاہد: ۵۴-۵۸)

اس طرح آپ ﷺ نے غرورِ نسب کا خاتمہ کر دیا اور اپنے کردار و عمل سے ہر تفریق ختم کر دی، دینی اور دنیاوی تمام امور میں اپنے صحابہ کے ساتھ شانہ بہ شانہ شریک رہے، مسجد نبوی کی تعمیر میں دنیا نے یہ منظر بھی دیکھا کہ آپ ﷺ عام صحابہ کی طرح ایک معمار، ایک مزدور، ایک کارکن کی حیثیت سے ہمہ تن محنت میں منہمک ہیں، قائد اعلیٰ کی اس جفاکشی نے پیروکاروں

میں حوصلے بڑھا دیئے ہیں، وہ کہہ رہے ہیں:

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِيُّ يَعْمَلُ
لَذَاکَ مِنَّا الْعَمَلُ الْمُضَلِّلُ

ہم بیٹھے رہیں اور نبی کام کریں تو یہ بہت گمراہ کن کام ہوگا۔

سارے صحابہ پورے ذوق وشوق سے اللہ کے گھر کی تعمیر میں لگ گئے ہیں، بارہ دن کے مختصر عرصے میں یہ مسجد مکمل ہوگئی ہے۔ (دلائل النبوۃ: للبیہقی: ۱/ ۲۵۰)

آپ ﷺ سمیت تمام صحابہ کی زبانوں پر بصورتِ شعر یہ دعا جاری ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ لاَ خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الآخِرَةْ
فَانْصُرِ الأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةْ

خدایا! خیر تو صرف آخرت کی خیر ہے، آپ انصار ومہاجرین کی مدد فرمایئے۔

(بخاری: المناقب: باب مقدم النبی الخ: ۳۹۳۲، زاد المعاد: ۲/ ۵۶)

غور فرمایئے! یہ کردار نبوی کا بہت تابناک پہلو ہے، آپ ﷺ نے یہ نہیں کیا کہ صرف سنگ بنیاد رکھ دیں اور عافیت کدے میں جا بیٹھیں، آپ ﷺ نے صرف بنیاد کا پتھر رکھ کر دوسروں کی محنت کا کریڈٹ اپنے دامن میں ڈالنے کا عمل نہیں کیا، نہیں! بلکہ از اول تا آخر پورے کام میں شریک رہے، اس طرح آپ ﷺ نے ایک طرف محنت اور مزدوری کے پیشے کی عظمت اور وقار بڑھایا، اپنے اس عمل سے پیشوں کی تحقیر کا دروازہ بند کر دیا، اور واضح کر دیا کہ اللہ کی بارگاہ میں انسان کی برتری یا کم تری کا معیار پیشے اور مشغلے نہیں، کردار وعمل اور خوفِ آخرت کی دولت ہے، دوسری طرف آپ ﷺ نے مساوات کا عملی درس دیا، اور اعلیٰ وادنی کی تفریق کی لعنت ختم کرنے کا اعلان فرما دیا۔

پھر غزوۂ خندق سے پہلے خندق کی کھدائی کا یہ منظر بھی دنیا نے دیکھا کہ آقا ﷺ بنفس

نفیس شریک ہیں، روایات میں آتا ہے کہ جس وقت آپ ﷺ خندق کھود رہے تھے، آپ ﷺ دو دن کے فاقے سے تھے، شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے، بعض بھوک سے بے حال صحابہ نے آقا ﷺ کو اپنے پیٹ دکھائے کہ پتھر بندھا ہوا ہے، آقا ﷺ نے ان کی تسلی کے لئے اپنا پیٹ کھولا تو دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ (ترمذی: الزہد: باب ماجاء فی معیشۃ اُصحاب النبی: ۲۳۶۳)

یہ تھا آقا ﷺ کا کردار، دنیا کی تاریخ گفتار و کردار میں اس طرح مطابقت رکھنے والے غازیٔ کردار قائد کی مثال کہاں پیش کر سکتی ہے؟

حد یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں جب تیس ہزار جاں نثار صحابہ آپ کے جلو میں تھے، حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ نامی مسلمان نے وفات پائی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ مل کر خود ان کی قبر کھودی، خود قبر میں اترے، اپنے ہاتھوں سے انہیں دفن کیا، پھر اپنے ہاتھ اللہ کے دربار میں اٹھا دیئے اور عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَمْسَیْتُ رَاضِیًا عَنْهُ فَارْضَ عَنْهُ.

اے اللہ! میں آج شام تک اس سے خوش تھا، آپ بھی اس سے راضی ہو جائیے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا تھا: میں نے یہ دعا سنی تو بے اختیار تمنا ہوئی، کاش اس قبر میں لٹایا جانے والا میں ہوتا۔ (اسد الغابۃ: لابن الاثیر: ۵/ ۱۶۷)

مرض الوفات میں ۸/ ربیع الاول ۱۱ھ (جمعرات) کو نماز ظہر کے بعد آپ ﷺ نے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

”مجھ پر کسی کا حق ہو تو وہ مجھ سے لے لے، میں نے کسی کی پیٹھ پر مارا ہو تو پیٹھ حاضر ہے، انتقام لے لے، کسی کی عزت کے خلاف کچھ کہا ہو وہ مجھے کہہ لے، کسی کا مال لیا ہو آ کر وصول کر لے، میرا سینہ کینہ سے پاک ہے، جو مجھ سے اپنا حق لے گا وہ مجھے محبوب ہوگا، میں اپنے رب سے پاک صاف ہو کر ملوں گا“۔ (الرحیق المختوم: ۷۲۷، الوفا: لابن الجوزی: ۷۹۴)

مساوات و وحدت کی یہی روح آپ ﷺ نے اپنی جماعت کے ہر ہر فرد میں پھونک دی تھی، حضرت عمرؓ کے دور خلافت کا واقعہ ہے، شاہِ غسّان جبلہ بن ایہم خلافت فاروقی کے زمانہ میں مشرف باسلام ہوا، لیکن چونکہ جاہلی نخوت اور شاہانہ تکبر باقی تھا، اسی کا ایک مظہر اُس وقت سامنے آیا جب طواف کعبہ کے دوران ایک بدّو کا پاؤں ہجوم کی وجہ سے جبلہ بن ایہم کے زمین پر گھسٹتے تہ بند پر جا پڑا، جبلہ آگ بگولہ ہو گیا اور غصہ میں اس بدو کو گالیاں دیں اور اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ اس کی ناک کا بانسہ ٹیڑھا ہو گیا اور خون بہہ پڑا، معاملہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا، آپ نے فریقین کا بیان سننے کے بعد فرمایا ”جبلہ: زیادتی تم نے کی ہے اب یا تو اس بدو کو منا لو یا پھر قصاص دو“ جبلہ حیران و پریشان دیکھتا رہا پھر بولا ”یہ ایک معمولی درجہ کا آدمی اور میں بادشاہ کیا آپ اس کے بدلہ میں مجھ سے قصاص لیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”اسلام نے بالا و پست سب کو برابر کر دیا ہے، اسلامی قانون کی نگاہ میں شاہ و گدا، حاکم و محکوم سب ایک ہیں“ جبلہ نے کہا ”میں تو یہ سمجھ کر اسلام لایا تھا کہ پہلے سے زیادہ عزت ملے گی لیکن آپ مجھے ایک عام بدو کے ساتھ کھڑا کر رہے ہیں“ حضرت عمرؓ نے فرمایا ”جبلہ: اسلام خاص و عام میں کوئی امتیاز نہیں کرتا، اسلام میں عزت و برتری نیک اعمال و اخلاق کے حامل شخص کو ملتی ہے، اگر عمرؓ سے کوئی جرم ہو جائے تو اسلامی قانون اس کی بھی گرفت کرے گا، عزت کے خواہاں ہو تو اس بدو کو مناؤ ورنہ مجمع عام میں بدلہ کے لئے آمادہ ہو جاؤ“ اس پر جبلہ نے کہا کہ اگر یہی بات ہے تو میں اسلام کو چھوڑ کر عیسائی ہو جاؤں گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر تم مرتد قرار دیئے جاؤ گے اور تمہاری گردن ماردی جائے گی، چنانچہ جبلہ نے ایک رات کی مہلت مانگی اور رات ہی میں بھاگ کھڑا ہوا اور پھر عیسائی ہو گیا، کچھ مسلمانوں نے کہا کہ اگر امیر المؤمنین نرمی کرتے تو جبلہ نہ بھاگتا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: بادشاہ ہو یا عامی، قانون اسلامی سب پر نافذ ہوگا، کسی شخصیت کی خاطر اگر میں قانون اسلامی کو معطّل کر دوں تو پھر مجھ سے بڑا ظالم اور کوئی نہیں ہوگا۔ (اسلام دین فطرت: ۱۰۳-۱۰۴)

حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اپنے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰنؓ پر شراب نوشی کی حد نافذ کرنے میں تاخیر اور رعایت نہ کی، فاتحِ مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے نے کسی عام مصری کو مار دیا، حضرت عمرؓ نے اس مصری کو بلا کر پورا حق قصاص برملا عطا فرمایا اور انصاف وعدل ومساوات کی ایک ناقابل فراموش نظیر قائم فرمادی اور پھر یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

مَتیٰ اسْتَعْبَدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ أَحْرَاراً.

تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنالیا جب کہ ان کی ماؤں نے انھیں آزاد جنا تھا۔ (حیاۃ الصحابۃ: کاندھلوی: ۲/ ۸۸)

ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے پاس حضرت علیؓ کے خلاف مقدمہ دائر کیا، مدعی کا بیان سننے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے (جو ان کے بغل میں بیٹھے ہوئے تھے) فرمایا: اے ابوالحسن: اٹھیے اور مدعی کے ساتھ بیٹھیے، حضرت علیؓ نے حکم کی تعمیل کی، معاملہ رفع دفع ہونے کے بعد حضرت علیؓ کے چہرہ کا رنگ بدلا ہوا دیکھ کر حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو کوئی بات ناگوار گذری ہے؟ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں مجھے یہ ناگوار گذرا کہ آپ نے مجھے نام کے بجائے کنیت سے پکارا اور احترام کا معاملہ کیا، آپ کو میرا نام لے کر حکم دینا چاہئے تھا، اس پر حضرت عمرؓ نے ان کا ماتھا چوم لیا اور فرمایا ’’میرا باپ آپ پر قربان ہو، آپ ہی لوگوں کے ذریعہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی اور کفر کے اندھیرے سے نکال کر اسلام کی روشنی میں داخل کیا ہے‘‘۔ (اسلام دین فطرت: ۱۰۵-۱۰۶)

حضرت عمرؓ نے مکہ سے گذرتے ہوئے ایک بار خادموں کو کھڑا دیکھا کہ وہ اپنے سرداروں کے ساتھ نہیں کھا رہے ہیں، آپ نے سرداروں کو ڈانٹا اور فرمایا: کہ اللہ کی رحمت ونعمت کو عام کرو، سب مل کر کھاؤ، ہر طرح کی تفریق ختم کردو، اور پھر یہ آیت پڑھی:

أَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَ رَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ. (الزخرف: ۳۲)

کیا آپ کے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کی گذر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کئے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لیں، اور آپ کے رب کی رحمت اُس دولت سے زیادہ قیمتی ہے جو یہ لوگ سمیٹ رہے ہیں۔

اس آیت میں بتادیا گیا ہے کہ ہر انسان دوسرے کا محتاج ہے، بیجا برتری اور تعصب کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (اسلام دین فطرت: ۱۰۸-۱۰۹)

حضرت عمرؓ کا سفر شام کس شان سے ہوا، عازم شام ہوئے تو ایک اونٹ تھا، اور دو سفر کرنے والے، ایک آپ خود، ایک آپ کا غلام، چونکہ اونٹ کی پچھلی نشست پر زادراہ اور اونٹ کے لئے کھجور کی گٹھلیاں لدی ہوئی تھیں اس لئے یہ طے پایا کہ نوبت بہ نوبت ایک سوار ہو اور دوسرا پیدل چلے، آخری منزل پر غلام کے سوار ہونے کی باری آئی تو آقا اتر پڑے، ادھر دارالسلطنت شام میں اسلامی افواج امیر المؤمنین کے استقبال کے لئے صف بستہ تھیں، اور مختلف قوموں کے بہت سے لوگ اس جشن پُرحشم کا تماشہ دیکھنے جمع ہوگئے تھے کہ گردِ راہ سے ایک اونٹ نمودار ہوا، مسلمان امراء پیشوائی کے لئے بڑھے، غیر مسلم تماشائیوں کو بڑی حیرت ہوئی، انہوں نے مسلمانوں سے پوچھا: کیا آپ کے خلیفہ یہی ہیں جو اونٹ پر سوار ہیں، اس پر ایک مجاہد نے جواب دیا: نہیں، ہمارے خلیفہ وہ ہیں جو پیدل چل رہے ہیں، اونٹ پر ان کا غلام سوار ہے۔ (مقالات سیرت: از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی: ۱۹۳)

حضرت علی مرتضیٰؓ اپنے دورِ خلافت میں ایک روز ایک غلام کے ساتھ کپڑا خریدنے بازار تشریف لے گئے اور بزاز کی دکان پر پہنچ کر غلام سے فرمایا کہ میرے اور اپنے لئے کپڑے پسند کرو، غلام نے کچھ قیمتی کپڑے پسند کئے اور کچھ سستے، قیمتی امیر المؤمنین کے لئے اور سستے اپنے لئے، درزی کے وہاں حضرت علیؓ نے سستے کپڑے اپنے لئے قطع کرائے اور قیمتی غلام کے لئے، تو غلام نے عرض کیا کہ: آپ میرے آقا اور امیر المؤمنین ہیں، آپ کو نفیس لباس پہننا چاہئے، اس پر امیر المؤمنین نے نرمی سے فرمایا: میں بڈھا ہو چکا ہوں، تم جوان ہو تم کو خوبصورت پوشاک زیادہ زیب دے گی۔ (مقالات سیرت: از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی: ۱۹۵)

حضرت علی بن حسین بن علیؓ (جو حضرت امام زین العابدین کے نام سے معروف ہیں) مسجد نبوی میں آتے تھے تو سیدھے حضرت زید بن اسلمؒ کے حلقے میں تشریف لے جاتے تھے، حضرت زید بن اسلمؒ غلام زادے تھے مگر مدینہ کے بڑے علماء میں تھے، حضرت زین العابدینؒ کو کچھ لوگوں نے سمجھایا کہ آپ سید ہیں، سید زادے ہیں، آل رسول ہیں، آپ غلام زادے کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ حضرت زین العابدینؒ نے فاضلانہ جواب دیا:

إِنَّمَا يَجْلِسُ الرَّجُلُ إِلَى مَنْ يَنْفَعُهُ فِي دِيْنِهِ. (حلية الاولياء: ۱۳۸/۳)

آدمی اسی کی مجلس میں بیٹھتا ہے جہاں اس کا دینی نفع ہو۔

صحابہ اور سلف کی سیرت میں مساوات و وحدت کے ایسے بے شمار نمونے موجود ہیں۔

اسلام کے ابتدائی دور میں مکہ کے کچھ سرداروں نے کہا تھا کہ آپ ﷺ کے ارد گرد غریب اور کم حیثیت قسم کے لوگ بہ کثرت رہتے ہیں، آپ کی مجلس میں ان کے ساتھ بیٹھنا ہماری توہین ہے، اگر آپ انہیں مجلس سے اٹھا دیں تو ہم آسکتے ہیں، اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی:

وَلاَ تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ. (الانعام: ۵۲)

اور ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنا جو صبح و شام اپنے پروردگار کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پکارتے رہتے ہیں، اِن کے حساب میں جو اعمال ہیں اُن میں سے کسی کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اور تمہارے حساب میں جو اعمال ہیں ان میں سے کسی کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے جس کی وجہ سے تم انہیں نکال باہر کرو، اور ظالموں میں شامل ہو جاؤ۔

اسی جیسے مطالبے کے جواب میں سورۃ الکھف میں فرمایا گیا:

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُونَ رَبَّھُم بِالْغَدَاۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُونَ وَجْھَہُ وَلَا تَعْدُ عَیْنَاکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَہُ عَن ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوَاہُ وَکَانَ أَمْرُہُ فُرُطاً. (الکھف:۲۸)

اور اپنے آپ کو استقامت سے اُن لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو اس لئے پکارتے ہیں کہ وہ اُس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں، اور تمہاری آنکھیں دنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں، اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن ابولہب نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ اگر میں تمہارے دین کو مان لوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو دوسرے اہل ایمان کو ملے گا وہی آپ کو بھی ملے گا، ابولہب نے کہا کہ مجھے بھی کوئی فضیلت نہیں یعنی باوجود عم رسول ہونے کے میرا کوئی امتیاز نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟ اس پر ابولہب نے کہا:

تَبًّا لِھٰذَا الدِّیْنِ تَبًّا أَنْ أَکُوْنَ وَ ھٰؤُلَاءِ سَوَاءً.

اس دین کا ناس ہو جس میں میں اور دوسرے لوگ برابر ہوں۔

اسی لئے قرآن نے صاف اعلان کر دیا کہ قیامت کے دن بال بچے اور رشتہ داریاں کام نہ آئیں گی:

لَن تَنفَعَكُمۡ أَرۡحَامُكُمۡ وَلَآ أَوۡلَادُكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ. (الممتحنة:۳)

قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں ہرگز تمہارے کام آئیں گی، اور نہ تمہاری اولاد۔ (خطبات بنگلور: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:۴۹)

سورۂ عبس کا پس منظر یہی ہے کہ آپ ﷺ سرداران مکہ سے مخاطب اور مصروف تھے، نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ درمیان میں آکر کچھ دریافت کرنے لگے، آپ نے ان پر توجہ نہ دی، اس پر پوری سورت نازل ہوئی، اور یہ تنبیہ کی گئی کہ آپ نے اپنے ایک طالب حق پر ان سرداروں کو ترجیح دی جو حق کے طالب نہیں ہیں، ایسا نہیں ہونا چاہیئے، اس طرح مساوات اور کمزوروں کو ترجیح دینے کا جو پیغام دیا گیا ہے وہ واضح ہے۔

اس تفصیل سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام نے دنیا کو مساوات کی کیسی عظیم نعمت عطا کی، دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، دربار رسالت میں امیر غریب، آقا غلام، کالے گورے سب برابر تھے، تمام مسلمانوں کے حقوق رنگ و نسل زبان و وطن کے کسی بھی امتیاز کے بغیر بالکل یکساں تھے، وہاں یہ تعلیم دی جاتی تھی:

مَنۡ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمۡ يُسۡرِعۡ بِهِ نَسَبُهُ. (مشکوۃ: العلم: ۲۰۴)

جسے اس کا عمل پیچھے کر دے اسے اس کا نسب آگے نہیں کر سکتا۔

وہاں یہ بتایا جاتا تھا کہ حسب و نسب پر فخر جاہلیت کی علامت اور دلیل ہے۔ (مسلم: الجنائز: باب التشدید فی النیاحۃ: ۲۱۶۰)

ماہر القادری نے صداقت کی ترجمانی کی ہے۔

حبیبِ حق کے نثار جاؤں، بدل دیا یوں نظامِ دنیا
کھڑے کئے ایک صف میں لاکر امیر و مفلس، غلام و آقا
ادھر علیؓ کے قریں اسامہؓ، ابو ہریرہؓ کے پاس عثمانؓ
اِدھر عمرؓ اور بلال حبشیؓ، جناب بوبکرؓ اور سلمانؓ
طلسم جبر و ستم کے توڑے، مٹا دیئے نقش ذلتوں کے
بتا دیا راز زندگی کا، سکھا دیئے گُر ترقیوں کے
ہوئی مساوات کی وہ بارش کہ بھر دیئے جس نے دشت و صحرا
پہاڑ کے ہوگیا مقابل جہاں کا اک اک حقیر تنکا
سلام اے حریت کے داعی، سلام اے رحمتِ مجسم
سلام اے مرکزِ اخوت، سلام اے رحمتِ عالم

آقا کا دربار گہربار مختلف نسلی اور ملکی پھولوں کا حسین گلدستہ تھا، فارس کے سلمانؓ، حبش کے بلالؓ، روم کے صہیبؓ، نینویٰ کے عداسؓ، غفار کے ابو ذرؓ، دوس کے طفیلؓ، طے کے عدیؓ اور نہ جانے کون کون...... اسلام کا چمن ان گلہائے رنگ رنگ سے آراستہ تھا، یہ سب بھائی تھے، اخوت کے پیکر تھے، اِنَّمَا الْمُؤمِنُونَ اِخْوَۃٌ کی سچی تعبیر تھے، اَلْمُسلِمُ اَخُ الْمُسْلِمِ کی حقیقی تصویر تھے، ہم نوالہ، ہم پیالہ، ہم مشرب، ایک ہی رب کے بندے، ایک باپ آدم کی اولاد، ایک آقا کے فرماں بردار غلام، ایک محبوب رہبر کے عاشق امتی، ایک ہی جذبۂ عقیدت و اطاعت سے سرشار، ایک ہی قالب میں ڈھلے ہوئے اور ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے، صِبْغَۃَ اللّٰہِ، یہ اللہ کا رنگ تھا، وَ مَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً، اور اللہ کے رنگ سے بہتر کون سا رنگ ہوسکتا ہے، یہ سب کچھ فیض تھا فخر موجودات نبی امی ﷺ کا۔

ترے قدم پہ جبہہ سا روم وعجم کی نخوتیں
تیرے حضور سجدہ ریز چین وعرب کی خودسری

تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
بخشا گدائے راہ کو تونے شکوہِ قیصری

کروٹیں دنیا کی تیرا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں تیرے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

آج کی مہذب دنیا پھر نئی جاہلیت کی سرحدوں میں داخل ہوگئی ہے اور بے شمار بنیادوں میں تفریق اور تعصب کا عفریت انسانیت پر مسلط ہو چکا ہے اور ہر طرف سے یہ صدا گونج رہی ہے۔

ہوگئے ناکام سب دانش کدے، سب فلسفے
پھر بروئے کار آ، درسِ مساواتِ رسول

❖

(۳) احترام انسانیت

انسانیت پر حضور اکرم ﷺ کا ناقابل فراموش اور عظیم احسان ''احترام انسانیت'' کا وہ سبق ہے جو آپ ﷺ نے دنیا کو سکھایا، انسانیت کا احترام اس عالم کے لئے اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے گراں قدر عطیات اور تحفوں میں سے ہے، آپ کی بعثت جس دور میں ہوئی، اس دور میں انسان سے بڑھ کر کوئی ذلیل و رسوا نہ تھا، انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حیثیت ہو کر رہ گیا تھا، حد یہ ہے کہ انسانی جان کی قدر و قیمت مکھی اور مچھر کے پر کے برابر بھی نہ تھی، بسا اوقات جانوروں اور درختوں کے لئے، بتوں کے نام پر اور خود ساختہ اوہام وخرافات کی بنیاد پر انسانوں کی جانیں قربان کر دی جاتی تھیں۔

آپ ﷺ کا احسان عظیم ہے کہ آپ نے انسانیت کے دل و دماغ میں یہ تصور پیوست کیا، یہ حقیقت جاگزیں کی اور یہ صداقت ذہن نشین کرائی کہ انسان اس کائنات کی سب سے زیادہ قابل احترام ہستی، سب سے بڑھ کر لائقِ محبت وجود اور سب سے زیادہ مستحقِ حفاظت مخلوق ہے، آپ نے بتایا کہ اس کائنات میں سب سے زیادہ محترم و مکرم وجود انسان کا ہے اور وہی اشرف المخلوقات ہے، آپ نے قرآن کی یہ آیت سنائی:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً. (الاسراء: ۷۰)

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے، اور انہیں خشکی اور سمندر دونوں میں سواریاں مہیا کی ہیں، اور ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا

ہے، اور ان کو اپنی بہت سے مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔

انسان کی تکریم کے بے شمار پہلو ہیں، جن میں حسن صورت، عقل سلیم اور قوتِ نطق و بیان بہت نمایاں ہیں۔

آپ ﷺ نے قرآن کی زبان میں بتایا کہ انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے اللہ نے سب سے حسین و جمیل پیکر، سانچے اور شکل و صورت میں ڈھال کر پیدا کیا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ. (التين:٤)

ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں پیدا کیا ہے۔

ایسے موقع پر انسان کو یہ نعمت یاد دلا کر جھنجھوڑا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ، الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ، فِيْ أَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ. (الانفطار:٦-٨)

اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے اس پروردگار کے معاملہ میں دھوکا لگا دیا ہے جو بڑا اکرم والا ہے، جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے ٹھیک ٹھیک بنایا، پھر تیرے اندر اعتدال پیدا کیا، جس صورت میں چاہا، اس نے تمھیں جوڑ کر تیار کیا۔

انسان ہی ہے جس کے لئے پوری کائنات سجائی گئی ہے، ارشاد نبوی ہے:

فَإِنَّكُمْ خُلِقْتُمْ لِلآخِرَةِ، وَالدُّنيَا خُلِقَتْ لَكُمْ. (موسوعة ابن ابی الدنيا: قصر الأمل: باب المبادرة للعمل:٣/١٢٩: ١٨٨)

بلاشبہ دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے، اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔

دنیا کی ہر مخلوق کو انسان کا خادم و تابع اور اس کے لئے مسخر بنا دیا گیا ہے، اور اس کے کام میں لگا دیا گیا ہے، قرآن میں فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُم مَّا فِی الْأَرْضِ جَمِیْعاً. (البقرة:۲۹)

وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزیں پیدا کیں۔

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَکُم مَّا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً. (لقمان:۲۰)

کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسے اللہ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری نچھاور کی ہیں؟

انسان کو مسجودِ ملائک بنایا گیا، اور فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کریں:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِکَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ. (الکهف:۵۰)

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔

اللہ نے انسان کو روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَائِکَةِ إِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیْفَةً.

(البقرة:۳۰)

جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس سے ایک جنازہ گذرا، آپ ﷺ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے، ہم بھی آپ ﷺ کی اتباع میں کھڑے ہو گئے، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو یہودی کا جنازہ تھا، آپ کیوں کھڑے ہو گئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَلَیْسَتْ نَفْساً؟

کیا وہ انسان نہیں تھا؟ (بخاری: الجنائز: باب من قام لجنازة یہودی: ۱۳۱۲)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انسانی وجود کی کیسی قدر واہمیت آپ ﷺ کی نگاہ میں تھی، آپ ﷺ نے احترامِ انسانیت کی فکر ہر ہر رگ وپے میں پیوست کرتے ہوئے واضح فرمادیا:

اَلْـخَـلْـقُ عِيَـالُ اللّٰهِ، فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللّٰهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ. (مشكوة المصابيح: الادب: باب الشفقة والرحمة على الخلق:٤٩٩٨)

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اللہ کی نگاہ میں مخلوق میں سب سے محبوب وہ ہے جو اللہ کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک رکھے۔

حجۃ الوداع میں میدان منیٰ میں آپ ﷺ نے اپنے خطاب کا آغاز اس طرح کیا تھا:

اَيُّهَا النَّاسُ! هَلْ تَدْرُوْنَ فِيْ أَيِّ شَهْرٍ أَنْتُمْ؟ وَفِيْ أَيِّ يَوْمٍ أَنْتُمْ؟ وَفِيْ أَىِّ بَلَدٍ أَنْتُمْ؟ فَقَالُوْا: فِيْ يَوْمٍ حَرَامٍ وَبَلَدٍ حَرَامٍ وَشَهْرٍ حَرَامٍ، قَالَ: فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا، اِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَهُ. (كنز العمال:١٢٣٥٣، نبی رحمت:٥٢٤، بحواله مسنداحمد)

اے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ تم کس مہینے میں ہو؟ کس تاریخ میں ہو؟ کس شہر میں ہو؟ بعض صحابہ نے عرض کیا: ہم محترم تاریخ میں، محترم مہینہ میں اور محترم شہر میں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جس طرح یہ دن، مہینہ اور شہر محترم ہے اسی طرح قیامت کے دن تک تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں بھی محترم ہیں۔

انسانیت کے احترام واہمیت کے لئے اس حدیث قدسی سے بڑی مثال اور کیا ہوسکتی ہے، جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

إِنَّ اللّٰـهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِى، قَالَ: يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُوْدُكَ؟ وَ أَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ، قَالَ: أَمَا

عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِیْ فُلاناً مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْہُ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّکَ لَوْ عُدْتَہُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَہُ؟ یَا ابْنَ آدَمَ إِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِی، قَالَ: یَا رَبِّ وَ کَیْفَ أُطْعِمُکَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّہُ اسْتَطْعَمَکَ عَبْدِي فُلاَنٌ، فَلَمْ تُطْعِمْہُ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّکَ لَوْ أَطْعَمْتَہُ لَوَجَدْتَ ذٰلِکَ عِنْدِی، یَا ابْنَ آدَمَ إِسْتَسْقَیْتُکَ، فَلَمْ تَسْقِنِی، قَالَ: یَا رَبِّ کَیْفَ أَسْقِیْکَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ، قَالَ: إِسْتَسْقَاکَ عَبْدِیْ فُلاَنٌ فَلَمْ تَسْقِہِ، أَمَا أَنَّکَ لَوْ سَقَیْتَہُ وَجَدْتَ ذٰلِکَ عِنْدِی. (مشکوۃ المصابیح: الجنائز: باب عیادۃ المریض:۱۵۲۸)

بلاشبہ اللہ قیامت کے دن فرمائے گا: اے فرزند آدم! میں بیمار رہا، لیکن تم نے میری عیادت نہیں کی؟ بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں آپ کی عیادت کیسے کرسکتا ہوں، آپ تو سارے جہانوں کے رب ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمہارے علم میں نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے مگر تم نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اگر تم اس بیمار کی عیادت کرلیتے تو مجھے (میری رحمت) وہیں پاتے، اے فرزند آدم! میں نے تم سے کھانا مانگا مگر تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں آپ کو کیسے کھانا کھلا سکتا ہوں، جب کہ آپ خود سارے جہانوں کے پروردگار ہیں، اللہ فرمائے گا: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا مانگا تھا مگر تم نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اگر تم اسے کھانا کھلا دیتے تو اس عمل کا ثواب میرے پاس ضرور پاتے، اے فرزند آدم: میں نے تم سے پانی مانگا مگر تم نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ کہے گا: اے

میرے رب! میں آپ کو کیسے پانی پلا سکتا ہوں، حالانکہ آپ ہی سارے جہانوں کے پالنہار ہیں، اللہ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تم سے پانی مانگا تھا مگر تم نے اسے پانی نہیں پلایا، سنو! اگر تم اسے پلا دیتے تو اس عمل کا ثواب ضرور میرے پاس پاتے۔

غور کیا جائے کہ کیا انسانیت کی رفعت وعظمت اور اہمیت ومحبوبیت کا اعتراف و اعلان اس سے بڑھ کر بھی کچھ ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ کی تعلیم اور پیغام تو یہ ہے کہ اگر تم اللہ کی رحمت کے خواہاں ہو تو تم کو اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحمت ومحبت کا سلوک ومعاملہ کرنا ہوگا، ارشاد فرمایا گیا:

الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، إِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ. (مشکوة المصابیح: الادب: باب الشفقة والرحمة علی الخلق:٤٩٦٩)

دوسروں پر رحم کرنے والوں کے ساتھ مہربان رب رحم کا معاملہ فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا رب تم پر رحم فرمائے گا۔

بقول شاعر ؎

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

واضح رہے کہ یہ حدیث "**مُسَلْسَلُ بِالْأَوَّلِيَّةِ**" ہے، یعنی محدثین کرام اپنے شاگردوں کو سب سے پہلے یہی روایت پڑھاتے آئے ہیں، اس پر تسلسل رہا ہے۔

احترام انسانیت کے لئے ایک اصول تو یہ بتایا گیا ہے کہ مذہب ومسلک کی ہر تفریق کے بغیر محض انسانی بنیادوں پر دوسروں سے خندہ پیشانی، حسن اخلاق اور تواضع سے ملاقات کی جائے، تکبر، اعراض اور بد خلقی کا برتاؤ نہ ہو، قرآن میں فرمایا گیا:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ. (لقمان: ١٨)

لوگوں کے سامنے غرور سے اپنے گال مت پھیلاؤ اور اعراض سے کام مت لو۔

دوسروں سے مسکرا کر ملنا اور خندہ روئی سے ملاقات کرنا صدقے کے برابر اجر و ثواب کا حامل عمل ہے، احادیث میں آپ ﷺ نے بار بار اس کی صراحت فرمائی ہے۔

دوسرا اصول اس طرح بیان ہوا ہے:

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً. (البقرة:۸۳)

تمام انسانوں سے اچھے انداز میں گفتگو کرو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں سے گفتگو کے وقت نرم انداز، خوش گوار لہجہ، محبت و شرافت کے بول اور میٹھی زبان کا اہتمام کیا جائے تو محبت و الفت پیدا ہوتی ہے، احادیث میں نرم اور پاکیزہ گفتگو کرنے والوں کے لئے اللہ کی رحمت و رضا اور جنت و نعمت کی بشارت آئی ہے، اسی اصول کے پیش نظر آپ ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو پابند کیا ہے:

تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ. (صحيح ابن حبان: ٤٣١٠)

تم اپنے شر کو تمام انسانوں سے روک لو (یعنی کسی کو اپنے شر سے اذیت و ضرر نہ پہنچاؤ)۔

مزید یہ بھی بتا دیا ہے:

أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللهِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ. (كنزالعمال: ٤٣٥٨٣)

اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ وہ پسند ہے جو اللہ کے بندوں کو سب سے زیادہ نفع پہونچانے والا ہو۔

الْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَاءِ هِمْ وَ أَمْوَالِهِمْ. (مشكوة: الايمان:۳۳)

سچا مؤمن وہی ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے سلسلے میں بے خوف اور مامون ہوں۔

آپ ﷺ نے احترام انسانیت کے ذیل میں جو ہدایات دی ہیں ان میں انتہائی باریک اور چھوٹے معاملات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے، قرآن میں ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے، آپ ﷺ نے مردہ انسان کے ساتھ انتہائی احترام کا معاملہ کرنے کا حکم فرمایا اور جن چیزوں سے انسان کو زندگی میں ایذا ہوتی ہے، موت کے بعد لاش کے ساتھ ایسے تمام امور سے منع فرمادیا، جنگوں میں لاشوں کا مثلہ کرنے سے روک دیا، خواتین کو اپنے بالوں کے ساتھ دیگر انسانی بال جوڑنے سے منع کر دیا گیا اور اس طرح یہ بتادیا گیا کہ کسی انسان کے لئے دوسرے کے جسمانی اجزاء کا استعمال انسانی تکریم واحترام کے خلاف ہے۔

انسانی جان کو یہ احترام حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے قتل ناحق سے بہت سختی سے منع فرمادیا، اسقاطِ حمل سے پوری وضاحت سے روک دیا اور خودکشی کو حرام قرار دے دیا۔

انسان کے مال کو یہ عزت بخشی کہ دوسرے کا مال بلا اجازت اور ناحق استعمال کرنا ناجائز قرار دے دیا، دوسروں سے ظلماً اس کا مال لینے سے منع فرمادیا۔

انسانی عزت وآبرو کے تحفظ کے لئے شریعت اسلام بے حد حساس ہے، آپ ﷺ نے ہمیشہ یہ رعایت رکھی کہ لوگوں سے ان کے مقام ومرتبہ کے مطابق خطاب ہو، ہرقل بادشاہِ روم کو خط لکھوایا تو اسے ''عظیم الروم'' (روم کا بڑا سردار) لکھا، آبرو کی اہمیت کے پیش نظر زنا کی سخت سزا شریعت نے تجویز کی اور آپ ﷺ نے اس کی تنفیذ فرمائی، دوسروں پر تہمت لگانے کو سخت جرم قرار دیا گیا اور اس کی سزا متعین ہوئی۔

اس طرح آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات اور کردار کے ذریعہ ہر پہلو سے انسانیت کی تکریم واحترام کے اصول کو ہمہ وقت ملحوظ رکھنے کی دعوت دی۔

محسن انسانیت ﷺ کے اس احسانِ عظیم اور سیرت نبویہ کے اس پیغام ''احترام انسانیت'' کی اہمیت اور معنویت ہمارے اس دور میں بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، آج کا عالمی منظرنامہ اور پوری دنیا کی معاشرتی تصویر یہ ہے کہ انسانی احترام کے بیش قیمت اصول اور

انسانی اقدار کو انتہائی بے دردی کے ساتھ پامال کیا جا رہا ہے، تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں ظالم حکمرانوں اور فاتحین نے احترامِ انسانی کی اسی بنیاد پر تیشے چلائے ہیں، سکندر کی تاریخ ہو یا سیزر کی، ماضی قریب کی عالمی جنگیں ہوں یا دیگر معرکے، ہر مرحلے پر یہی ہوا، جنگ عظیم اول میں خود ''انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا'' کی رپورٹ کے مطابق ۶/ لاکھ افراد قتل ہوئے، اور جنگ عظیم دوم میں ساڑھے تین کروڑ سے چھ کروڑ تک افراد مار دیئے گئے، اور ان جنگوں کے بعد دنیا کے مختلف خطوں میں سیکڑوں جنگیں ہوئیں، اور موجودہ صورتحال میں جگہ جگہ یہ سلسلہ جاری ہے، اور ان میں انسانیت کس طرح پامال ہو رہی ہے، تصور کیا جائے تو لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

ایک عرصے سے یہ ہو رہا ہے کہ دنیا میں اپنے ترقی یافتہ اور مہذب ہونے کا پروپیگنڈا کرنے والی قومیں اور طاقتیں ہر پیمانے پر حیوانیت اور شیطانیت کا کردار پیش کر رہی ہیں اور طرفہ تماشا ہے کہ اُس اسلام اور تہذیب اسلام پر ظالم، تشدد پسند، انتہا پسند، بنیاد پرست اور دہشت گرد ہونے کے الزامات عائد کر رہی ہیں جس کا نظام دنیا میں بقائے امن اور سلامتی کے قیام کا واحد ضامن ہے اور جس نے احترام انسانی کا ایسا قیمتی تصور دنیا کو دیا ہے کہ اسے اپنا کر ظلم و بربریت کے عفریت کی ڈسی ہوئی دنیا کو امن، سلامتی، محبت اور تحفظ کی نعمت مل سکتی ہے۔

غور کیا جائے کہ آپ ﷺ کی حیات میں کل ۲۷/ غزوات اور ۶۰/ سریے پیش آئے اور ان سب کے مقتولین کی کل تعداد بشمول مسلم و کافر ایک ہزار سے کچھ ہی متجاوز ہے، اور پھر اس کے نتیجے میں پورے جزیرۃ العرب میں ایسا امن و امان قائم ہوا کہ تن تنہا ایک خاتون ہزاروں میل کا طویل سفر بے خوف و خطر کر سکتی تھی، آج کی انسانیت کے نام سیرت محمدی کا یہی پیغام ہے کہ گھروں، رشتوں، معاشروں، حکومتوں سب کی عمارت انسانی احترام کی بنیادوں پر استوار

کی جائے، اس کے بغیر یہ دنیا امن اور سکون کی فضا میں سانس نہیں لے سکے گی، آج اسی پیغام کو عام اور زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

نبی آتے رہے آخر میں نبیوں کے امام آئے
وہ دنیا میں خدا کا لے کر آخری پیغام آئے

جھکانے آئے بندوں کی جبیں، اللہ کے در پر
سکھانے آدمی کو آدمی کا احترام آئے

وہ آئے جب تو عظمت بڑھ گئی دنیا میں انساں کی
وہ آئے جب تو بندوں کو فرشتوں کے سلام آئے

❖

(۴) امید و اعتماد کی بحالی، ناامیدی کا خاتمہ اور توبہ کی تحریک

محسن انسانیت ﷺ کے بے شمار احسانات میں سے ایک عظیم احسان اور آپ ﷺ کی نبوت کا انتہائی درخشاں کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مایوسی، قنوطیت اور ناامیدی کے بھنور میں پھنسی ہوئی انسانیت کو امید، رجائیت اور خود اعتمادی کی سچی، سیدھی اور روشن شاہراہ پر لا کھڑا کیا، بعثت محمدی کے وقت حالات یہ تھے کہ نسل انسانی کے بیشتر افراد انسانی فطرت سے بدگمانی اور اللہ کی رحمت سے ناامیدی کی عمومی کیفیت میں مبتلا تھے، بدگمانی اور مایوسی کی یہ فضا پیدا کرنے میں عیسائیت اور متعدد مشرکانہ مذاہب نے کلیدی کردار ادا کیا تھا، عیسائیت کی تعلیم میں انسانوں کو پیدائشی طور پر گنہ گار قرار دے دیا گیا تھا اور اس کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کفارہ بننے کی ضرورت کے عقیدے کو فروغ دیا جارہا تھا، عیسائیوں میں آج تک ''کفارے'' کا یہ عقیدہ عام ہے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''نجات دہندہ'' سمجھتے ہیں، اور یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے جانشینوں یعنی پوپوں اور پادریوں کے سامنے اعتراف گناہ کرنے سے مغفرت ہو جاتی ہے۔

اسی طرح ہندو مذاہب میں تناسخ (آواگون) کا عقیدہ تھا جس میں انسان کے لئے اپنے پہلے جنم کے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنا لازمی بتایا جاتا تھا، اس طرح مذہب کی آڑ میں گنہ گاروں سے نفرت کا تصور جما ہوا تھا، اس صورت حال نے نوعِ انسانی کے اکثر افراد کو اپنی ذات و فطرت سے بدگمان اور اللہ کی رحمت سے مایوس و ناامید کر دیا تھا۔

آپ ﷺ نے ناامیدی، مایوسی اور بدگمانی کی اس دھندلی فضا میں پوری قوت وصراحت سے اعلان فرمادیا:

كُلُّ مَوْلَدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْيُنَصِّرَانِهِ أَوْيُمَجِّسَانِهِ. (مشكوة: الإيمان بالقدر: ٩٠)

ہر بچہ سلیم فطرت (قبول حق کی صلاحیت) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین (خاندانی ماحول کے اثرات) اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو معصوم ہوتا ہے، اس کے وجود پر گناہ کا ایک دھبہ بھی نہیں ہوتا، اور انسان کی فطرت ایک سادہ تختی کے مانند ہے، جس پر پہلے سے کوئی تحریر لکھی نہیں ہے، اس پر بہتر سے بہتر تحریر لکھی جا سکتی ہے، انسان اپنی زندگی کا آغاز خود کرتا ہے، اور اپنے اچھے برے عمل سے اپنی دنیا و عاقبت بناتا یا بگاڑتا ہے۔ (نبی رحمت: ۶۲۴)

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً. (الدهر: ٣)

بلا شبہ ہم نے انسان کو راستہ دکھایا، پھر وہ یا تو شکر گزار بنے یا ناشکرا اور منکر بنے۔

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا، فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا. (الشمس: ٧-٨)

قسم ہے انسانی جان کی، اور اس کی جس نے اسے سنوارا، پھر اس کے دل میں وہ بات بھی ڈال دی جو اس کے لئے بدکاری کی ہے، اور وہ بھی جو اس کے لئے پرہیزگاری کی ہے۔

ان دونوں آیات میں بتا دیا گیا ہے کہ انسان کو اختیار حاصل ہے، وہ اپنے لئے اچھا یا غلط جو چاہے راستہ اختیار کر سکتا ہے، اور اپنے نیک یا برے کام سے اپنی دنیا و آخرت سنوار یا بگاڑ سکتا ہے۔

انسان صرف اپنے کئے دھرے کا ذمہ دار ہوتا ہے، اور اسے صرف اپنے عمل کے بارے میں جواب دہ ہونا ہے، وہ دوسرے کے عمل کا مسئول اور ذمہ دار نہیں ہوتا، قرآن میں جا بجا اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے، سورۃ النجم میں ارشاد ہے:

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى، وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى،
وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى، ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى. (النجم: ٣٨-٤١)

کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، اور انسان کو خود اپنی کوشش و عمل کے سوا کسی اور چیز کا بدلہ لینے کا حق نہیں پہونچتا، اور انسان کی اپنی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی، پھر اس کا بدلہ اسے پورا پورا دیا جائے گا۔

آپ ﷺ کا انسانیت پر احسان عظیم ہے کہ آپ نے انسانیت کا اپنی فطرت پر اعتماد بحال کر دیا، ناامیدی کے بہ جائے امید کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھما دی، انسان کی مقفل صلاحیتوں کو اعتماد و اعتبار کی کلید عطا کر دی، اس میں نیا عزم و جوش، نیا ولولہ، اسٹیم اور یقین کی طاقت بھر دی، اس کے جمود کو حرکت سے تبدیل کر دیا، اسے خوب سے خوب تر کی جستجو کی راہ پر لگا دیا، اور شاعر کی زبان میں یہ جذبہ پیدا کر دیا کہ ؎

میں کہاں رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حدِ پرواز سے

محمد عربی ﷺ نے گناہ اور لغزش کو انسان کی عارضی حالت بتایا جس میں انسان اپنی نادانی اور نفس و شیطان کے جال میں پھنس کر مبتلا ہو جاتا ہے، آپ ﷺ نے واضح کر دیا کہ انسان کا اصل جوہر یہ ہے کہ جب بھی گناہ سرزد ہو جائے، اس پر نادم و پشیمان ہو کر توبہ کر لے۔

آپ ﷺ کا احسان ہے کہ آپ نے مایوسی اور گناہوں کے دلدل میں پھنسے ہوئے افراد کے لئے ''توبہ'' کا مقدس دروازہ کھول دیا، اسی لئے آپ ﷺ کو '' نبی التوبة'' بھی کہا جاتا ہے، آپ ﷺ نے توبہ کو صرف ''نافرمانی کی تلافی'' کے طور پر نہیں پیش کیا بلکہ اس کے ایسے فضائل و مراتب واضح فرمائے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی عبادت اور اللہ کے قرب، رضا اور محبوبیت کا بہت بڑا ذریعہ قرار پایا۔

قرآن وسنت کی تعلیمات اور صراحتوں کو دیکھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ وہاں گنہگاروں سے بیگانگی، بے زاری، اور نفرت کا اظہار نہیں بلکہ محبت، تعلق، ہمدردی اور اپنائیت کا اقرار ہے، قرآن کی ایک آیت میں جس کے لفظ لفظ سے محبت اور شفقت کے موتی بکھرتے نظر آتے ہیں، فرمایا گیا:

> قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيْعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ. (الزمر: ۵۳)
>
> کہہ دو کہ: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، یقین جانو اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

دوسرے مقام پر توبہ کرنے والوں کا ذکر متقی، جنتی، نیک اور کامیاب افراد کے زمرے میں فرمایا گیا ہے، سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

> وَسَارِعُواْ إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ، الَّذِيْنَ يُنفِقُونَ فِيْ السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ، وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُواْ فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُواْ أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُواْ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّواْ عَلَى مَا فَعَلُواْ وَهُمْ يَعْلَمُونَ، أُوْلَئِكَ جَزَآؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِيْنَ. (آل عمران: ۱۳۳-۱۳۶)
>
> اور اپنے رب کی طرف سے مغفرت اور وہ جنت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھاؤ جس کی چوڑائی اتنی ہے کہ اس میں تمام

آسمان اور زمین سما جائیں، وہ اُن پرہیز گاروں کے لئے تیار کی گئی ہے، جو خوشحالی میں بھی اور بدحالی میں بھی (اللہ کے لئے) مال خرچ کرتے ہیں، اور جو غصے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کر دینے کے عادی ہیں، اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بھی بیٹھتے ہیں یا (کسی اور طرح) اپنی جان پر ظلم کر گذرتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں- اور اللہ کے سوا ہے بھی کون جو گناہوں کی معافی دے؟- اور یہ اپنے کئے پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے، یہ ہیں وہ لوگ جن کا صلہ ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے، اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہوں گے، جن میں دائمی زندگی حاصل ہوگی، کتنا بہترین بدلہ ہے جو کام کرنے والوں کو ملنا ہے۔

قرآن کی ایک مستقل سورت "توبہ" کے نام سے موسوم ہو کر "سورۃ التوبۃ" کہلاتی ہے، اس سورت میں ایک مقام پر اللہ کے خاص نیک بندوں کے اوصاف حمیدہ کا ذکر ہوا ہے، ان میں سب سے پہلے "توبۃ" کا ذکر کیا گیا ہے:

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدونَ الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ. (التوبة: ١١٢)

اللہ سے جنت کا سودا کرنے والے یہ ہیں: توبہ کرنے والے، اللہ کی بندگی کرنے والے، اس کی حمد کرنے والے، روزے رکھنے والے، رکوع میں جھکنے والے، سجدے گزارنے والے، نیکی کی تلقین کرنے والے، اور برائی سے روکنے والے، اور اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنے والے۔

غزوۂ تبوک سیرت نبوی کا اہم باب ہے، اس غزوہ میں تین صحابۂ کرام (حضرت کعب

بن مالکؓ، حضرت ہلال بن امیہؓ حضرت مرارہ بن ربیعؓ) بغیر کسی عذر کے غیر حاضر رہے، سزا کے طور پر ان کا مقاطعہ ہوا، پچاس راتوں کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی اور سزا ختم ہوئی، اللہ نے قرآن میں ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا، اور اس موقع پر قرآن میں ان کے ذکر سے پہلے خود آپ ﷺ اور ان مہاجرین اور انصار کا ذکر ہوا جن سے اس موقع پر کوئی کوتاہی نہیں ہوئی تھی، چنانچہ فرمایا گیا:

> لَقَد تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالأَنصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيْمٌ، وَّعَلَى الثَّلاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُواْ حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّواْ أَن لاَّ مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلاَّ إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُواْ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. (التوبة:۱۱۷-۱۱۸)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور ان مہاجرین اور انصار پر جنھوں نے ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا، جب کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں، پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی، یقیناً وہ ان کے لئے بہت شفیق، بڑا مہربان ہے، اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی، ان کی زندگیاں ان پر دوبھر ہوگئیں، اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی، تو پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا، تاکہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رجوع کیا کریں، یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔

ایسا صرف اس لئے کیا گیا تاکہ ان تینوں توبہ کرنے والوں کو اپنی تنہائی اور کمتری کا احساس نہ ہو، ان کی عزت افزائی اور دلداری ہوجائے، اور ساتھ ہی قیامت تک قرآن پڑھنے والوں پر یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ ان تینوں کی اصل جگہ اور مقام وہی ہے جو صادقین اولین کا ہے۔

سیرت نبوی میں انسانیت کو مایوسی اورناامیدی سے باہر لانے اور امید ورجائیت کا آبِ حیات عطا کئے جانے کے بے شمار نمونے موجود ہیں، آپ ﷺ نے مایوسی کی فضا میں کبھی قرآن کی زبان میں یہ اعلان فرمایا:

وَلاَ تَيْأَسُواْ مِن رَّوْحِ اللّهِ إِنَّهُ لاَ يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللّهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ. (یوسف: ۸۷)

اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، یقین جانو، اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

کبھی یہ اظہار فرمایا:

وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلاَّ الضَّآلُّونَ. (الحجر: ۵۶)

اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون ناامید ہوسکتا ہے؟

قرآن میں اللہ نے اعلان فرمایا:

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ. (الاعراف: ۱۵۶)

میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔

حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے:

رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي. (مسلم: التوبة: باب فی سعة رحمة الله: ٦٩٧٠)

میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔

یہ بھی حدیث قدسی کے الفاظ ہیں:

يَاعِبَادِىْ إِنَّكُمْ تُخْطِؤُنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِي أَغْفِرْلَكُمْ. (مسلم: البر والصلة: باب تحريم الظلم: ٦٥٧٢)

اے میرے بندو! بلاشبہ تم رات و دن گناہ کرتے ہو، اور میں سارے گناہوں کو معاف کرنے والا ہوں، لہٰذا تم مجھ سے مغفرت کے طلب گار بن جاؤ، میں تمہیں معاف کردوں گا۔

آپ ﷺ نے اپنے ارشادات سے توبہ کی اہمیت اس طرح اجاگر فرمائی:

إِنَّ اللّٰه عَزَّوَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيْئُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِلِيَتُوْبَ مُسِيْئُ اللَّيْلِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا. (مسلم: التوبة: باب قبول التوبة الخ:٦٩٨٩)

بلاشبہ اللہ عزوجل اپنا دست رحمت رات میں دراز کرتا ہے تاکہ دن کے گنہ گار توبہ کرلیں، اور اپنا دست رحمت دن میں دراز کرتا ہے تاکہ رات کے گنہ گار توبہ کرلیں، یہ سلسلہ سورج کے پچھّم سے طلوع ہونے تک جاری رہے گا۔

كُلُّ بَنِى آدَمَ خَطَّاءٌ، وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ. (ابن ماجه: الزهد: باب ذكر التوبة: ٤٢٥١)

آدم کی اولاد میں (انبیاء کے سوا) سب خطا کار ہیں، سب سے بہتر خطا کار وہ ہوتے ہیں جو توبہ کرلیتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ. (ابن ماجه: الزهد: باب ذكر التوبة: ٤٢٥٣)

بلاشبہ اللہ عزوجل بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک نزع کا عالم شروع نہ ہوجائے۔

لَوْ أَخْطَأْتُمْ حَتّٰى تَبْلُغَ خَطَايَاكُمُ السَّمَاءَ، ثُمَّ تُبْتُمْ لَتَابَ عَلَيْكُمْ. (ابن ماجه: الزهد: باب ذكر التوبة: ٤٢٤٨)

اگر تم گناہ کرتے رہو یہاں تک کہ تمہارے گناہ اتنے زیادہ ہو جائیں کہ آسمان تک پہنچ جائیں، پھر تم توبہ کرلو، تو بھی اللہ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا۔

لِلْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ: سَبْعَةٌ مُغْلَقَةٌ وَ بَابٌ مَفْتُوحٌ لِلتَّوْبَةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا. (الترغيب والترهيب: ٨٩/٤)

جنت کے آٹھ دروازے ہیں: سات دروازے ابھی بند ہیں، اور توبہ کے لئے ایک دروازہ کھلا ہوا ہے جو سورج کے پچھّم سے طلوع ہونے تک کھلا رہے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ أَحَدِكُمْ مِنْهُ بِضَالَّتِهِ، إِذَا وَجَدَهَا. (ابن ماجه: الزهد: باب ذكر التوبة: ٤٢٤٧)

تم میں سے کوئی آدمی اپنی گمشدہ چیز پاکر جتنا خوش ہوتا ہے، بلاشبہ اللہ تمہاری توبہ پر اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔

التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَهُ. (ايضاً: ٤٢٥٠)

گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی طرح پاک ہو جاتا ہے۔

غامدیہ نامی ایک خاتون سے دورِ نبوت میں زنا کا جرم سرزد ہو جاتا ہے، سنگسار کیا جاتا ہے، پھر آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھاتے ہیں اور دفن کرتے ہیں، کسی مسلمان کی زبان سے ان خاتون کے لئے نامناسب الفاظ نکل جاتے ہیں، آپ ﷺ پوری قوت وصراحت کے ساتھ فرماتے ہیں:

لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ. (مسلم: الحدود: باب من اعترف على نفسه بالزنا: ٤٤٣٣)

اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے اگر یہ توبہ مدینہ کے ستر گنہگاروں میں

تقسیم کر دی جائے تو سب کی معافی کے لئے کافی ہو جائے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے دل و دماغ میں توبہ کی اہمیت، خود احتسابی کا مزاج، نیکی کی رغبت اور گناہ سے نفرت اور اپنے کو پاک کرنے کا جو طاقتور جذبہ بیدار کیا تھا اس کا بہت نمایاں مظہر حضرت غامدیہؓ کا یہ واقعہ ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی زبان میں پڑھیے:

> ”غامدیہ ایک ان پڑھ عورت تھیں، کسی دیہات کی رہنے والی، وہ ایک بار بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں، نہ کوئی دیکھنے والا تھا نہ سننے والا مگر ان کے دل میں ایک پھانس تھی جوان کو چین نہ لینے دیتی تھی، ان کو کھانے پینے میں مزا نہ آتا تھا، وہ کھانا کھاتیں تو ان کا دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، پانی پیتیں تو دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، ناپاک کا کیا کھانا کیا پینا؟ تمہیں پہلے پاک ہونا چاہئے، اس گناہ کی پاکی سزا کے بغیر ممکن نہیں، وہ خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں، اور تقاضا کرتی ہیں کہ ان کو پاک کر دیا جائے اور اس پر اصرار کرتی ہیں، یہ معلوم کر کے کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اس بچہ کا کیا قصور، اس کی جان تمہارے ساتھ کیوں جائے، جب یہ ہو جائے تب آنا، خیال کیجئے، ان کو ضرور اس میں کچھ عرصہ لگا ہوگا، کیا انہوں نے کھایا پیا نہ ہوگا، کیا زندگی نے خود ان سے تقاضا نہ کیا ہوگا، کیا خود کھانے پینے کی لذت نے زندگی کی رغبت نہ پیدا کی ہوگی اور ان کو یہ سمجھایا ہوگا کہ اب وہ حضور ﷺ کے پاس جانے کا ارادہ فسخ کر دیں، مگر وہ اللہ کی بندی پکی رہی اور عرصہ کے بعد بچہ کو لے کر آئی اور عرض کیا حضور میں اس سے فارغ ہو گئی، اب میری طہارت میں کیوں دیر ہو؟ فرمایا: نہیں نہیں، ابھی اس کو دودھ پلاؤ جب دودھ چھوٹے تب آنا، آپ کو معلوم ہے کہ اس کو دو برس ضرور لگے ہوں گے، یہ دو برس کیسی آزمائش کے تھے، نہ پولیس تھی، نہ نگرانی، نہ مچلکہ، نہ ضمانت، کتنے خیال اس کو آئے ہوں گے، بچہ کی معصوم صورت اس کو جینے کی دعوت دیتی ہوگی، اس کی مسکراہٹ زندگی کی خواہش پیدا کرتی ہوگی، اور بچہ اپنی زبانِ بے زبانی سے

کہتا ہوگا کہ اماں میں تو تیری گود میں پلوں گا اور تیری انگلی پکڑ کر چلوں گا، مگر اس کا ضمیر کہتا تھا، نہیں تیری ماں ناپاک ہے، اس کو سب سے پہلے پاک ہونا ہے، دل کا یقین کہتا تھا کہ احکم الحاکمین کے یہاں جانا ہے، وہاں کی سزا سخت ہے، وہ پھر حاضر ہوئی، روٹی کا ٹکڑا بچہ کے منہ میں ہے اور کہتی ہے: یا رسول اللہ دیکھئے اس بچہ کا دودھ بھی چھوٹ گیا اور وہ روٹی کھانے کے قابل ہو گیا ہے، اب میری پاکی میں کیا دیر ہے؟ آخر خدا کی اس سچی اور پکی بندی کو سزا دی جاتی ہے، اور حضور ﷺ خوشنودی کا پروانہ عطا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اس اکیلی کی توبہ اگر سارے مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لئے کافی ہو، **رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا و ارضاھا.**

میں پوچھتا ہوں کہ وہ کیا چیز تھی، جو بغیر ہتھکڑی بیڑی کے، بغیر مچلکہ وضمانت کے، بغیر پولیس کے اس کو کھینچ لاتی ہے اور سزا کے لئے اصرار کرواتی ہے، آج ہزارہا پڑھے لکھے قابل فاضل مرد اور عورتیں ہیں، جن کا علم اور نقصانات کا یقین ان کو غلط کام سے باز نہیں رکھ سکتا اور اچھے کام پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو یہی تینوں انمول موتی عطا کیے، علم صحیح، یقین کامل اور نیکی کا تقاضائے قلبی، دنیا کو نہ اس سے زیادہ قیمتی سرمایہ ملا، نہ کسی نے اس پر آپ ﷺ سے بڑھ کر احسان کیا"۔ (کاروان مدینہ: ۷۵-۷۶)

حضرت ماعز اسلمیؓ کا واقعہ اسی سے ملتا جلتا ہے، ان سے زنا کا جرم صادر ہوا تھا، اس قدر ندامت ہوئی کہ خود دربار رسالت میں حاضر ہوئے، اقرار جرم کیا، آپ ﷺ نے بہت ردوقدح کی، مگر وہ اعترافِ جرم پر مصر رہے، بالآخر سزا دی گئی، تدفین کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ. (مسلم، الحدود: باب من اعترف على نفسه بالزنا: ٤٤٣١)

انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ وہ پوری ایک گنہگار قوم میں تقسیم کر دی جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں:

”ایک رات عشاء کی نماز رسول اکرم ﷺ کی اقتداء میں پڑھ کر نکلا، دیکھا کہ ایک خاتون نقاب میں ملبوس راستے پر کھڑی ہے، اس نے کہا: ابو ہریرہ! مجھ سے بہت بڑا گناہ صادر ہوگیا ہے، کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ میں نے پوچھا: کیا گناہ ہوا ہے؟ وہ بولی کہ میں نے زنا کیا، اور زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کو بھی مار ڈالا، اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: تو خود بھی ہلاک ہوئی اور معصوم جان کو بھی ہلاک کیا، تیرے لئے توبہ کی گنجائش نہیں ہے، یہ سنتے ہی وہ عورت چیخ پڑی اور بے ہوش ہوکر گر پڑی، میں چلا گیا، دل میں سوچا کہ آپ ﷺ موجود ہیں، تو مجھے مسئلہ بتانے کی کیا ضرورت ہے؟ صبح کو میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا، پورا واقعہ بتایا، واقعہ سن کر آپ ﷺ نے بآواز بلند انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، اور فرمایا کہ تم خود ہلاک ہوئے اور اسے بھی ہلاک کردیا، کیا تم کو یہ آیتِ کریمہ معلوم نہ تھی، پھر سورۂ فرقان کی وہ آیات پڑھیں جن میں اللہ کے نیک بندوں کے اوصاف کا ذکر ہے، ان میں زنا نہ کرنے کا بھی بیان ہے، اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جو گناہ کرے گا وہ سزا پا کر رہے گا، پھر یہ بھی ارشاد ہے کہ جو گنہ گار بندے سچی توبہ کرلیں تو اللہ ان کے گناہوں کو اچھائیوں سے تبدیل کردے گا اور معاف کردے گا، یہ سن کر میں آپ ﷺ کی مجلس سے باہر آیا، میں حیران و پریشان مدینہ کی گلیوں میں اس عورت کو تلاش کرتا پھرا، ہر ملنے والے سے پوچھتا رہا، میری کیفیت دیکھ کر بچے مجھے دیوانہ کہتے رہے، آخر کار رات ہونے پر وہ عورت مجھے اسی جگہ ملی، میں نے اسے آپ ﷺ کی بات بتائی، اور یہ بتایا کہ اس کی توبہ قابل قبول ہے، یہ سن کر وہ عورت فرطِ مسرت سے رونے لگی، اور اپنا باغ محتاجوں کے لئے صدقہ کردیا“۔ (کتاب التوابین: ابن قدامہ مقدسی ۹۲-۹۳، بحوالہ تنبیہ الغافلین)

امام زہریؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! دروازے پر ایک نوجوان رو رہا ہے، جس نے میرے دل کو ہلا دیا ہے، فرمایا: عمر اسے اندر لے آؤ، وہ

نوجوان حاضر خدمت ہوا تو زار و قطار رو رہا تھا، نبی علیہ السلام نے پوچھا: تمہارے رونے کی کیا وجہ ہے؟ نوجوان نے کہا کہ میرے گناہوں کا بوجھ مجھے رلا رہا ہے، مجھے ڈر ہے کہ رب جبار مجھ پر بہت غضب ناک ہوگا۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: اے نوجوان! کیا تو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے، عرض کیا نہیں، پوچھا: کیا تو نے کسی جان کو ناحق قتل کیا ہے، عرض کیا نہیں، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ تیرے گناہوں کو معاف فرمادیں گے، اگرچہ وہ ساتوں آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں سے بڑھے ہوئے کیوں نہ ہوں؟ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تیرا گناہ بڑا ہے یا کرسی؟ اس نے کہا: میرا گناہ بڑا ہے، فرمایا تیرا گناہ بڑا ہے یا عرش بڑا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا گناہ بڑا ہے، فرمایا کہ: گناہ عظیم کو رب عظیم ہی معاف فرمائے گا، اچھا بتاؤ تمہارا گناہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! مجھے آپ سے حیا آتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بتاؤ؟

کہنے لگا کہ میں کفن چور تھا، سات سال تک یہی کام کرتا رہا، ایک دفعہ انصار کی نوجوان لڑکی فوت ہوئی، میں نے حسب عادت رات کو قبر کھودی اور کفن اتار کر چل دیا، تھوڑی دور گیا تو شیطان نے مجھ پر غلبہ پایا اور شہوت کو بھڑکا دیا، میں واپس گیا اور اس کے ساتھ زنا کیا، جب فارغ ہو کر اٹھنے لگا تو مجھے یوں لگا جیسے وہ لڑکی کہہ رہی ہے کہ اے بندۂ خدا! تجھے قیامت کے دن سزا جزا دینے والے پروردگار سے حیا نہیں آتی؟ تو مرنے والوں کے مجمع میں مجھے ننگی کر کے چل دیا، اور مجھے اللہ کے روبرو حالت جنابت میں حاضر ہونے پر مجبور کر دیا، یہ سن کر نبی علیہ السلام کے چہرے پر ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے، وہ نوجوان وہاں سے اٹھ کر چلا گیا، مدینہ منورہ کے باہر پہاڑوں کے درمیان چالیس دن تک روتا اور فریاد کرتا رہا، اپنے پروردگار سے توبہ کرتا رہا، اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سہارا نظر نہیں آ رہا تھا، چالیس دن رات خوب رو رو کر معافی مانگی، ایک مرتبہ آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگا: اے پروردگار! اگر آپ نے میری توبہ

قبول کرلی ہے تو نبی علیہ السلام کو اطلاع دے دیجئے، اگر توبہ قبول نہیں کی تو آگ بھیج کر مجھے دنیا میں ہی کوئلہ بنا دیجئے، مگر آخرت کے عذاب سے بچالیجئے۔

اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف سلام بھیجا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا وہ خود سلام ہیں، سلام کا مبدا اور منتہی وہی ہیں، جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ کیا مخلوق کو آپ نے پیدا کیا ہے؟ فرمایا مجھے بھی اور تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ کیا مخلوق کو آپ رزق دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی اور ساری مخلوق کو اللہ تعالیٰ رزق دیتے ہیں، عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ کیا بندوں کی توبہ آپ قبول کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اور تمام بندوں کی توبہ کو اللہ تعالیٰ ہی قبول کرتے ہیں، عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس نوجوان کی توبہ قبول کرلی، آپ بھی اس پر نگاہِ شفقت فرمایئے، نبی علیہ السلام نے نوجوان کو بلا کر توبہ قبول ہونے کی بشارت سنائی۔ (ملاحظہ ہو: حیا اور پاک دامنی ۳۵۸-۳۵۹)

ایسے نمونے اور مثالیں سیرت نبوی میں بے شمار ہیں، اور اس پر شاہد عدل ہیں کہ محسن انسانیت ﷺ اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں اپنے گفتار و کردار دونوں سے انسانیت کو مایوسی کی فضا سے نکال کر امید و رجاء کے سائے میں لاتے رہے اور توبہ کے مقدس دروازے کی طرف بلاتے رہے، اور اسی کا فیض تھا کہ بے شمار افراد کے دلوں میں امیدوں کی جوت بیدار ہوئی، وہ نادم و تائب ہوئے، اپنی تطہیر و تزکیہ کی طرف متوجہ ہوئے، اس طرح پورا معاشرہ تقدس مآب معاشرہ بنتا چلا گیا۔

جس نے بخشے زندگی کو حوصلے اور ولولے
وہ نظر صلِّ علیٰ: ٹوٹے ہوئے دل جڑ گئے

◆

(۵) حقیقی منزل کی رہنمائی

محسن کائنات جناب رسول اللہ ﷺ کا ایک احسان اور انقلابی کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے منزل مقصود سے غافل اور بے خبر انسان کو اس کی حقیقی منزل کی رہنمائی فرمادی، آپ ﷺ کی بعثت جس زمانے میں ہوئی، اس وقت صورت حال یہ تھی کہ انسان کا اصل نشانہ اور مطمحِ نظر دنیا کی لذتیں، دولت کے خزانے، جاہ واقتدار جیسی چیزیں تھیں، آپ ﷺ کا عظیم احسان ہے کہ آپ ﷺ نے انسان کو باخبر کیا کہ اس کی اصل منزل کیا ہے، اس کی صلاحیتوں کا اصل میدان کیا ہے اور اس کی کوششوں کا رخ اور نشانہ کیا ہونا چاہئے؟

آپ ﷺ نے قرآن کی زبان میں واضح کیا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. (الذاریات:٥٦)

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

بتایا گیا کہ انسان کا اصل مقصدِ حیات اللہ کی بندگی اور اس کو راضی رکھنے کی فکر ہے۔

آپ ﷺ نے قرآن کا یہ پیغام پوری قوت سے سنایا:

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ. (الانعام:٣٢)

اور دنیوی زندگی تو ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں، اور یقین جانو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان کے لئے آخرت والا گھر کہیں زیادہ بہتر ہے۔

وَما الْحَیَاۃُ الدُّنیَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ. (آل عمران:۱۸۵)

اور یہ دنیوی زندگی تو (جنت کے مقابلے میں) دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں۔

مَتَاعُ الدُّنیَا قَلِیلٌ وَالآخِرَۃُ خَیرٌ لِّمَنِ اتَّقَی وَلاَ تُظْلَمُونَ فَتِیلاً. (النساء:۷۷)

دنیا کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے، اور جو شخص تقویٰ اختیار کرے اس کے لئے آخرت کہیں زیادہ بہتر ہے، اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔

إِنَّمَا هَذِهِ الْحَیَاۃُ الدُّنیَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَۃَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ.

(المؤمن:۳۹)

یہ دنیوی زندگی تو بس تھوڑا سا مزہ ہے، اور یقین جانو کہ آخرت ہی رہنے بسنے کا اصل گھر ہے۔

آپ ﷺ نے انسانوں کو خطاب کیا اور اللہ کا یہ پیغام پہنچایا:

أَرَضِیتُم بِالْحَیَاۃِ الدُّنیَا مِنَ الآخِرَۃِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیَاۃِ الدُّنیَا فِی الآخِرَۃِ إِلَّا قَلِیلٌ. (التوبۃ:۳۸)

کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی پر راضی ہو چکے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو (یاد رکھو کہ) دنیوی زندگی کا مزہ آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَیَاۃَ الدُّنیَا، وَالْآخِرَۃُ خَیرٌ وَأَبْقَی. (الاعلیٰ:۱۶-۱۷)

لیکن تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالاں کہ آخرت کہیں زیادہ بہتر اور کہیں زیادہ پائیدار ہے۔

کَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَۃَ، وَتَذَرُونَ الْآخِرَۃَ. (القیامۃ:۲۰-۲۱)

خبردار! اصل بات یہ ہے کہ تم فوری طور پر حاصل ہونے والی چیز (یعنی

دنیا) سے محبت کرتے ہو، اور آخرت کو نظر انداز کئے ہوئے ہو۔

آپ ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو منزل مقصود آخرت کی فکر کی پر سوز دعوت دی، دنیا کی غلو آمیز محبت اور غفلت سے ڈرایا، آپ ﷺ نے اپنے ارشادات اور خطبوں میں بار بار یہی سبق دیا کہ: "**لا عَیشَ إِلَّا عَیشُ الآخِرَةِ**" (اصل زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے) اور اپنے عمل و کردار سے بھی یہی نقش چھوڑا۔

آپ ﷺ نے بتایا کہ دنیا آخرت کے مقابل اتنی ہی بے حیثیت ہے جتنا دریا کے مقابل انگلی پر لگا ہوا پانی (مسلم: الجنۃ: باب فناء الدنیا: ۷۱۹۷) اور دنیا کی قیمت اگر اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا (مشکوۃ المصابیح: الرقاق: ۵۱۷۷) اور دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے (مسلم: الزہد: باب الدنیا سجن المؤمن: ۷۴۱۷) اور دنیا سے محبت آخرت کے لئے مضر ہے۔

آپ ﷺ نے حکم دیا:

فَآثِرُوا مَا یَبْقَیٰ عَلَی مَا یَفْنَیٰ. (مشکوۃ المصابیح: الرقاق: ۵۱۷۹)

باقی رہنے والی آخرت کو فنا ہونے والی دنیا پر ترجیح دو۔

حضرت علیؓ کے اقوال میں ہے کہ تم دنیا کے بیٹے (اس سے چمٹنے والے) نہ بنو (مواعظ الصحابۃ: ۱۲۴) آپ ﷺ نے بار بار انسان کو ظاہر کے ساتھ باطن کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا، ۲۳ سال تک اس رخ پر محنت فرمائی اور اس کے نتیجے میں صدیوں سے سوئی ہوئی انسانیت بیدار ہو کر مصروف عمل ہوگئی، بعثت نبوی سے پہلے کا سماج اور آپ ﷺ کا تیار کیا ہوا سماج...... تقابل کیا جائے تو دونوں میں زمین و آسمان کا فرق محسوس ہوگا۔

غور کیا جائے: کل تک جو رہزن تھے وہ آج اچھے رہ رو بلکہ کامل رہبر بن جائیں، کل تک جن کی زندگیاں فسق و فجور کی نذر تھیں آج وہ اتنے بلند اور مقدس مقام تک پہنچ جائیں کہ صداقت اور پاکیزگی کو ان کی نسبت سے شرف ملنے لگے، کل تک جو مردہ تھے وہ آج زندہ ہی

نہیں دوسروں کو زندہ کرنے والے بن جائیں، اور کل تک جو ظلمتوں کے ڈسے ہوئے تھے وہ آج روشن ہی نہیں روشنی بکھیرنے والے بن جائیں، کیا دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کے سوا بھی کہیں مل سکتی ہے؟

ہر برائی کو دیا دیس نکالا جس نے
ڈگمگاتے ہوئے انساں کو سنبھالا جس نے
آدمیت کو نئے طرز پہ ڈھالا جس نے
کردیا مشرق و مغرب میں اجالا جس نے
اُسی انسان کو محبوبِ خدا کہتے ہیں
نام سنتے ہیں تو سب صلِّ علیٰ کہتے ہیں

❖

(٦) خواتین کی تکریم اور ان کے حقوق

حضور اکرم ﷺ کا ایک عظیم احسان یہ ہے کہ آپ نے خواتین کے ستم رسیدہ طبقے کو ان کا حقیقی وقار اور مقام عطا کیا اور ان کو ناانصافی، ظلم اور تحقیر کی فضا سے نکال کر عدل، مساوات اور عظمت کا ماحول بخشا۔

صنفِ نازک کو ملا عزت و حرمت کا مقام
اُس کا احسان ہے، دَین اُس کی، عنایت اُس کی

آپ ﷺ کی بعثت جن حالات میں ہوئی ان میں خواتین کا طبقہ سب سے زیادہ ستم رسیدہ اور مظلوم تھا، انہیں گناہ کا دروازہ اور سامانِ ننگ و عار سمجھا جاتا تھا، ہندو، یہودی اور عیسائی مذاہب، رومی، یونانی اور چینی تہذیبوں میں خواتین کی تحقیر و تذلیل کی ناقابل بیان کریہہ شکلیں موجود تھیں، خود جاہلیت کے عرب میں خواتین صرف میراث کے حق سے ہی محروم نہیں تھیں، بلکہ بچیوں کو زندہ در گور کرنے، انہیں ننگ و عار سمجھنے کا کلچر عام تھا، حد یہ ہے کہ خواتین ورثے میں تقسیم ہوتی تھیں۔

حضور اکرم ﷺ نے ان تمام لعنتوں اور مظالم کا خاتمہ فرمایا اور خواتین کو بے پناہ عزت وشرف سے نوازا، قرآن میں ایک مستقل سورت عورتوں سے منسوب ہوکر ''سورۃ النساء'' کہلائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور مقدس خاتون حضرت مریم کے نام پر مستقل ایک سورت نازل کی گئی، خواتین کے مستقل حقوق طے کیے گئے، انہیں مردوں کے برابر درجہ دیا گیا، فرمایا گیا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (البقرة:۲۲۸)

ان عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے (مردوں کو) اُن پر حاصل ہیں۔

اور:

إِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ. (مشكوة المصابيح:الطهارة: باب الغسل:٤٤١)

بلاشبہ عورتیں مردوں کی جنس سے ہیں (اور دونوں میں کامل مساوات ہے)۔

مرد و عورت دونوں کو فریق کے بجائے باہم رفیق و شریک بتایا گیا، دونوں کو ایک دوسرے کا تکملہ اور باہم باعثِ سکون و اطمینان قرار دیا گیا، اس طرح محبت و ایثار کے جذبات بیدار کئے گئے۔

قرآن کی آیات میں اعمال کی قبولیت، سعادت، نجات اور فلاحِ آخرت کے بیان میں مردوں کے ساتھ خواتین کا صراحت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے، ارشاد ہوا ہے:

وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتَ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُوْلَـئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلاَ يُظْلَمُونَ نَقِيْراً. (النساء: ١٢٤)

اور جو شخص نیک کام کرے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ مؤمن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

مزید فرمایا گیا:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّىْ لاَ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ. (آل عمران: ١٩٥)

چنانچہ ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی (اور کہا) کہ: میں تم

میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ. (النحل: ۹۷)

جس شخص نے بھی مؤمن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیا ہوگا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ہم اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور ایسے لوگوں کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ان کا اجر ضرور عطا کریں گے۔

سورۃ الاحزاب میں مختلف صفات حسنہ کے ذکر میں صاف صاف یہ انداز اختیار کیا گیا:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيراً وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً. (الاحزاب: ۳۵)

بیشک فرماں بردار مرد ہوں یا فرماں بردار عورتیں، مؤمن مرد ہوں یا مؤمن عورتیں، عبادت گذار مرد ہوں یا عبادت گذار عورتیں، سچے مرد ہوں یا سچی عورتیں، صابر مرد ہوں یا صابر عورتیں، دل سے جھکنے والے مرد ہوں یا دل سے جھکنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد ہوں یا صدقہ کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد ہوں یا روزہ دار عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد ہوں یا حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لئے اللہ نے

مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے۔

احادیث کا اس موضوع پر مطالعہ کیا جائے تو بلا مبالغہ سیکڑوں ہدایات موجود ہیں، خواتین کی تکریم، ان کے حقوق ادا کرنے اور ان کی تحقیر سے بچنے کے تعلق سے زبان نبوت سے بار بار احکام صادر ہوئے ہیں، سیرت میں موجود ہے کہ آپ ﷺ نے خواتین کی تعلیم کو اور اس کے مستقل نظم کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، آپ ﷺ نے ہر حیثیت سے خواتین کی عظمت اور اہمیت کو آشکارا فرمایا، آپ نے بتایا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے (مشکوۃ المصابیح: الادب: باب البر والصلۃ: ۴۹۳۹) انسان پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے، اس حوالے سے ماں کا حق باپ سے مقدم ہے (بخاری: الادب: باب من أحق الناس بحسن الصحبۃ: ۵۹۷۱) ماں کی نافرمانی اور تحقیر قیامت کی نمایاں علامتوں میں سے ہے (بخاری: الایمان: باب سوال جبریل الخ: ۵۰) ماں کو نظر انداز کر کے بیوی کو اس پر ترجیح دینا انتہائی بدنصیبی اور قیامت کی علامت ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: الفتن: باب اشراط الساعۃ: ۵۴۵۰)

بیٹیوں کے تعلق سے آپ ﷺ نے بے شمار ہدایات دی ہیں، فرمایا گیا کہ جس کے ہاں لڑکی پیدا ہو پھر وہ نہ تو اسے ایذا پہنچائے اور نہ اس کی ناقدری کرے اور محبت و برتاؤ میں لڑکوں کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ اس کے صلے میں اسے جنت عطا فرمائے گا (مشکوۃ المصابیح: الادب: باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق: ۴۹۷۹) اور جس پر بیٹیوں کی ذمہ داری ہو اور وہ حسن سلوک کے ساتھ یہ ذمہ داری نبھائے تو یہ بیٹیاں روز قیامت اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی (بخاری: الادب: باب رحمۃ الولد الخ: ۵۹۹۵) اور ایسا شخص جنت میں ضرور جائے گا (ترمذی: البر والصلۃ: باب ما جاء فی النفقات علی البنات: ۱۹۱۳) اور وہ قیامت میں مجھ سے بہت قریب ہوگا (مسلم: البر والصلۃ: باب فضل الاحسان الی البنات: ۶۶۹۵) آپ ﷺ نے تاکید کی کہ داد و دہش میں لڑکوں اور لڑکیوں میں مکمل برابری ضروری ہے، آپ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر داد و دہش کے معاملے میں ترجیح کی اجازت ہوتی تو میں لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ دیئے جانے کا حکم دیتا۔ (سنن سعید بن منصور: الفرائض: باب من قطع میراثا الخ: ۲۹۳)

آپ ﷺ نے اپنی بیٹیوں سے شفقت و محبت کا جو برتاؤ پوری زندگی رکھا وہ امت کے لئے واضح نمونہ ہے، منقول ہے کہ آپ ﷺ جب بھی سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لے جاتے، اور سفر سے واپسی پر سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے ملتے، (المستدرک: ۴۷۹۲) ان کی آمد پر ان کا پرتپاک خیر مقدم کرتے اور بر بنائے محبت کھڑے ہو جاتے۔ (مشکوۃ المصابیح: الادب: باب المصافحۃ والمعانقۃ: ۴۶۸۹)

آپ ﷺ نے بہنوں کے مستقل حقوق بیان فرمائے، اور اپنی رضاعی بہن کا پرتپاک خیر مقدم کر کے اور انہیں ہدایا سے نواز کر امت کے سامنے نمونہ پیش فرما دیا کہ بہنوں کا کیسا اکرام و لحاظ ہونا چاہئے۔ (الاستیعاب: ۴/ ۴۲۵)

بیویوں کے حقوق کے حوالے سے احادیث میں بے شمار ہدایات ملتی ہیں، آپ نے بار بار امت کو خبردار فرمایا کہ بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، ان سے اچھا سلوک کرو، ان کی تمام ضروریات پوری کرو (مسلم: النکاح: باب الوصیۃ بالنساء: ۳۶۴۴) ان سے نفرت مت کرو، اور ان کے کردار کے مثبت پہلوؤں کو ہمیشہ پیش نظر رکھو اور ناپسندیدہ باتوں کو نظر انداز کرو (ایضاً: ۳۶۴۵) سب سے کامل اسی کا ایمان ہے جس کا برتاؤ اپنے اہل خانہ کے ساتھ سب سے بہتر اور لطف و مودت کا ہو (مشکوۃ المصابیح: النکاح: باب عشرۃ النساء الخ: ۳۲۶۳) تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو، اور میں اپنی بیویوں کے لئے بہت اچھا ہوں۔ (ایضاً: ۳۲۵۲)

آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ حسن سلوک، محبت، لطف و مودت، حقوق کی ادائیگی اور جذبات کی رعایت کا جو معاملہ رکھا وہ امت کے لئے بہت روشن نمونہ ہے اور خواتین کی عظمت و مرتبت کا آئینہ دار ہے۔

اسلام میں خواتین کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار کسی موقع پر حضرت ابوذرؓ کی زبان سے حضرت بلالؓ کے لئے ایسے الفاظ نکل گئے جن کا تعلق حضرت

بلالؓ کی والدہ سے تھا، آپ ﷺ اس پر اس قدر ناراض ہوئے کہ آپ نے حضرت ابوذرؓ کے اس عمل کو جاہلانہ نخوت و کبر قرار دیا، چنانچہ حضرت ابوذرؓ نے عاجزی کے ساتھ معافی چاہی۔

(بخاری: الایمان: باب المعاصی من امر الجاہلیۃ: ۳۰، ومسند احمد)

آپ ﷺ نے خواتین کی عظمت بڑھاتے ہوئے فرمایا:

اَلْمَرْأَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَ ھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ.

عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس ذمہ داری کے بارے میں جواب دہ ہے۔ (بخاری: النکاح: باب قوا انفسکم الخ: ۵۱۸۸)

احادیث میں یہ صراحت بھی آئی ہے کہ شوہر کے مال میں اس کی اجازت سے اگر بیوی راہ خدا میں کچھ خرچ کرتی ہے تو اسے پورا اجر ملتا ہے۔ (بخاری: الزکوۃ: باب اجر المرأۃ الخ: ۱۴۴۱)

اسلام میں خواتین کے لئے پردے اور حجاب کا جو پورا نظام بنایا گیا ہے اور جس کا مفصل ذکر قرآن و سنت میں موجود ہے، وہ دراصل خواتین کے وقار و اعزاز میں اضافے کے لئے اور ان کے نسوانی مرتبہ کی حفاظت کے لئے ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا احسان عظیم ہے کہ آپ نے خواتین کو ان کے حقوق دلوائے، ان کا مرتبہ بحال کیا اور ان کو تذلیل و اہانت کی لعنت سے محفوظ فرمادیا، آپ ﷺ کو خطاب کر کے شاعر نے بجا کہا ہے۔

ذلیل تھی چار سمت عورت، اسے عطا کی، زہے عنایت
نقابِ عفت، حیا کی چادر، درود تم پر، سلام تم پر

دلائے سارے حقوقِ نسواں، لیا یتیموں کو زیرِ داماں
الم نصیبوں کے یار و داور، درود تم پر، سلام تم پر

* * *

(۷) دین اور دنیا کی وحدت

حضورا کرم ﷺ کا ایک احسان عظیم اور بے حد انقلابی کارنامہ دین اور دنیا کی وحدت کا عظیم اور مثالی تصور ہے جو آپ ﷺ نے پوری قوت سے پیش فرمایا، اسلام سے پہلے مذاہب میں دین اور دنیا کا بٹوارہ کیا جا چکا تھا، دین اور دنیا دو خانوں میں بانٹ دیئے گئے تھے، دین کے ساتھ دنیا کا حصول ناممکن اور دنیا کے ساتھ دین پر باقی رہنا محال قرار دے دیا گیا تھا، اور اس تقسیم نے قانون فطرت کے خلاف باغیانہ جنگ برپا کر رکھی تھی، صورت حال یہ بنادی گئی تھی کہ نکاح کو معیوب اور تجرد (بے نکاحی زندگی) کو قرب الٰہی کے لئے ضروری سمجھا جا رہا تھا، مرد وعورت کے فطری تعلق کو ہر صورت میں جرم قرار دیا جاتا تھا، کسب معاش کو خلاف دین باور کیا جاتا تھا، اور رہبانیت کے غلبے کا وہ دور بھی دنیا دیکھ چکی تھی جس میں نہانے دھونے، صاف لباس زیب تن کرنے اور خوشبو استعمال کرنے تک کو دین کے خلاف بتا دیا گیا تھا۔

بطور خاص عیسائیت نے تو پوری دنیا کو دو دھڑوں میں بانٹ دیا تھا، ایک دھڑا دین داروں اور دوسرا دنیا داروں کا بنا دیا گیا تھا، دونوں دھڑوں میں پر تشدد مقابلہ آرائی تھی، ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ دین اور دنیا باہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں، اگر کوئی ایک سے متعلق ہے تو لازماً اسے دوسرے سے جنگ ونفرت کرنی ہوگی، معاشی خوشی حالی دین کے ساتھ نہیں مل سکتی، حکومت وسلطنت دین سے الگ رہ کر ہی حاصل ہو سکتی ہے، اور اللہ کی رضا اور قرب رہبانیت اور ترکِ دنیا کے بغیر نہیں مل سکتے، اس تفریق کا منطقی انجام الحاد، بے دینی، نفس پرستی، جنگ، نفرت اور فطرت سے بغاوت کی بھیانک شکلوں میں ظاہر ہوا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کا احسان عظیم ہے کہ آپ نے دین و دنیا کی اس تفریق کو ختم کر دیا اور رہبانیت، ترک دنیا اور دین و دنیا کی تقسیم کے تصورات کا خاتمہ فرما کر دنیا کو یہ تعلیم دی کہ احکام الٰہی کے حدود میں رہتے ہوئے دنیا سے نفع اٹھانا بھی دین میں شامل ہے، آپ ﷺ نے یہ فکر دی کہ دین ترک دنیا کا نہیں، بلکہ دنیا سے نفع حاصل کرنے میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز ملحوظ رکھنے کا نام ہے۔

آپ ﷺ کی شریعت اور طریق میں نکاح کی تلقین، نکاحی زندگی کی اہمیت، تجرد اور بے نکاحی زندگی کے مضر پہلوؤں کا بیان، اسی طرح کسب معاش کی تاکید اور اس کے فرض ہونے کی صراحت، نظافت اور صفائی اور ماحولیات کو درست رکھنے کی تاکید، یہ سب وہ امور ہیں جو دین اور دنیا کی وحدت کا واضح ثبوت ہیں، شریعت محمدی میں عقائد سے لے کر اخلاق تک کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو انسانی فطرت کے تقاضوں کے خلاف ہو، اور انسانی فطرت کے جو تقاضے اور داعیے ہوتے ہیں آپ ﷺ کی شریعت میں ان سب کو جائز رکھا گیا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ تین صحابۂ کرام (حضرت علیؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ) آپ ﷺ کی عبادات کی تفصیل معلوم کرنے کی غرض سے آپ ﷺ کے گھر حاضر ہوئے، ازواج کی زبانی بتایا گیا کہ آپ کا معمول رات میں سونے کا بھی ہے اور تہجد کے لئے بیداری کا بھی، مہینے میں کچھ ایام آپ نفل روزے رکھتے ہیں اور باقی ایام بغیر روزے کے رہتے ہیں، ان صحابہ کے تصور میں یہ تھا کہ آپ مستقل روزے رکھتے ہوں گے اور رات بھر بیدار رہتے ہوں گے، اب معمول اس کے خلاف نکلا تو انہوں نے بے اختیار کہا:

أَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَ مَا تَأَخَّرَ.

کہاں ہم اور کہاں حضور اکرم ﷺ؟ اللہ نے تو آپ ﷺ کے اگلے پچھلے سارے قصور بخش دیئے ہیں۔

پھر ان میں سے ایک نے عہد کیا:

أَمَّا أَنَا فَأُصَلِّيَ اللَّيْلَ أَبَدًا.

میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھوں گا۔

دوسرے نے کہا:

أَنَا أَصُومُ النَّهَارَ أَبَدًا وَلا أُفْطِرُ.

میں ہر دن بلا ناغہ روزہ رکھوں گا۔

تیسرے نے طے کیا:

أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلاَ أَتَزَوَّجُ أَبَدًا.

میں عورتوں سے الگ رہوں گا، کبھی شادی نہیں کروں گا۔

آپ ﷺ کو یہ تفصیل معلوم ہوئی تو آپ نے ان تینوں سے فرمایا:

أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّيْ أَصُومُ وَأُفْطِرُ وَأُصَلِّيْ وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ. (مشكوة المصابيح: باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ١٤٥)

سنو! خدا کی قسم میں تم سب میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور پرہیز گار ہوں، مگر میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، تہجد پڑھتا بھی ہوں اور رات میں سوتا بھی ہوں، اور خواتین سے نکاح کرتا ہوں، جو میرے اس طریقے سے اعراض کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

اس طرح آپ ﷺ نے دین اور دنیا کی تقسیم ختم کردی، اور دین و دنیا کے تضاد کے نظریے پر روک لگا کر پوری انسانی زندگی کو ایک مقدس عبادت میں تبدیل کردیا، اور انسانیت تک یہ پیغامِ حق پہنچادیا کہ تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے، خدا کی رضا جوئی کے جذبے سے انجام پانے والا بڑے سے بڑا دنیاوی عمل دین ہے، سیاست ہو یا تجارت، حکومت ہو یا اقتدار،

جنگ ہو یا صلح، محنت و مزدوری کا کام ہو یا معاشرتی اور ازدواجی ذمہ داریاں، یہ سب -اگر نیت خالص، جذبہ درست اور ارادہ نیک ہو- اعلیٰ درجہ کا کارِ ثواب ہے، اس کے برخلاف بڑی سے بڑی عبادت اور دین سمجھے جانے والے اعمال اگر نیت خالص اور جذبہ درست نہ ہو، اللہ کے نزدیک مکھی اور مچھر کے پر کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتے، آپ ﷺ نے واضح فرما دیا ہے کہ اللہ ورسول کی رضا جوئی کے جذبے کے بہ جائے دنیا کے حصول یا عورت سے نکاح جیسے مقاصد سے انجام پانے والا ہجرت جیسا قربانی والا عمل بھی بیکار اور نا قابل اعتبار ہے (بخاری: الوحی: ۱) اور اعلاء کلمۃ الحق کے جذبے کے بہ جائے تعصب، غیرت، شہرت اور ناموری کے جذبات سے کیا جانا والا جہاد بھی اللہ کے ہاں نا قابلِ قبول ہے۔ (بخاری: الجہاد: باب من قاتل الخ: ۲۸۱۰)

بقول شاعر ؎

مرے سرکار ہیں دونوں جہاں کے واسطے رحمت
شریعت آپ کی ہے دین اور دنیا کی یک جائی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے ایک خطاب میں ''دین میں دنیاداری اور دنیا میں دین داری'' کے حوالے سے فرمایا:

> ''ایک بزرگ نے کسی شخص کو طواف میں بہت آہ وزاری کرتے دیکھا، وہ الحاح وزاری کے ساتھ دعا کر رہا تھا، اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر مانگ رہا تھا، اس کے آنسو ایسے رواں تھے کہ ہر شخص اس کی حالت دیکھ کر متاثر تھا، لیکن جب انہوں نے اس کے قلب پر نظر کی تو اس میں ذرہ بھر بھی خدا کی یاد کی لگن اور استحضار نہیں پایا، انہیں بزرگ نے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا جس کی دکان پر گاہکوں کی ایسی بھیڑ تھی کہ سلام کے جواب اور سر اٹھانے کی مہلت اسے نہیں ملتی تھی، لیکن اس کا قلب یادالٰہی سے معمور تھا، ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی دکانداری اسے اللہ سے غافل نہ ہونے دیتی ''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ'' (النور: ۳۷) ذہن دینی ہو

تو دنیا بھی دین بن جائے گی اور اگر ذہن غیر دینی ہے تو خالص دینی خدمت بھی پکی دنیاداری ہوگی‘‘۔ (تحفۂ انسانیت: ۲۰۲)

قرآن مجید میں آپ ﷺ کے واسطے سے تمام اہل ایمان کو حکم دیا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً. (البقرة: ۲۰۸)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ. (آل عمران: ۱۰۲)

اور خبردار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے، بلکہ اسی حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو۔

ان آیات سے یہ سبق دیا گیا ہے کہ یہ دین اپنی جامعیت میں اپنی مثال آپ ہے، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاقیات، سماجیات، معاشیات اور معادیات سب اس دین کے دائرے میں ہیں، کسی اور نظام کی پیوندکاری اس دین میں کبھی نبھ ہی نہیں سکتی، ایسا نہیں ہوسکتا کہ عقائد آپ ﷺ سے لے لئے جائیں اور معاملات و معاشرت یورپ سے لے لئے جائیں، یا دین کو عبادتوں میں محدود کر کے عبادتیں آپ ﷺ سے لے لی جائیں، باقی معاشیات و سماجیات میں ہم غیروں کے غلام اور نقال بن کر رہ جائیں۔

محمد عربی ﷺ نے دین و دنیا کی وحدت کا اعلان فرما کر مؤمن کی زندگی کو کامل وحدت عطا فرمادی، اور دین و دنیا کی تقسیم کے تصور سے نکال کر دنیا اور آخرت کے حسنہ کی طلب و دعا کی سمت میں لگا دیا اور یہ صدا بلند کردی:

قُلْ إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، لاَ شَرِيْكَ لَهُ. (الانعام: ۱۶۲)

کہہ دو کہ: بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ

کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے تاجر و درویش، امیر و غریب، مجاہد و عابد سب کو ایک صف میں کھڑا کر دیا، اور دین و دنیا میں، عبادت و سیاست میں، ذکر و تسبیح اور تیر و تفنگ میں بے نظیر وحدت پیدا کر دی ؎

دین و دنیا یکجا کر کے راز ترقی کے سمجھائے
یہ بھی رحمت وہ بھی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

اور ؎

دین و دنیا کو بہم جس نے سمویا وہ رسول
جس نے باطل کے سفینے کو ڈبویا وہ رسول

مالکِ کل تھا مگر خاک پہ سویا وہ رسول
فکرِ امت میں نمازوں میں جو رویا وہ رسول

آج تک جس کے نشاناتِ قدم روشن ہیں
اُس کے جلوؤں سے عرب اور عجم روشن ہیں

◆

(۸) علمی و تعلیمی انقلاب

سرور کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم احسان اور انقلابی کام علم کی حوصلہ افزائی اور عزت افزائی ہے، آپ ﷺ کے امتیازات میں ہے کہ آپ نے دین اور علم کے درمیان انتہائی مستحکم، اٹوٹ اور پاکیزہ ربط قائم فرمادیا، آپ کی بعثت جس معاشرے میں ہوئی تھی وہ اپنی جہالت کو اپنا سرمایۂ افتخار سمجھتا تھا، اور انتہائی فخر کے ساتھ اپنے ''اُمّی'' (ناخواندہ) ہونے کا اظہار کرتا تھا، آپ ﷺ کا یہ احسان عظیم ہے کہ اس ماحول میں آپ نے تعلیم و تعلم کی نہ صرف قدر افزائی اور حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ ہر قسم کی تفریق و امتیاز کے بغیر علم کو سب کے لئے عام فرمادیا، پہلی وحی کے جو بول آپ ﷺ پر اتارے گئے ان میں علم و قلم ہی کو اساس بنایا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے:

> اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ، الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ. (العلق: ۱–۵)
>
> پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کو اس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اس وحی کے ذریعہ یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ کا آخری نبی جس عہد میں مبعوث کیا جا رہا

ہے وہ علم وتحقیق کا عہد ہے، اسے علم ومعرفت کا نبی بنا کر مبعوث کیا جارہا ہے، اس کا لایا ہوا انقلاب وہ جامع انقلاب ہوگا جو علمی بھی ہوگا اور عملی بھی، اصلاحی بھی ہوگا اور تربیتی بھی، تہذیبی بھی ہوگا اور فکری بھی، جو دل ودماغ کو، فکر ونظر کو، شعور وسراپا کو، قلب وقالب کو، ظاہر وباطن سب کو بدل کر رکھ دے گا، واضح کیا جارہا ہے کہ یہ نبی اس پوری کائنات کو علم ومعرفت کے ایک نئے دور میں لے جائے گا، حکم دیا جارہا ہے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. (العلق: ١)

مقام غور ہے، پڑھنے کا حکم ہے، مگر یہ متعین نہیں کیا جارہا ہے کہ کیا پڑھئے؟ گویا سمجھایا جارہا ہے کہ وہ سب کچھ پڑھئے، جو آپ کے لئے، انسانیت کے لئے، کائنات کے لئے نفع بخش ہو، اسی لئے آپ ﷺ کی دعا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْماً نَافِعاً. (مشکوۃ المصابیح: الدعوات: باب جامع الدعاء: ٢٤٩٨)

خدایا: میں آپ سے نفع بخش علم مانگتا ہوں۔

اور یہ دعا بھی منقول ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ. (مشکوۃ المصابیح: الدعوات: باب الاستعاذۃ: ٢٤٦٠)

اے اللہ! میں ایسے علم سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو۔

پہلی وحی کے ذریعہ یہ پیغام دیا جارہا ہے کہ آخری پیغمبر علیہ السلام کا لایا ہوا دین اور نظام علوم وفنون کے باب میں بے حد وسیع النظر اور فراخ دل ہے، ہر وہ علم وفن جو انسانیت کے مفاد میں ہو، جس سے کائنات کا نفع وابستہ ہو، اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ اس کا سرا اللہ کے نام اور نظام سے جڑا ہوا ہو، یہ متعین نہیں کہ کیا پڑھنا ہے، ہر نفع بخش چیز پڑھی جاسکتی ہے، ہاں یہ متعین ہے کہ جو کچھ پڑھا جائے، وہ اللہ کی وحدانیت، اس کی ذات

وصفات واسماء وقدرت پر کامل یقین اور صحیح عقیدہ کے ساتھ پڑھا جائے۔

ارشاد نبوی ہے:

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا. (مشكوة المصابيح: كتاب العلم: ٢١٦)

علم وحکمت کی بات صاحب ایمان کی متاع گمشدہ ہے، لہٰذا جہاں سے بھی علم ملے، صاحب ایمان اس کو حاصل کرنے کا سب سے بڑھ کر حقدار ہے۔

علم کی بات جہاں سے ملے اس کی طرف ایسی لپک ہونی چاہئے جیسی لپک اپنی گم شدہ دولت کے لئے انسان میں ہوتی ہے، واقعہ یہی ہے کہ؎

محمد مصطفیٰ کے مکتبِ عرفاں سے ملتی ہے
خرد مندی، فراست، حکمت و تدبیر و دانائی
نگاہوں کو بصیرت دی، دلوں کو زندگی بخشی
کسی کو کب میسر ہے یہ اندازِ مسیحائی

پہلی وحی کی مذکورہ آیات میں قلم کے ذریعۂ تعلیم ہونے اور اس کی عظمت کا ذکر فرما کر کتابی تعلیم کی دعوت دی گئی ہے، اور ’’**مَالَمْ يَعْلَمْ**‘‘ کے ذریعہ قیامت تک آنے والے سائنسی علوم وایجادات کی طرف بھی اشارہ کردیا گیا ہے، اور یہ بتادیا گیا ہے کہ:

> ’’آپ ﷺ کا دور نبوت علمی انکشافات کا دور ہوگا، اور بہت سی انجانی چیزیں اس میں جانی جائیں گی، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انسانیت کے آغاز سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی نبوت تک جو طویل عرصہ گذرا ہے، اس کے مقابلے میں نبوت محمدی کے گذرے ہوئے دور یعنی گذشتہ پندرہ سو سال کے عرصے میں علم کے مختلف میدانوں میں بے حد ترقی ہوئی ہے اور ابھی بھی ترقی کا سفر جاری ہے۔‘‘ (آسان تفسیر قرآن مجید: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ۲/۹۲۶)

حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ اس دنیا میں علم کا روشن چراغ بن کر تشریف لائے اور آپ نے جہالت و ضلالت کی تمام نحوستوں کو ختم فرمایا۔

ان کو محبوب خدا نورِ مجسم کہئے
ان کو زخمِ دلِ انسان کا مرہم کہئے

نازشِ آدم و فخرِ بنی آدم کہئے
کچھ نہ کہئے تو انہیں رحمتِ عالم کہئے

ان سے ہی خاتمۂ جہل بد انجام ہوا
علم و حکمت کا زمانے میں چلن عام ہوا

قرآن میں بھی آپ کی شخصیت کے جس پہلو کو سب سے زیادہ نمایاں کیا گیا ہے وہ ''مُعَلِّمْ'' (علم کو عام کرنے والا) کا پہلو ہے، آپ ﷺ کا جو مشن قرآن میں بار بار ذکر ہوا ہے اس میں ''تعلیم و تربیت'' ہی کو اساس بنایا گیا ہے، چنانچہ سورۃ الجمعہ میں ارشاد ہوا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْأُمِّیِّیْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ. (الجمعة: ٢)

وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور ان کو پاکیزہ بنائیں، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں۔

غور کیا جائے تو یہاں چار مقاصد کا ذکر ہے: (۱) قرآن کی آیات کی تلاوت (۲) تزکیہ و تربیت (۳) قرآن کے معانی اور احکام کی تعلیم (۴) حکمت (سنت) کی تعلیم۔

ان چاروں کا خلاصہ تعلیم و تربیت ہی ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں اپنا تعارف یوں کرایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا. (مشكوة المصابيح: العلم: ٢٥٧)

مجھے علم کی دولت عام کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اور:

إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي. (بخاری: العلم: باب من يرد الله الخ: ٧١)

میں تو بس علوم کو تقسیم کرنے والا ہوں، علم اور فہم عطا کرنے والا اللہ ہے۔

بلکہ آپ ﷺ نے اپنا طریقۂ زندگی بتاتے ہوئے سب سے پہلے فرمایا:

اَلْمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِيْ وَالْعِلْمُ سِلَاحِيْ. (الشفاء: قاضی عياض: ١٢٨/١)

معرفت میرا اصل سرمایۂ زندگی ہے اور علم میرا ہتھیار ہے۔

روایات میں مذکور ہے کہ ایک بار آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں دو الگ الگ مجلسیں دیکھیں، ایک مجلس علم کی تھی، دوسری عبادت اور دعا کی، آپ ﷺ نے فرمایا:

كِلَاهُمَا عَلَى خَيْرٍ، وَأَحَدُهُمَا أَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهِ، أَمَّا هَؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ إِلَيْهِ، فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ، وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ، وَأَمَّا هَؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ أَوِ الْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ أَفْضَلُ، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا. (مشكوة: العلم:٢٥٧)

یہ دونوں خیر پر قائم ہیں، مگر ایک دوسرے سے افضل ہے، پہلا گروہ اللہ سے دعا مانگ رہا ہے اور اللہ کی طرف متوجہ ہے، اگر اللہ چاہے تو اسے عطا کرے، اور اگر چاہے تو عطا نہ کرے، اور دوسرا گروہ علم سیکھنے اور سکھانے میں مصروف ہے، لہٰذا وہ افضل ہے، مجھے بھی معلم ہی بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔

پھر آپ اسی مجلس علم میں شریک ہوئے اور اپنے قول وعمل سے علم کی اہمیت اور افضلیت ثابت فرمادی۔

آپ ﷺ نے علم کی حوصلہ افزائی کو اپنا ہمہ وقتی مشن قرار دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے:

(۱) علم کو انتہائی قابل رشک نعمت و دولت قرار دیا۔ (مشکوۃ: العلم: ۲۰۲)

(۲) آپ ﷺ نے واضح فرمایا:

مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ فِیْهِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِیْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ. (ایضاً: ۲۱۲)

جو حصول علم کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ اسے جنت کے راستے پر چلاتا ہے یعنی اس کو علم عطا کرتا ہے پھر توفیقِ عمل سے نواز کر علم و عمل کو قبول کرتا ہے اور جنت کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔

(۳) آپ ﷺ نے علماء کو انبیاء کا وارث اور علم کو نبوت کا ورثہ قرار دیا۔ (ایضاً)

(۴) فرمایا کہ عالم کے لئے کائنات کی ہر مخلوق حتی کی چیونٹیاں اور مچھلیاں بھی دعائے رحمت و خیر کرتی ہیں۔ (ایضاً)

(۵) علم کے طالب کے جذبے سے راضی ہو کر فرشتے اس کی راہ میں پر بچھاتے ہیں۔ (ایضاً)

(۶) علم کے مشغلے میں لگے رہنے والے نفل عبادتوں میں لگے رہنے والوں سے ایسے ہی افضل ہیں جیسے چودھویں کا چاند ستاروں سے اور آپ ﷺ ادنیٰ امتی سے افضل ہیں۔ (ایضاً: ۲۱۲-۲۱۴)

(۷) آپ ﷺ نے صاف صاف اعلان فرما دیا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ.

علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمے فرض ہے۔ (ایضاً: ۲۱۸)

اس طرح واضح کر دیا کہ اہل ایمان کے معاشرے میں جہالت بالکل ناقابل قبول ہے اور صد فیصد تعلیم ضروری ہے۔

(۸) آپ ﷺ نے بتایا کہ علم کا حصول ماضی کے گناہوں کا کفارہ ثابت ہوتا ہے۔ (ایضاً: ۲۲۱)

(۹) اور راہِ علم کا مسافر اللہ کے راستے کا مسافر ہوتا ہے۔ (ایضاً: ۲۲۰)

(۱۰) اور جسے طلب علم کی راہ میں موت آجاتی ہے اس کا مقام جنت میں انبیاء سے بالکل متصل ہوتا ہے۔ (ایضاً: ۲۴۹)

(۱۱) اور جو علم کی طلب میں لگا رہے پھر اسے علم حاصل ہو جائے، اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور جسے حاصل نہ ہو سکے تو بھی اسے جذبۂ طلب کا اجر ملتا ہے۔ (ایضاً: ۲۵۳)

(۱۲) اور علم حاصل کر کے اسے عام کرنے والا میرے بعد امت کا سب سے فیاض انسان ہے جسے روز قیامت تنہا ایک امت ہونے کا اعزاز میسر ہوگا۔ (ایضاً: ۲۵۹)

آپ ﷺ کے قلب اطہر پر جو قرآن نازل ہوا اس میں جا بجا علم کی عزت افزائی اور علماء کی عظمت کا ذکر ملتا ہے، پہلی وحی کا اصل عنوان ہی علم و قلم کی عظمت ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی علماء اور علم کے مقام بلند کا ذکر کہیں اس طرح ہوا:

شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ وَالْمَلاَئِكَةُ وَأُولُواْ الْعِلْمِ قَآئِمَاً بِالْقِسْطِ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. (آل عمران: ۱۸)

اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی ہے، اور فرشتوں اور اہل علم نے بھی، کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے انصاف کے ساتھ (کائنات کا) انتظام سنبھالا ہوا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جس کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل۔

کہیں فرمایا گیا:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ. (المجادلة: ۱۱)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے، اللہ ان کو درجوں میں بلند کرے گا۔

کبھی ارشاد ہوا:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ. (فاطر: ۲۸)

اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

اور کبھی فرمایا گیا:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ. (الزمر: ۹)

کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟

اور کبھی اس دعا کی تلقین کی گئی:

وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْماً. (طه: ۱۱٤)

اور آپ کہئے: میرے پروردگار! مجھے علم میں اور ترقی عطا کر۔

سیرت نبوی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں رہتے ہوئے ہی آپ ﷺ نے آئندہ مرکز اسلام بننے والے مدینہ کے لئے ایک بنیادی کام یہ انجام دیا کہ بیعت عقبۂ اولیٰ (جو ۱۲؍نبوی کے حج کے موقع پر ہوئی تھی) کے بعد اپنے فدا کار صحابی حضرت مصعب بن عمیرؓ کو معلم و مدرس بنا کر تعلیمی و تربیتی مشن کی تکمیل کے لئے مدینہ بھیجا، ہجرت کے پورے تیرھویں سال حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اپنے تعلیمی، تربیتی اور تبلیغی مجاہدات سے ایک انقلابی لہر پیدا کر دی تھی، اس انتظام کے ذریعہ آپ ﷺ نے یہ پیغام عام کیا تھا کہ یہ امت اگر علم و معرفت سے دور اور ناواقف رہے گی، اپنا وجود، وقار اور امتیاز کھو بیٹھے گی۔

پھر ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے اولین کام یہ کیا کہ مسجد نبوی کی تعمیر کی، اور اسی کے صحن کے شمالی گوشے میں ایک ہموار چبوترہ بنوایا جس پر کھجور کے پتوں کا سائبان تھا، اسے صفہ کا نام دیا گیا، اور یہی چبوترہ پہلا مدرسہ اور پہلی درسگاہ اور بعد میں قائم ہونے والے تمام مدارس اور درس گاہوں کا نقطۂ آغاز قرار پایا۔

اس طرح آپ ﷺ نے مسجد کو عبادت گاہ کے ساتھ عظیم تعلیمی مرکز کی حیثیت بھی بخشی،

ایک موقع پر فرمایا:

> مَنْ جَاءَ مَسْجِدِیْ هَذَا لَمْ يَأْتِ إِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ أَوْ يُعَلِّمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى مَتَاعِ غَيْرِهِ. (مشكوة المصابيح: الصلوة: المساجد: ٧٤٢)
>
> جو میری اس مسجد میں صرف اس لئے آئے کہ وہ خیر سیکھ لے یا سکھا دے تو وہ راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کے درجے میں ہے، اور جو اس کے علاوہ کسی اور (غلط) مقصد سے آئے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو دوسرے کے سامان پر للچائی ہوئی نظر رکھتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک دن انہوں نے مدینہ کے بازار میں اعلان کیا کہ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، حیرت ہے کہ تم لوگ اپنا حصہ لینے نہیں جا رہے ہو، لوگ تیزی سے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے، مگر وہاں کوئی دولت تقسیم نہ ہوتی دیکھ کر حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا کہ ہم تو مسجد نبوی میں گئے تھے مگر وہاں تو کوئی میراث تقسیم نہیں ہو رہی تھی؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا: تم نے وہاں کیا دیکھا؟ لوگوں نے جواب دیا: کچھ لوگ نماز ادا کر رہے تھے، کچھ لوگ قرآن پڑھ رہے تھے، کچھ لوگ حلال وحرام کے بارے میں مذاکرہ اور گفتگو کر رہے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: تمہارا بھلا ہو، یہی علم تو رسول اللہ ﷺ کی میراث ہے۔ (الترغیب والترہیب: ۱/ ۵۸)

حضور اکرم ﷺ کے معلمانہ اسلوب وطریق کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ آپ نے (۱) عام فہم انداز گفتگو (۲) مخاطب کی ذہنی صلاحیت واستعداد کی کامل رعایت (۳) تدریج کے حکیمانہ اصول کا لحاظ (۴) جبر واکراہ کے بجائے ترغیب وتشویق (۵) مخاطب کو اکتاہٹ میں ڈالنے کے بجائے اس کے نشاط کا پاس (۶) کامل شفقت ونرمی (۷) حکمت وسہولت (۸) مخاطب کی نفسیات اور مزاجی کیفیات کی رعایت (۹) اپنے عملی نمونے سے تطبیق (۱۰) افراط وتفریط اور غلو

کے بجائے اعتدال وتوازن (۱۱) اختصار وجامعیت (۱۲) دل نشین تمثیلی اسلوب کا التزام، جیسے بیش قیمت اصول ہمیشہ ملحوظ رکھے اور تعلیمی قافلے سے وابستہ تمام افراد کے لئے ان اصول کی رعایت ضروری قرار دے دی، اس کے ساتھ آپ ﷺ نے تعلیم کو عام فرما کر اس میں اجارہ داری کے جاہلانہ تصور کا خاتمہ فرمادیا اور آزاد و غلام، مرد و عورت، چھوٹے بڑے ہر ایک کے لئے علم کے دروازے یکساں طور پر کھول دیئے، فضولیات اور بے جا سوالات و مباحثات کا دروازہ بند کر کے علم میں مقصدیت کو لازم قرار دے دیا، اور معلم کو وقار، تواضع، اخلاص، سادگی اور حتی المقدور بلا معاوضہ خدمت کی ترغیب دی۔

پوری انسانیت پر آپ ﷺ کا یہ احسان عظیم ہے کہ آپ نے علم وتحقیق کی بند راہیں کھولیں، اوہام کے پردے چاک کر دیئے، توہمات کی زنجیریں کاٹ دیں، کائنات کے حقائق سے پردے ہٹادیئے، صداقتیں عام ہوئیں، اور تلبیسات کا زور ٹوٹ گیا۔

ایک اُمّی لقب کا اعجاز ہے
آدمی کو ملی علم کی روشنی

آپ ﷺ کے حضور عرض کیا جاسکتا ہے۔

تو نے رنگِ جہل کو فانوسِ عرفاں کر دیا
تو نے بخشی چہرۂ انسانیت کو آب و تاب

◆

(۹) قیامِ امن

ملکوں اور قوموں کی بقا وارتقا کا بہت بنیادی سبب ’امن اور سلامتی‘ کی فضا کا قیام ہوتا ہے، انسانیت پر آپ ﷺ کے جلیل القدر احسانات اور عظیم کارناموں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے پوری زندگی اپنے قول وعمل سے امن وسلامتی کا پیغام دیا، آپ ﷺ نے صرف امن کے اصول ہی نہیں طے کئے بلکہ ان کو برت کر اور اپنا کر قابل تقلید عملی نمونہ بھی چھوڑا۔

قرآن میں آپ ﷺ کو ”رحمة للعالمین“ (سارے جہانوں کے لئے رحمت) قرار دیا گیا ہے، واقعہ یہی ہے کہ آپ ﷺ کی آمد اور بعثت پوری انسانیت کے لئے خدا کی رحمت کا ظہور ثابت ہوئی، پھر آپ ﷺ نے انسانیت کو زندگی کے وہ اصول وآداب بتائے جن پر عمل سے اللہ کی رضا اور ”دار السلام“ (امن کے مقام یعنی جنت) کا داخلہ میسر آسکے، آپ ﷺ نے انسانی معاشرے کو پر امن بنانے والی ہدایات وتعلیمات عام فرمائیں، آپ ﷺ نے قرآن مجید کا یہ پیغام انسانیت تک پہنچایا:

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ. (البقرة: ۲۰۵)

اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

اور:

وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ. (البقرة: ۲۱۷)

فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین ہے۔

انسانی تاریخ میں مکمل امن اور سلامتی کے تصور پر مبنی مثالی نظام اور ”آئیڈیالوجی“ سب

سے پہلے آپ ﷺ نے پیش کی، آپ ﷺ کے ذریعہ جو انقلاب آیا، اسی کا فیض تھا کہ ٹکراؤ سے دور پر امن سماج کی تشکیل عمل میں آئی، آپ ﷺ اور صحابہ کی سیرت میں جنگی کارروائیوں کا جو ذکر ملتا ہے اس کی حیثیت ایک اضطراری اقدام اور لازمی استثناء کی ہے اور اس کا مقصد بھی فتنہ وفساد کا خاتمہ ہے، اس کے علاوہ آپ ﷺ کی سیرت وحیات کا غالب حصہ از اول تا آخر امن وسلامتی کا کھلا سبق ہے۔

امن کو کامل نظریۂ زندگی کا مقام عطا کرنے والے آپ ﷺ ہیں، آپ ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ امن ہی تعمیر کی راہ ہے جب کہ تشدد تخریب وفساد کا راستہ ہوتا ہے، قرآن و حدیث میں ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے برابر بتایا گیا ہے، اس سے امن کی اہمیت سمجھی جاسکتی ہے، اسلام میں ”سلام“ کا نظام اور اسے رواج دینے کی تاکید سے بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ باہم معاشرتی تعلقات کی اساس امن اور سلامتی پر ہے، آپ ﷺ نے امت کو یہ پیغام دیا کہ ہر مسلمان اپنا یہ مزاج بنائے کہ اسے کبھی کسی کو اذیت اور نقصان نہیں پہنچانا ہے، بلکہ ہر ایک کو نفع پہنچانا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دوسروں کو اپنے برابر سمجھنا اور برابری کا معاملہ کرنا ہے، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ایثار کا مظاہرہ کرنا ہے اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینے کا ذہن بنانا ہے، غور کیا جائے تو آپ ﷺ کی یہ تعلیمات ”امن وسلامتی کا ماحول سازگار بنانے“ کے دائرے ہی میں آتی ہیں۔

انسانی رواداری سماج میں امن کے قیام کا بنیادی عنصر ہے، اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے رواداری کو فروغ دینے کی قولی اور عملی ہر ممکن کوشش فرمائی ہے، اور تنگ نظری، تعصب اور حسد و بغض کی لعنتوں پر سختی کے ساتھ قدغن لگائی ہے، آپ ﷺ نے مملکت کے تمام مسلم وغیر مسلم باشندوں کو تمام بنیادی حقوق کسی مذہبی، قومی، نسلی، لسانی اور علاقائی تفریق کے بغیر عطا فرمائے ہیں، جس میں جان، مال اور آبرو کا تحفظ، عقیدے کی آزادی، عبادت گاہوں کا تحفظ، مذہبی دل آزاری سے تحفظ وغیرہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، عسکری وحربی مہمات میں آپ ﷺ کی

طرف سے افواج کو سخت ہدایات ہوتی تھیں کہ مذہبی پیشواؤں، تارک الدنیا افراد اور عبادت گاہوں کے ملازموں وغیرہ سے کوئی تعرض نہ کیا جائے، کسی غیر مسلم کو کبھی کسی مسلمان سے کوئی تکلیف پہنچتی تھی تو آپ ﷺ سختی سے محاسبہ فرماتے تھے، اس طرح سماج میں امن اور سلامتی کی خوش گوار فضا قائم رہتی تھی۔

معروف مصنف طالب الہاشمی صاحب نے ''امن کی ضامن: حکمت عملی'' کے عنوان سے خوب لکھا ہے:

''مدنی زندگی میں سرور کائنات ﷺ کو سربراہ مملکت کی حیثیت بھی حاصل ہوگئی تھی، گویا آپ ﷺ بیک وقت اللہ کے آخری رسول بھی تھے اور ایک وسیع وعریض مملکت کے ہمہ مقتدر اور محبوب خلائق سربراہ بھی، لیکن یہ سربراہی دنیا کے دوسرے بادشاہوں جیسی نہیں تھی، بلکہ تخت وتاج، خدم وحشم، کروفر، قصر وایوان، مال ودولت، حاجب ودربان اور پولیس ودفتر سے یکسر بے نیاز تھی اور اس سربراہ کی حکومت ''سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ'' کے اصول کی آئینہ دار تھی، آنحضور ﷺ نے تبلیغ حق، تزکیۂ نفس، اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت وکردار کے ساتھ ساتھ اسلامی مملکت کی داخلی اور خارجی حکمت عملی POLICY کی تشکیل جن خطوط پر فرمائی وہ نہ صرف ایک مثالی حکومت کے عکاس تھے، بلکہ قیام امن کے بھی ضامن تھے، ان خطوط کا ایک مختصر سا خاکہ یوں کھینچا جاسکتا ہے کہ:

(۱) آپ ﷺ نے غیر مسلموں سے صلح وامن کے بکثرت معاہدے کئے اور ہمیشہ صلح کو جنگ پر ترجیح دی، ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے سب سے پہلے یہودِ مدینہ کے ساتھ امن وصلح اور باہمی تعاون کا معاہدہ کیا، جس نے میثاقِ مدینہ کے نام سے شہرت پائی، اس میں آپ ﷺ نے یہودیوں کو مکمل آزادی دی اور شہری وثقافتی معاملات میں ان کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیئے، ۷ر ہجری میں خیبر، فدک، وادی القریٰ اور تیماء کے یہودیوں سے صلح وامن کے معاہدے ہوئے، ۸ر ہجری میں قریش مکہ کے ساتھ

دس سال کے لئے صلح و امن کا معاہدہ ہوا جو تاریخ میں ''صلح نامۂ حدیبیہ'' کے نام سے مشہور ہوا، ۹ ؍ہجری میں نجران، دومۃ الجندل، ایلہ، مقنہ، جربا، اذرح، تبالہ، جرش اور یمن کے عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ امن و صلح کے معاہدے ہوئے، اسی سال بحرین کے مجوسیوں کو معمولی جزیہ کے عوض ہر قسم کے حقوق دیئے گئے، عرب کے متعدد قبائل سے بھی حضور ﷺ نے دوستانہ تعلقات قائم کئے، اگر کبھی اپنی مدافعت یا فتنہ و فساد کے استیصال کے لئے تلوار اٹھانا ناگزیر ہو گیا تو بھی آپ ﷺ نے کوشش کی کہ جانی نقصان کم از کم ہو، فی الحقیقت آپ ﷺ کی داخلی حکمت عملی سراسر امن و صلح پر مبنی تھی اور اس کا مقصد کسی علاقے پر طاقت کے بل پر قبضہ جمانا نہ تھا، اس حکمت عملی نے تمام اہل عرب کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص رشتۂ اتحاد میں پرو دیا اور ملک سے بدامنی کا خاتمہ ہو گیا۔

(۲) حضور ﷺ کی خارجہ حکمت عملی کے نمایاں پہلو یہ تھے:

(الف) آپ ﷺ نے عرب کی سرحدوں کو بیرونی خطرات سے محفوظ کر دیا اور یمن، عمان اور بحرین کو (جو فی الحقیقت عرب کا حصہ تھا) مجوسی ایران کے پنجے سے نجات دلائی۔

(ب) پڑوسی ممالک (حبشہ، ایران، روم اور مصر) کے بادشاہوں کو خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دی اور کسی قسم کی دھمکی دینے کے بجائے ان کو بتایا کہ اگر انہوں نے امن اور سلامتی کی یہ دعوت قبول نہ کی تو اپنی رعیت کا وبال انہیں کی گردن پر ہو گا۔

(ج) بیرونی دشمن کو اپنے ملک میں گھسنے کا موقع دینے کے بجائے آگے بڑھ کر سرحدوں پر اس کا مقابلہ کرنے کا طریقہ اختیار کیا، تبوک کا پرصعوبت سفر اسی سلسلے میں پیش آیا۔

(د) سفیروں کی جان کے تحفظ کو اپنی حکومت کا اصول قرار دیا، اسی طرح اسیران جنگ سے بہترین سلوک اپنی حکومت کا شعار قرار دیا، لڑائیوں میں اپنی فوج کو باغ اور

کھیت اجاڑنے، لوٹ مار کرنے، بوڑھوں، بچوں، عورتوں، مذہبی پیشواؤں، راہبوں اور معذوروں کو قتل کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی۔

اوپر کی سطور سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سرور عالم ﷺ کس زندگی بخشنے والی چیز کی دعوت دیتے تھے، یہ دعوت تھی اسلام (سلامتی) کی، ایمان (امن) کی اور اخوت (بھائی چارے، ہمدردی اور پیار محبت) کی، جن مبارک ہستیوں نے اس پر لبیک کہا انہوں نے وہ انعام ربانی پالیا جن کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اور جب ان کے اخلاف نے اس کو نظر انداز کر دیا تو زوال وادبار کے عفریت نے انہیں اپنے پنجوں میں جکڑ لیا، حق یہ ہے کہ جب تک رسول رحمت ﷺ کی دعوت اور پکار پر لبیک نہ کہا جائے گا دنیا کا یہ انتشار اور ہولناک اضطراب کبھی دور نہیں ہوسکتا، دنیا کے درد کا مداوا اسی دعوت پر لبیک کہنے ہی سے ہوسکتا ہے۔" (حسنت جمیع خصالہ: ۵۲۲-۵۲۴)

اسیران جنگ کے ساتھ آپ ﷺ کے سلوک پر نظر ڈالی جائے تو اس سے آپ ﷺ کی امن پسندی اور انسانیت نوازی کا خوب اندازہ ہوتا ہے:

مسلمانوں کو سب سے پہلے جنگ بدر میں قیدی ہاتھ آئے تھے، یہ لوگ اہل مکہ تھے، اور ان کی اسلام دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی، ان میں بہت سے ایسے تھے جنھوں نے اپنے ہاتھ اور زبان سے خود رسول اللہ ﷺ اور اکثر اکابر کو مختلف قسم کی اذیتیں پہنچائی تھیں، چنانچہ آپ نے مناسب جانا کہ ان کے معاملہ میں صحابہ سے مشورہ کرلیا جائے، صحابہ میں رائے کا اختلاف ہوا، ایک گروہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہم خیال تھا، جن کی رائے تھی کہ قیدیوں کو جرمانہ لے کر آزاد کر دیا جائے، مسلمانوں کو جنگی ساز وسامان کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی، جرمانہ کی رقم اس سلسلہ میں بہت مفید ہوسکتی تھی، اس کے علاوہ رہا ہونے کے بعد اکثر قیدیوں کے ایمان لے آنے کا بھی امکان تھا، صحابہ کا دوسرا گروہ حضرت عمر فاروقؓ کی اس تجویز سے متفق تھا کہ کل قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے کیونکہ وہ سب کے سب

کفر اور شرک کے امام اور پیشوا تھے، نہ جانے کتنے مسلمانوں کا خون ان کی گردنوں پر تھا، اب موقع تھا کہ ان معصوم شہداء کا قصاص لیا جائے، حضرت ابو بکرؓ کی رائے چونکہ نرم دلی پر مبنی تھی، اس لئے رحمۃ للعالمین کو وہی پسند آئی، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ قیدیوں میں سے جو جرمانہ ادا کر دیں وہ رہا کر دیئے جائیں اور جو قدرت نہ رکھتے ہوں انہیں مدینہ لے چلا جائے، مدینہ پہنچ کر جب یہ قیدی صحابہ کے حوالے کئے گئے تو آپ ﷺ نے تاکید فرمادی کہ ان کو کھانے پینے یا کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے، انہی قیدیوں سے روایتیں ہیں کہ صحابہ خود کھجور وغیرہ کھا کر بسر کر لیتے تھے، اور ان کو کھانا کھلاتے تھے۔

غزوہ حنین میں چھ ہزار اسیر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تھے، آپ ﷺ نے ان سب کو بلا معاوضہ رہا فرمادیا اور ان کے پہننے کے لئے چھ ہزار جوڑے عنایت فرمائے، اسیران جنگ کی غیر مشروط رہائی کا یہ کوئی تنہا واقعہ نہ تھا، سیرت پاک ﷺ میں اس طرح کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔ (مستفاد از: مقالات سیرت: ڈاکٹر محمد آصف قدوائی: ۱۷۴-۱۷۵)

اسلامی تعلیمات اور نبوی طریقۂ کار سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکی سطح پر امن قائم کئے جانے کے لئے جو بنیادی اصول ہیں، ان میں: (۱) جان، مال، آبرو اور عقل کا تحفظ (۲) مذہبی آزادی (۳) مساوات (۴) عدل وانصاف (۵) عصبیت کا خاتمہ (۶) گروہ بندی پر پابندی، اولین اور نمایاں مقام رکھتے ہیں، اور بیرونی طاقتوں اور ممالک کے ساتھ امن وامان کی صورت حال برقرار رکھنے کے لئے: (۱) احترام انسانیت (۲) ممکنہ حد تک اعراض اور عفو ودرگذر (۳) صلح پسندی (۴) ہمدردی اور خیر خواہی کو کلیدی درجہ حاصل ہے۔

سیرت نبوی میں ''میثاق مدینہ'' امن کی نبوی حکمت عملی کا سب سے مثالی نمونہ ہے، ''میثاق مدینہ'' دراصل وہ معاہدات ہیں جو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں مقیم یہودیوں، غیر مسلموں اور اہل ایمان کے درمیان کرائے، اس کی تحریریں اور دفعات جو سیرت نگاروں نے

بے حد ریاضت و تحقیق سے جمع اور مرتب کردی ہیں، واضح کرتی ہیں کہ یہ بین القبائلی جامع ترین امن معاہدہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ میں مکہ سے بالکل مختلف صورتِ حال کا سامنا تھا، مکہ کے حالات تو یہ تھے کہ وہاں دشمن بھی ظاہر و متعین تھے، اور دوست بھی ظاہر و متعین تھے، وہاں نفاق کا گذر نہیں تھا، جب کہ مدینہ منورہ میں عرب کے دو قبیلوں اوس و خزرج (جن کے اکثر لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے) کے علاوہ یہودیوں کے تین مضبوط خاندان بنو قینقاع، بنو قریظہ، بنو نضیر آباد تھے، کاروبار یہودیوں کے قبضے میں تھا، صنعتیں ان کے ہاتھ میں تھیں، وہ سودی کاروبار کرتے تھے، چور بازاری، غذا کی مصنوعی قلت پیدا کرنا اور اَوس و خزرج کو باہم لڑانا ان کا محبوب مشغلہ تھا، عربوں کا استحصال کرتے تھے، ان کو جنگ میں مبتلا کر دیتے تھے، انہیں ہتھیار سپلائی کرتے تھے جس کے بدلے ان کی دولت سمیٹ لیتے تھے۔

اوس و خزرج کے لوگوں نے اپنے ہی ایک سردار ''عبد اللہ بن ابی بن سلول'' کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کی تیاری کرلی، یہ واقعہ ہجرت نبوی سے پہلے کا ہے، مگر ابھی اس کی تاج پوشی کا موقع نہ آیا کہ اسلام کا نور مدینہ پہنچنے لگا، پھر آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی، تو تمام اہل ایمان نے اپنا مقتدا اور امیر آپ ﷺ ہی کو مان لیا، اس صورتِ حال نے عبد اللہ بن ابی کے دل میں بغض اور حسد کی نفسیات پیدا کردی، چند یہودیوں کو چھوڑ کر ان کی اکثریت نے بھی خاندانی حسد کی بنیاد پر (کہ آپ ﷺ اولادِ اسماعیل میں سے تھے اور یہودی اولادِ اسرائیل میں سے تھے) آپ ﷺ کے دین کو قبول نہ کیا، اور حسد و تعصب کی وجہ سے سازشیں شروع کردیں، اور انہیں سازشوں کے نتیجے میں منافقین کا ایک مارِ آستین گروہ پیدا ہوا، جو دل میں کفر رکھتا تھا، زبان سے اپنے کو مسلمان کہتا تھا، اس گروہ کا سردار عبد اللہ بن ابی تھا۔

اس صورتِ حال میں مدینہ منورہ میں امن وامان کا ماحول باقی رکھنے کے لئے بیرونی

حملوں سے حفاظت اور بیرونی دشمنوں کے مقابلے کے لئے اور ان سازشی دشمنوں کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے آپ ﷺ نے یہود سمیت تمام قبائل کے سرداروں کو جمع کیا، اور ایک تحریری دستاویز تیار کرائی، سب کے دستخط لئے، یہ معاہدہ ہجرت کے پانچویں ماہ میں ہوا، اس دستاویز کا حاصل یہ تھا کہ ہم سب باہم امن کے ساتھ رہیں گے، ہر کوئی اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرے گا، کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو ہم سب مل کر دفاع و مقابلہ کریں گے، ہم باہم نہیں لڑیں گے، کسی کی حق تلفی نہیں کریں گے، کسی فتنہ پرور کی مدد نہیں کریں گے، کسی معاملے میں اختلاف ہوگا تو رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ (مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ: ڈ/حمید اللہ مرحوم، سیرت ابن ہشام: ۱/۵۰۲، سیرت سرور عالم: ۳/۹۰-۹۸)

یہ معاہدات سیرتِ نبوی کا بہت اہم باب ہیں، اور یہیں سے پہلی اسلامی حکومت اور اسلام کے سیاسی نظام کا آغاز ہوتا ہے، ان معاہدات کی دفعات پڑھنے سے سرکارِ دو عالم ﷺ کی سیاسی بصیرت و فراست و تدبر اور مذاکرات و مکالمات میں آپ ﷺ کی مہارت و حکمت کا اندازہ ہوتا ہے، کہ آپ ﷺ نے ہجرت کے فوراً ہی بعد یہود کے تین بڑے سازشی قبائل، انصار کے دو قبائل اَوس و خزرج اور مہاجرین سب کو ایک جامع دستوری معاہدے پر متفق فرما دیا، اور اس کے ذریعہ مدینہ میں ایمانی بنیادوں پر تشکیل پانے والے معاشرے کے لئے اللہ کی حاکمیت اور قانون شریعت کو اصل اساس کا درجہ بھی حاصل ہوا، اور قانونی، عدالتی اور سیاسی ہر اعتبار سے آخری فیصلہ کن اختیارات آپ ﷺ کو حاصل ہو گئے، اور دفاعی اعتبار سے مدینہ منورہ اور اس کے گرد و پیش کا پورا علاقہ ایک مشترکہ و متحدہ قوت بھی بن گیا۔

آپ غور فرمائیے! وہ نبی جو امی تھا، جس نے کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی، جس نے کسی درس گاہ میں تعلیم نہیں پائی، جس نے کسی قانون کے ماہر سے مدد نہیں لی، جس کی اب تک کی زندگی کشمکشوں سے بھری گذری ہے، وہ اپنے وطن سے نکل کر یثرب آتا ہے تو سب سے

پہلے ایک دستوری ریاست کی داغ بیل ڈالتا ہے، اور پھر ایسا جامع معاہدہ تیار کراتا ہے جس کی ہر ہر دفعہ اس کے تدبر کی شاہ کار ہے، اور جسے پڑھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ یہ سرکار دو عالم ﷺ کا عظیم معجزہ ہے۔

وہ اصولِ سیاست جو ان معاہدات میں موجود ہیں:

(۱) ریاست کے تمام شہریوں کو یکساں مساوی حقوق حاصل ہونا۔

(۲) تمام شہریوں کے مذاہب وشعائر کا مکمل تحفظ۔

(۳) آزادی کے ساتھ جینے کا حق ملنا۔

(۴) بیرونی خطروں کا مشترکہ مقابلہ۔

یہ سب موجودہ حالات میں بھی پوری دنیا کے لئے مشعل راہ ہیں، پھر پوری سیرت بتاتی ہے کہ آپ ﷺ نے تا زندگی ان معاہدات کی خلاف ورزی نہیں کی، ہاں یہود نے بار بار ان معاہدات کی مخالفت کی، خاص طور پر بدر کی فتح کے بعد انہوں نے عملاً یہ عہد توڑ دیا تھا، اور پھر ان کو سزا دی گئی تھی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جو معاہدہ طے پایا تھا اس میں قریش کی طرف سے بعض شرائط و دفعات مسلمانوں کو بہت ذلت آمیز محسوس ہو رہی تھیں، اور مسلمان ان پر چیں بہ جبیں ہو رہے تھے، مگر قیامِ امن کی عظیم حکمت کے پیش نظر آپ ﷺ نے وہ دفعات بھی منظور فرمالی تھیں، پھر دنیا نے دیکھا کہ اس صلح نے آگے آنے والے ایام میں اسلام کی دعوت اور تحریک کی توسیع کے لئے پر امن راستہ اور بے خطر ماحول فراہم کیا، منافرت اور کشیدگی دور ہوئی تو قرب بڑھا، احساسِ رواداری پروان چڑھنے لگا، لوگوں کو اسلام سمجھنے کا موقع ملا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ کے بعد اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ بعثت نبوی سے اب تک اتنے لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان افراد میں حضرت خالد بن الولید ؓ بھی ہیں، جنہیں ''سیف اللہ'' کا لقب ملا، حضرت عمرو بن العاص ؓ بھی ہیں، حضرت عدی بن حاتم ؓ بھی ہیں، حضرت عثمان

بن ابی طلحہؓ بھی ہیں، حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ہمراہ ۱۴۰۰؍ مسلمان تھے، اس کے صرف دو ہی سال بعد فتح مکہ میں مسلمان دس ہزار سے متجاوز تھے، اور اس کے دو سال بعد حجۃ الوداع میں یہ تعداد سوا لاکھ تک پہنچ گئی تھی، اشاعت اسلام میں حدیبیہ کی صلح کا یہ وہ عظیم کردار ہے جو پوری امت مسلمہ کو دعوتی فرض کی ادائیگی کے لئے حساس وفکر مند ہونے کا پیغام دیتا ہے۔

اس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کا مکہ میں متواضعانہ داخلہ اور تمام جانی دشمنوں کو یک لخت معاف کر دینے کا کردار امن اور محبت کی تاریخ کا بے نظیر اور قابل رشک نمونہ ہے۔

حجۃ الوداع میں منیٰ کے خطاب میں آپ ﷺ نے عالمی امن کا پیغام دیتے ہوئے فرمایا تھا:

> **اَيُّهَا النَّاسُ! هَلْ تَدْرُوْنَ فِيْ أَيِّ شَهْرٍ أَنْتُمْ؟ وَفِيْ أَيِّ يَوْمٍ أَنْتُمْ؟ وَفِيْ أَيِّ بَلَدٍ أَنْتُمْ؟ فَقَالُوْا: فِيْ يَوْمٍ حَرَامٍ وَبَلَدٍ حَرَامٍ وَشَهْرٍ حَرَامٍ، قَالَ: فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا، اِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَهُ.** (کنز العمال:١٢٣٥٣، نبی رحمت:٥٢٤، بحواله مسنداحمد)

> اے لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ تم کس مہینے میں ہو؟ کس تاریخ میں ہو؟ کس شہر میں ہو؟ بعض صحابہ نے عرض کیا: ہم محترم تاریخ میں، محترم مہینہ میں اور محترم شہر میں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جس طرح یہ دن، مہینہ اور شہر محترم ہے اسی طرح قیامت کے دن تک تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں بھی محترم ہیں۔

اس طرح گویا شاعر کی زبان میں آپ ﷺ نے اعلان کر دیا ع

مرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

احادیث نبویہ میں نرمی، سہولت، عدم تشدد، عافیت طلبی، ہمیشہ پرامن راستے اور طریقے

کا انتخاب، اکڑ کے بجائے لچک، جذباتیت اور اشتعال و عجلت کے بجائے دانش مندی اور صبر و انتظار، منفی پالیسی کے بجائے مثبت راہ اختیار کرنے، بدگمانی کے بجائے خوش گمانی، اور فوری اقدام کے بجائے حکمت و تدبر کے مظاہرے کی تلقین کا مضمون جا بجا ملتا ہے اور ان سب کا مقصود سماج میں امن اور سلامتی کی خوش گوار فضا اور بابرکت ماحول کا قیام اور بقاء ہی ہے، شاعر نے درست کہا ہے ؎

پیامِ امن و سلام لائے، مکمل اکمل نظام لائے
حیات کا جاگ اٹھا مقدر، درود تم پر سلام تم پر

اور ؎

وہ عالم کے لئے خیر و سعادت لے کے آئے ہیں
نہ وحشت لے کے آئے ہیں، نہ دہشت لے کے آئے ہیں
پیامِ صلح و درسِ آدمیت لے کے آئے ہیں
وہ تہذیبِ مساوات و اخوت لے کے آئے ہیں
جہاں میں امنِ عالم کی ضمانت لے کے آئے ہیں
وہ رحمت بن کے آئے ہیں وہ رحمت لے کے آئے ہیں

◆

(۱۰) حیا اور عفت

حضور اکرم ﷺ کا ایک عظیم انقلابی کارنامہ ”عفت، حیا اور پردے کا وہ نظام“ ہے جو آپ ﷺ نے انتہائی جامع اور مکمل شکل میں انسانیت کو عطا فرمایا، بے پردگی، عریانیت، فحاشی، بے حیائی اور آوارگی کی عام فضا میں حیا اور عفت کی جو صدائے دل نواز آپ ﷺ نے لگائی تھی، اس نے سماج کی تطہیر بھی کی اور عفونتوں کو ختم کر کے معاشرے کو حسن کردار سے معطر و منور کر دیا، آپ ﷺ نے قرآن کے یہ پیغامات امت تک پہنچا دیئے:

> **وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلاً.** (الاسراء: ٣٢)
>
> اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو، وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بے راہ روی ہے۔
>
> **وَلاَ تَقْرَبُواْ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ.** (الانعام: ١٥١)
>
> اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی۔

آپ ﷺ نے بتادیا کہ کامیاب مؤمن وہ ہوتے ہیں جو عفت مآب ہوتے ہیں (المؤمنون: ۵) مغفرت کے حقدار اور عظیم اجر کے مستحق وہی مرد و زن ہیں جو شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (الاحزاب: ۳۵)

اللہ کے حکم پر آپ ﷺ نے اہل ایمان مردوں سے فرمایا:

> **يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ.** (النور: ٣٠)

اپنی نگاہیں پست رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

خواتین کو حکم ہوا:

يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ. (النور: ۳۱)

اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

آپ ﷺ نے ضمانت لیتے ہوئے فرمایا:

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ. (بخاری: الرقاق: باب حفظ اللسان: ٦٤٧٤)

جو مجھے اپنی زبان اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی گارنٹی دے دے میں اس کے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔

أَلَا مَنْ حَفِظَ فَرْجَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ. (الترغیب والترھیب: ۳/۲۸۲)

سنو! جو اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے گا اس کے لئے جنت لازمی ہے۔

آپ ﷺ نے مردوں کو خطاب کیا:

عِفُّوا تَعِفَّ نِسَاءُ كُمْ. (الترغیب والترھیب: ۳/۳۱۸)

تم پاکدامن بن جاؤ، تمہاری خواتین عفت مآب ہو جائیں گی۔

فرمایا:

مَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ. (ابوداؤد: الزکوۃ: باب فی الاستعفاف: ١٦٤٤)

جو پاکدامنی اختیار کرتا ہے، اللہ اسے پاکدامن بنا دیتا ہے۔

اللہ نے آپ ﷺ کو خطاب کر کے یہ حکم دیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ. (الاحزاب: ۵۹)

اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ

دیجئے کہ وہ اپنی چادریں اپنے منہ کے اوپر جھکا لیا کریں۔

آپ ﷺ نے یہ حکم امت تک پہنچادیا اور پورے مسلم سماج کو حیا اور حجاب سے آراستہ سماج بنادیا، آپ ﷺ نے امت کو بتایا کہ آپ کو آگ کے ایک تنور میں جلنے کی سزا بھگتتے ہوئے برہنہ مرد اور خواتین دکھائے گئے اور بتایا گیا کہ یہ بدکار مرد اور بدکار عورتیں ہیں۔ (بخاری: الجنائز: ۱۳۸۶)

آپ ﷺ نے امت کو آگاہی دیتے ہوئے فرمایا کہ جس قوم میں فحاشی عام ہوجاتی ہے، اس قوم پر طاعون اور متعدی اور مہلک امراض کی صورت میں اللہ کا عذاب آکر رہتا ہے۔ (ابن ماجہ: الفتن: باب العقوبات: ۴۰۱۹)

آپ ﷺ نے (۱) بدنگاہی (۲) تبرج (عورتوں کی طرف سے زینت کی نمائش) (۳) مردوزن کا باہم اختلاط (۴) خواتین کا بے محرم تنہا سفر (۵) خواتین کی اجنبی مردوں کے ساتھ خلوت (۶) باشعور بچوں اور بچیوں کا ایک بستر پر سونا (۷) اجنبی مردوزن کا باہم مصافحہ (۸) عورت کا خوشبو لگا کر باہر نکلنا (۹) مردوں کا زنانہ اور عورتوں کا مردانہ وضع اختیار کرنا (۱۰) اجنبی عورتوں کے اوصاف کا مردوں سے ذکر (۱۱) شادی میں بے سبب تاخیر (۱۲) منشیات کا رواج (۱۳) رقص وسرود کا طوفان وغیرہ امور کو سماج میں فحاشی کی ترویج کا مؤثر ذریعہ قرار دیا ہے اور ان سے مکمل اجتناب کی تلقین فرمائی ہے۔

آپ ﷺ نے بار بار خواتین کے فتنے سے مردوں کو خبردار وآگاہ کرکے ان کو عفت کے تحفظ کی تلقین کی ہے، آپ ﷺ نے زنا کے اخروی، دنیوی، روحانی، جسمانی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی نقصانات بار بار بیان فرمائے، اور اس طرح زنا پر مکمل روک لگائی، سماج کو عفت مآب بنائے رکھنے کے لئے آپ ﷺ نے بلوغ کے بعد جلد شادی کا نظام بنانے کی تحریک فرمائی ہے، غیر محرم رشتے داروں سے گھر کی خواتین کے پردے کی تاکید فرمائی ہے، مخلوط کلچر پر قدغن لگائی ہے اور ہر وہ سوراخ بند کردیا ہے جہاں سے بے حیائی اور بے حجابی کے جرثومے آسکتے ہوں اور سماج کی پاکیزگی کو ملیامیٹ کرسکتے ہوں۔

دنیا کے تمام مذاہب اور تہذیبوں میں یہ امتیاز صرف اسلام کو اور تمام اخلاقی معلموں اور رہبروں میں یہ خصوصیت صرف آپ ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ نے حیا اور عفت کا ایسا جامع دستور و نظام دنیا کے سامنے رکھا، اور اس پر سو فیصد عمل کرنے والا صحابہ و صحابیات کا معاشرہ رول ماڈل کے طور پر پیش کر دیا، آپ ﷺ کے طفیل حیا اور عفت و تقویٰ کے حوالے سے جو عظیم انقلاب دنیا میں آیا اس کی ترجمانی شاعر نے یوں کی ہے ۔

صنفِ نازک کو اڑھائے گئے جلباب و خمار
عصمتِ زن کی حفاظت کے یہ پاکیزہ حصار

سود خوری کی تو بنیاد ہی کردی مسمار
جرم ٹھہرائے گئے رقص و غنا خمر و قمار

رنگِ تقدیس دیا باغ کے ہر خوشے کو
روشنی ملنے لگی زیست کے ہر گوشے کو

◆

(۱۱) وحدتِ امت

رسول اکرم ﷺ کا عظیم احسان اور انقلابی کارنامہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بکھراؤ اور خانہ جنگیوں کی شکار انسانیت کو ''امتِ واحدہ'' بنا کر اسے وحدت، محبت، اخوت، اجتماعیت اور الفت کے خوبصورت پیکر اور پاکیزہ سانچے میں ڈھال دیا، انسانی وحدت کا تصور جس انداز میں آپ ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا وہ آپ کی نبوت کا درخشاں ترین کارنامہ ہے، جاہلیت کا سماج اختلاف وانتشار، تفریق وتعصب اور طبقاتی اونچ نیچ کی لعنتوں میں ڈوبا ہوا سماج تھا، حضور اکرم ﷺ نے اپنے قول وعمل سے اس سماج کو اجتماعیت اور مساوات ووحدت کی آغوش میں لا کھڑا کیا۔

آپ ﷺ نے قرآن کی زبان میں فرمایا:

> وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ. (آل عمران: ۱۰۳)

اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے،

اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی، اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔

اس آیت کا ایک خاص پس منظر ہے، مدینہ منورہ میں اوس وخزرج کے نام سے دو قبائل آباد تھے، اسلام سے پہلے ان میں سخت عداوت رہا کرتی تھی اور دونوں میں باہم طویل اور خطرناک جنگیں ہوا کرتی تھیں، پھر جب اسلام ان کی زندگیوں میں آیا تو اس کی برکت سے اللہ نے ان کی زندگیاں بدل دیں، محبت والفت اور وحدت واجتماعیت کے جذبات پیدا ہوئے اور نفرت وعداوت کا خاتمہ ہوگیا، اور دونوں قبائل اسلام کے سایۂ رحمت میں باہم شیر وشکر ہوگئے، یہودیوں کو وحدت کے یہ مناظر بے حد ناگوار ہوتے تھے اور وہ ہمیشہ اس وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی سازش وکوشش میں لگے رہتے تھے، ایک موقع پر جب دونوں قبیلوں کے افراد یکجا تھے، ایک یہودی ''شماس بن قیس'' نے سازش کی اور کسی شخص سے اس مجلس میں وہ اشعار پڑھوا دیئے جو جاہلیت کے دور میں اوس وخزرج کے شعراء نے ایک جنگ کے دوران ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ پرانے زخم تازہ ہونے لگے، اور باہم لڑائی شروع ہوگئی، آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ بہت تیزی سے چلتے ہوئے وہاں پہنچے اور آپ نے اوس وخزرج کو خطاب فرماتے ہوئے سخت تنبیہ کی، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور ابھی سے یہ جاہلیت کے نعرے؟ اللہ نے تم کو اسلام سے مشرف کیا، جاہلیت کی باتوں کو تم سے دور کیا، کفر سے نکالا اور تمہارے ٹوٹے دلوں کو جوڑا، پھر بھی تم کفر کی طرف لوٹ رہے ہو؟

یہ سنتے ہی اوس وخزرج بہت نادم وتائب ہوئے، اور روتے ہوئے ایک دوسرے سے بغل گیر ہوگئے، اس موقع پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (مستفاد از: معارف القرآن)

آپ ﷺ نے پوری امت کو یہ قرآنی پیغام سنایا:

إِنَّ هَـٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ، وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ. (الانبیاء: ۹۲-۹۳)

یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے، اور میں تمہارا رب ہوں، پس تم میری عبادت کرو، مگر یہ لوگوں کی کارستانی ہے کہ انہوں نے آپس میں دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، سب کو ہماری طرف پلٹنا ہے۔

وَإِنَّ هَـٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ، فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ زُبُراً كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ. (المؤمنون: ۵۲-۵۳)

اور یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے، اور میں تمہارا رب ہوں، پس مجھ ہی سے تم ڈرو، مگر بعد میں لوگوں نے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا، ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں وہ مگن ہے۔

اس طرح یہ بتا دیا گیا کہ امتِ واحدہ ربِ واحد اللہ کی عبادت اور تقویٰ ہی پر قائم رہ کر اپنی وحدت سلامت رکھ سکتی ہے۔

آپ ﷺ نے یہ قرآنی اصول بتایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ. (الحجرات: ۱۰)

تمام اہل ایمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، تو اپنے بھائیوں کے درمیان مصالحت کراؤ، اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔

اس سے قبل کی آیت (الحجرات: ۹) میں اہل ایمان کو باہم تنازعے کے شکار مسلمانوں کے درمیان مصالحت کرانے کی تاکید فرمائی گئی ہے، عام اہل ایمان کے لئے جھگڑنے والے مسلمانوں کے تنازعے ختم کرانے اور صلح کرانے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اس کی اصل وجہ اس آیت میں بتائی جا رہی ہے کہ تمام اہل ایمان ایمانی رشتۂ اخوت سے وابستہ ہیں، اور واقعہ یہ

ہے کہ ایمانی اخوت دیگر بنیادوں پر قائم ہونے والے رشتوں سے کہیں زیادہ مستحکم ہوتی ہے، اور اس رشتے کا تقاضا ہے کہ اہل ایمان کے سماج میں وحدت برقرار رہے، تنازعے ختم ہوں، لوگ باہم شیر وشکر ہو جائیں، عداوت محبت میں تبدیل ہو جائے اور باہم جھگڑنے والوں میں صلح کا عمل کرایا جائے، اسلام اس رشتۂ اخوت کو قائم رکھنے پر زور بھی دیتا ہے، اور قرآن کی اس آیت میں اسی رشتے کے قیام پر اللہ کے رحم وکرم کی امید بھی دلائی جا رہی ہے۔

صحابہ کے مجمع میں آپ ﷺ نے بار بار مختلف پیرایوں میں اخوت اور وحدت کی اہمیت بیان فرمائی ہے، آپ ﷺ نے اہل ایمان کو ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے جس کا ہر حصہ دوسرے حصے کے لئے باعث تقویت ہوتا ہے، اس میں یہ پیغام بھی ہے کہ ملت کے ہر فرد کو دوسرے کے لئے باعث تقویت اور مددگار ہونا چاہئے، آپ ﷺ نے اہل ایمان کی اخوت وقوت کو سمجھانے کے لئے ایک محسوس مثال پیش کرتے ہوئے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل فرمائیں اور سبق دیا کہ اس طرح باہم مربوط اور ایک دوسرے سے وابستہ رہنا چاہئے۔ (بخاری: الادب: باب تعاون المؤمنین الخ: ٦٠٢٦)

آپ ﷺ نے باہمی الفت ومودت اور وحدت میں اہل ایمان کو انسانی جسم سے تشبیہ دی ہے کہ جیسے جسم کے اعضاء باہم دگر مربوط ہوتے ہیں، ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارے اعضاء بے چین ہو جاتے ہیں، کسی ایک مسلمان کی تکلیف پر پوری امت کو اسی طرح بے چین ہو جانا چاہئے۔ (بخاری: الادب: باب رحمۃ الناس الخ: ٦٠١١)

آپ ﷺ نے ”اَلْمُسْلِمُ أَخُ الْمُسْلِمِ“ (مسلمان مسلمان کا بھائی ہے) فرما کر تمام اہل ایمان کو اخوت کے مستحکم ترین رشتے سے وابستہ فرما دیا ہے۔ (مسلم: البر والصلۃ: باب تحریم ظلم المسلم الخ: ٦٥٤١)

وحدتِ امت کے لئے آپ ﷺ نے یہ تعلیم بھی دی ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے وہی پسند یا ناپسند کرے جو اپنے لئے پسند یا ناپسند کرتا ہے۔ (بخاری: الایمان: باب من الایمان ان یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ: ١٣)

آپ ﷺ نے بار بار آگاہی دی ہے کہ اللہ کی مدد، حفاظت اور معیت اجتماعیت کے ساتھ ہوتی ہے، (مشکوۃ المصابیح: الاعتصام: ۱۷۳) اور اجتماعیت سے الگ ہونے والا شیطان کا آسان لقمہ بن جاتا ہے، (ایضاً: ۱۸۴) بسا اوقات ایسا شخص اسلام کے حلقے کو نکال پھینکتا ہے، (ایضاً: ۱۸۵) ایسا شخص دنیا میں بھی گمراہ ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا مقدر جہنم ہے۔ (ایضاً: ۱۷۴)

امت میں اجتماعیت اور وحدت برقرار رکھنے کی اہمیت آپ ﷺ کی نگاہ میں اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ایک موقع پر آپ نے باہم برسر پیکار دو خاندانوں میں مصالحت کے لئے فرض نماز میں تاخیر گوارا فرمائی۔ (بخاری: الصلوۃ: باب من دخل لیؤم الناس الخ: ۶۸۴)

قریش نے خانۂ کعبہ کی تعمیر میں حضرت ابراہیم کی تعمیر کے مقابلے میں کچھ تبدیلیاں کردی تھیں، آپ ﷺ کی دلی آرزو تھی کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم کی تعمیر کے مطابق ہوجائے، مگر ایسا کرنے کی صورت میں وحدت واجتماعیت متاثر ہونے کا بھی خطرہ تھا اور بعض افراد کے دلوں میں آپ ﷺ کے تئیں بدگمانی پیدا ہونے کا بھی خدشہ تھا اور فتنوں کا بھی امکان تھا، اس لئے آپ نے اپنی یہ آرزو پوری نہیں فرمائی، اس سے بھی امت کی اجتماعیت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ (بخاری: العلم: باب من ترک بعض الاختیار الخ: ۱۲۶)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مختلف مذاہب، اقوام اور علاقوں کے تفرقوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

> ”پیغام محمدی نے ان تمام تفرقوں کو مٹا دیا، اس کے نزدیک حسب ونسب، مال ودولت، شکل وصورت ان میں کوئی چیز امتیاز نہیں پیدا کرسکتی، وحی محمدی نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی کا رتبہ دیا اور یہ پیغام ملا کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اور آپ نے اسی کے مطابق حجۃ الوداع میں ایک لاکھ انسانوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس برابری اور برادری نے کالے، گورے، عربی، عجمی، ترکی، تاتاری، زنگی اور فرنگی کا فرق اٹھا دیا اور خدا تعالیٰ نے ان پر اپنا یہ

احسان جتایا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تم سب کے سب اب بھائی بھائی ہو گئے، خدا کے گھر میں کوئی فرق نہیں، حسب ونسب کا کوئی فرق نہیں، پیشہ اور منصب کا کوئی فرق نہیں، غربت اور امارت کا کوئی فرق نہیں، خدا تعالیٰ کے آگے سب برابر ہیں، یہاں نہ کوئی برہمن ہے نہ شودر، قرآن سب کے ہاتھ میں دیا جائے گا، نماز سب کے پیچھے پڑھی جائے گی، رشتہ ناطہ ہر ایک کا ہوسکتا ہے، علم ہر ایک کا حق ہے، اور حقوق سب کے یکساں ہیں، یہاں تک کہ خون بھی سب کا برابر ہے، جان کے بدلے جان ع

ترے دربار میں آئے تو سبھی ایک ہوئے

(خطبات مدراس:۱۶۴)

قرآن وسنت، سیرت نبویہ اور اسوۂ صحابہ سے یہی سبق ملتا ہے کہ امت کی وحدت واجتماعیت ہی امت کی عظمت وارتقاء اور عروج وکمال کی بنیاد ہے، وحدت کے بغیر امت زوال اور ذلت کے اندھیاروں ہی میں بھٹکتی رہے گی، آپ ﷺ کو خطاب کر کے کہا گیا ہے ؎

سلام اس پر کہ توڑا جس نے رنگ ونسل کا افسوں
درود اس پر جو داعی ہے مساوات و اخوت کا

پھر آپ ﷺ ہی کو مخاطب کر کے اپنا حال یوں کہا جا سکتا ہے ؎

ہمیں خبر ہے ہوا کیوں یہ حالِ زار ہمارا
زبانی دعوائے اسلام ہے شعار ہمارا

جہاں میں دامنِ وحدت ہے تار تار ہمارا
اسی لئے کہیں باقی نہیں وقار ہمارا

تباہ ہو کے بھی آپس میں اتحاد نہیں ہے
سبق پڑھایا تھا جو آپ نے وہ یاد نہیں ہے

◆

عظیم اور مکمل انقلاب

سرور کائنات حضور اکرم ﷺ نے اپنی متواتر جد و جہد اور فکر و سوز سے کائنات میں جو عظیم اصلاحی انقلاب برپا فرمایا، اس انقلاب نے حیات انسانی کے تمام پہلوؤں کو روشنی عطا کی، اور پاکیزگی کے اجالے ہر طرف بکھیر دیئے۔

انقلاب نبوی کی سب سے پہلی خصوصیت یہ تھی کہ انتہائی قلیل مدت میں صرف ۲۳ر سال کے مختصر عرصے میں اس نے کایا پلٹ کر رکھ دی، دوسری خصوصیت یہ تھی کہ یہ انقلاب ظاہری اسباب اور وسائل کی بے حد کمی کے باوجود اپنے اثرات مرتب کر کے رہا، تیسری خصوصیت یہ تھی کہ اس انقلاب کی راہ میں پیش آنے والے جانی اور مالی نقصانات کا جائزہ لیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ نقصانات گویا نہ ہونے کے درجے میں ہیں، دنیا میں چھوٹے سے چھوٹا انقلاب خطرناک جانی نقصانات اور خطیر مالی نقصانات کی پشت پر وجود میں آتا ہے، مگر انقلاب محمدی بہت معمولی جانی نقصان کے ساتھ برپا ہوا تھا، اور اس میں ہتھیار کے بجائے محبت واخلاق کی طاقت سے دلوں اور دماغوں کو فتح کیا گیا تھا، چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ یہ انتہائی عظیم، جامع، مکمل اور کامیاب ترین انقلاب تھا، اس انقلاب نے ذہن ودماغ، قلب ونظر، فکر وشعور، جسم وروح، ظاہر وباطن، خلوت وجلوت ہر چیز کی تطہیر کردی تھی، اس انقلاب کے ذریعے شخصیت پرستی کے بجائے خدا پرستی قائم کی گئی، اعتقادی زندگی کو توہمات کے بجائے حق وصداقت کی بنیاد دی گئی، فطرت کی پرستش کی جگہ فطرت کو مسخر کرنے کا پیغام سنایا گیا، علم کی دنیا میں اوہام وتخیلات کے بجائے حقائق اور صداقتوں پر اعتماد کی تلقین کی گئی، سیاسیات میں نسلی

بادشاہت کے بجائے عوامی حکومت کی راہ دکھائی گئی، معاشرتی تنظیم کے لئے ظلم کے بجائے عدل کا اصول فراہم کیا گیا، حدیث کی زبان میں یہ انقلاب ''اَلْمِلَّةُ الْعَوْجَاءُ'' (ہر سمت سے کج روی اور غلط روی کی شکار قوم) کو حق و ہدایت کی راہ دکھانے کے لئے آیا تھا۔

آپ ﷺ کی دعوتی کاوشوں کی کل مدت ۲۳؍سال ہے، مگر اتنی قلیل مدت میں آپ ﷺ نے جزیرۃ العرب میں ایسا انقلاب برپا کر دیا جس کی کوئی دوسری مثال تاریخ انسانی میں موجود ہی نہیں ہے، اس انقلاب نے ایک صدی سے بھی کم عرصے میں دنیا کی دو بڑی حکومتوں (ساسانی اور بازنطینی سلطنتوں) کو زیرنگیں کر لیا اور ایک طرف عراق و ایران سے لے کر بخارا تک اور دوسری طرف شام و فلسطین سے لے کر مصر اور پورے شمالی افریقہ تک اپنے جھنڈے گاڑ دیئے، اور پھر اس کے بعد دنیا کے ہر خطے تک اس کا اثر و نفوذ پہنچ کر رہا، یہ سب جو بھی ہوا، اسی ۲۳؍سالہ انقلابی عمل کا نتیجہ تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ ۲۳؍سالہ مختصر ترین دورانیے میں ایسا عظیم انقلاب آنا جو انسانی تاریخ میں دائمی طور پر اپنی عظمت، معنویت اور تاثیر کی دھاک بٹھا دے اور پوری ایک تاریخ مرتب کر دے، کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی، یہ خدائی منصوبہ تھا جو اللہ نے اپنے سب سے محبوب بندے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے اپنی زمین پر تکمیل کے مرحلے تک پہنچایا۔

انقلاب محمدی کی اصل زمین اور پھر اس کے اولین اور حقیقی علم بردار عرب کا وہی گروہ تھا (جس کو ہم ''جماعتِ صحابہ'' کے نام سے جانتے ہیں) جس کی اب تک کی زندگی جہالتوں میں غرق اور ضلالتوں میں لت پت تھی، مگر:

> ''محمدی انقلاب کے حیرت انگیز پہلوؤں میں سے ایک یہ ہے کہ جس نے آپ ﷺ کے پیغام کو قبول کیا، اس کی ساری ہستی بدل گئی، اس کے ذہن کی ساخت، اس کے افکار و جذبات، اس کے ذوق اور دلچسپیاں، اس کی دوستیاں اور دشمنیاں، اس کے اخلاقی معیارات سب بدل گئے، چور اور ڈاکو آئے اور دوسرے لوگوں کے اموال کے

نگہبان بن گئے، زانی آئے اور دوسروں کی عصمتوں کے رکھوالے بن گئے، سود کھانے والے آئے اور وہ اپنی کمائیاں خدا کے دین اور بندوں کی خدمت کے لئے لٹانے لگ گئے، کبر کے مجسمے آئے اور عاجزی کا نمونہ بن گئے، خواہشوں کے غلام آئے اور پل بھر میں دنیا نے دیکھا کہ وہ اپنی خواہشوں کو روندتے ہوئے ایک اعلیٰ نصب العین کی طرف لپکے جا رہے ہیں، جاہل آئے اور آسمان علم پر انہوں نے اس طرح کمندیں ڈالیں کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی، اونٹوں کے چرواہے انسانوں کے شفیق گلہ بان بن گئے، لونڈیوں غلاموں کے پسے ہوئے طبقے سے وہ شجاع اور غیور ہستیاں نمودار ہوئیں جن پر دشمنوں نے ظلم و ستم کے سارے حربے آزما ڈالے، مگر ان کے ضمیروں کو بدلنے اور ان کے ایمانوں کو شکست دینے میں کامیاب نہ ہوئے۔

محمدی انقلاب کے ان رضا کار سپاہیوں میں ڈسپلن اور ضبط و نظم ایسا بے مثال تھا کہ حالتِ نماز میں ان کو تحویل قبلہ کا حکم ملا تو انہوں نے فوراً اپنے رخ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھیر لئے، ان کے لئے شراب حرام کی گئی تو انہوں نے منہ کے ساتھ لگے ہوئے پیالے تک الگ کر کے پھینک دیئے، ان کی خواتین نے جب رسول پاک ﷺ کی زبان سے حکمِ حجاب سنا تو اس میں مین میخ نکالنے کے بجائے فوراً اپنے سروں اور سینوں اور زینتوں کو ڈھانپ لیا، ان میں سے اگر کسی مرد یا عورت سے خدا اور رسول کے احکام کے خلاف کوئی جرم سرزد ہو گیا تو اپنے جرم کے اقراری بن کر خود پیش ہوئے اور اصرار کیا کہ ان پر سزا نافذ کر کے انہیں حضور ﷺ پاک کر دیں، ان سے چندہ طلب کیا گیا تو کسی نے گھر کا سارا سامان لا کے مسجد میں ڈھیر کر دیا، کسی نے سامان سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطاریں کھڑی کر دیں اور کسی مزدور نے دن بھر کی محنت کی کمائی ہوئی چند کھجوریں پیش کر دیں۔

پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا ایک بڑا احسان تہذیب انسانی پر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسانوں کے تمام رشتوں اور رابطوں کو محکم بنیادوں پر استوار کیا، ایک دوسرے کی

باہمی ذمہ داریاں واضح کیں، سب کے حقوق و فرائض متعین کئے، اور اپنے نمونے کے معاشرے میں والدین اور اولاد، بھائی، بہنوں، میاں بیوی، استاد اور شاگرد، امیر اور غریب، پڑوسی اور ہم سفر، حاکم اور رعیت کے ربط و تعلق کو احسن شکل دی۔

افراد کے اندر واقع ہونے والے اس انقلاب کے نتیجے میں عرب کے معاشرے میں جو انقلاب واقع ہوا وہ حیرت انگیز ہے، حضور ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد جب مدینہ میں رکھی تو زیادہ سے زیادہ علاقہ سو مربع میل ہوگا، آٹھ نو سال کے قلیل عرصے میں یہ ریاست پھیل کر دس بارہ لاکھ مربع میل تک وسیع ہوگئی، جس میں کوئی طبقاتی کشمکش نہ تھی، جس میں نسب کے فخر اور نسل کی عصبیت کا خاتمہ ہوگیا، جس میں امیر و غریب اور عالم اور اَن پڑھ بھائی بھائی بن گئے، جس میں جرائم نہ ہونے کے برابر تھے، جس میں لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرنے والے، سرکاری مال اور فرائض میں خیانت کرنے والے اور رشوتیں سمیٹنے والے نہ تھے، جس میں ہر کوئی دوسرے کے کام آتا تھا اور اپنے بھائی کو سہارا دیتا تھا، یہ بالکل ایک نئی دنیا کی تعمیر کی مہم تھی۔

یہ پاک اور پیارا احمدی انقلاب اس طرح نہیں آیا کہ لوگوں پر جبر و تشدد کیا جا رہا ہو، اس انقلاب کا پیغام قبول کرانے کے لئے کسی کو قتل نہیں کیا گیا، کسی کو جیل میں نہیں ڈالا گیا، کسی کی پیٹھ پر تازیانے نہیں برسائے گئے، اس کے لئے دہشت نہیں پھیلائی گئی بلکہ اس انقلاب کی روح محبتِ انسانیت تھی اور حضور ﷺ نے بڑی شفقت سے معلمانہ انداز پر پہلے مکہ میں ۱۳؍ سال تک اور پھر مدینہ میں دس برس تک کام کیا۔‘‘

(سید انسانیت: نعیم صدیقی: ۱۰-۱۲)

ٹھیکرے فیضِ کرم سے لعل و گوہر بن گئے
ذرے سورج ہوگئے، قطرے سمندر بن گئے
فصلِ گل آئی تو کانٹے بھی گلِ تر بن گئے
کل جو تھے اونٹوں کے چرواہے سکندر بن گئے

چشمِ گردوں نے کبھی دیکھا نہ تھا یہ انقلاب
آنکھ والو! دیکھ لو تاریخِ عالم کی کتاب

آپ ﷺ کا لایا ہوا انقلاب مثبت اخلاقیات کی زمین پر ابھرا تھا، آپ ﷺ نے محبت، نرمی، حسن اخلاق اور اعلیٰ کردار کو اپنی اصلی پالیسی بنایا تھا، اور اپنے براہِ راست مخاطب افراد پر محنت فرما کر انہیں قرآن کی زبان میں ''أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ'' (حلقۂ یاراں میں ریشم کی طرح نرم اور رزمِ حق و باطل میں فولاد کی طرح سخت) بنادیا تھا، آپ ﷺ نے ان میں (۱) علم کی سچی طلب (۲) بامقصد زندگی (۳) صدق وصفا (۴) صلاح وتدین (۵) تواضع وانکساری (۶) صبر وتحمل (۷) اخلاص (۸) حلاوت ایمانی جیسی عظیم انفرادی خصوصیات اور (۱) مساوات (۲) عدل وانصاف (۳) عفو ودرگذر (۴) ایثار (۵) اخوت (۶) دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی (۷) خدمت خلق اور نافعیت (۸) منکر کے ازالے کی فکر، جیسی بے مثال اجتماعی صفات پیدا کرنے پر سارازور صرف کردیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ کسی بگڑی ہوئی قوم میں انقلاب برپا کرنے اور اس کی اصلاح وتعمیر کے لئے صدیاں درکار ہوتی ہیں، لیکن:

> ''ساتویں صدی عیسوی میں چشمِ فلک نے یہ تحیر خیز منظر دیکھا کہ عرب کی غیر ذی زرع ریگستانی سرزمین میں مبعوث ہونے والے نبی آخر الزماں ﷺ نے صرف ۲۳؍ سال کے اندر یہ مہتم بالشان کام کر دکھایا، حصولِ مقصد کے لئے آنحضور ﷺ کو مشکلات و مصائب کے جن ہولناک طوفانوں سے گزرنا پڑا وہ ایک الگ داستان ہے، البتہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے اہل عرب کو نہ صرف قعر مذلت سے نکال لیا بلکہ ان کو شرف ومجد کے اتنے بلند مقام پر فائز کر دیا کہ وہ دنیا کے رہبر وپیشوا بن گئے، ان میں بہترین عالم، بہترین معلم، بہترین مبلغ، بہترین مدبر، بہترین جرنیل، بہترین حاکم، بہترین مفکر اور بہترین مصلحین نکلے، تہذیب وتمدن کی زلفوں کو انہوں

نے سنوارا، سیاست و معیشت کے چہرے کو انہوں نے نکھارا، جہالت کے اندھیروں اور کفر و شرک کی ظلمتوں میں ہدایت کا نور انہوں نے پھیلایا، اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے جان مال اولاد جس شے کی ضرورت پڑی حاضر کر دی، یہ ہادیٔ اعظم ﷺ کے فیض تربیت ہی کا اعجاز تھا کہ پرلے درجے کی پسماندہ، وحشی اور جاہل قوم کے افراد قبول اسلام کے بعد انسانیت کے بہترین نمونے اور ہر قسم کی اخلاقی خوبیوں کے پیکرانِ جمیل بن گئے، مولانا الطاف حسین حالیؒ نے آنحضور ﷺ کا ذکر آپ کی کردار سازی کے حوالے سے مسدس حالی میں کیا خوب کیا ہے ؎

مسِ خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی اِک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

(حسنت جمیع خصالہ: طالب الہاشمی: ۵۵۸،۵۵۳)

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے انقلاب نبوی کی تصویر کشی کرتے ہوئے خوب لکھا ہے:

''غور کا مقام ہے، یہ وہی وحشی عرب، وہی بت پرست عرب، وہی بد اخلاق عرب ہیں، یہ کیا انقلاب ہو گیا تھا؟ ایک اُمّی کی تعلیم جاہل عربوں کو عاقل، روشن دل، روشن دماغ اور مقنن کیونکر بنا گئی؟ ایک نہتے پیغمبر کا ولولۂ تبلیغ، کسمپرس عربوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کر نئے زور و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا؟ جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے، وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور اطاعت گذار کیونکر ہو گئے؟ تم نے درسِ گاہ

محمدی یا مدینہ یونیورسٹی کی پوری سیر کرلی، ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب علم دیکھے، عالم بھی دیکھے، مقنن بھی دیکھے، فوجی بھی دیکھے، قاضئ عدالت بھی دیکھے، حکام اور والی بھی دیکھے، غریب و مسکین بھی دیکھے، شاہ و امیر بھی دیکھے، غلام بھی دیکھے، آقا بھی دیکھے، لڑنے والے بھی دیکھے، مرنے والے بھی دیکھے، راہِ حق کے شہیدوں کو بھی دیکھا، تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کیا فیصلہ ہوسکتا ہے کہ محمد رسول اللہ کی ذات، انسانی کمالات اور صفات حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی اور یہ سب ان ہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں، جو کبھی صدیقؓ و فاروقؓ ہوکر چمکتی تھیں، کبھی ذی النورینؓ اور مرتضیٰؓ ہوکر نمایاں ہوتی تھیں، کبھی خالدؓ اور ابوعبیدہؓ اور کبھی سعدؓ و جعفر طیارؓ ہوکر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمرؓ اور ابوذرؓ اور سلمانؓ اور ابودرداءؓ ہوکر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں، کبھی ابن عباسؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی صورت میں علم وفن کی درس گاہ اور عقل و حکمت کا دبستان بن جاتی تھیں، اور کبھی بلالؓ و صہیبؓ اور عمارؓ و خبیبؓ کی امتحان گاہوں میں تسلی کی روح اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں، گویا محمد رسول اللہ ﷺ کا وجودِ مبارک آفتابِ عالمتاب تھا جس سے اونچے پہاڑ، ریتیلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے یا ابر باراں تھا جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہورہا تھا اور قسم قسم کے درخت اور رنگارنگ پھول اور پتے جم رہے تھے اور اُگ رہے تھے۔

ان نیرنگیوں کے ساتھ اور اس اختلافِ استعداد کے باوجود ایک چیز تھی جو مشترک طور سے سب میں نمایاں تھی، وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوندرہی تھی، ایک روح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی، وہ بادشاہ ہوں یا گدا، امیر ہوں یا غریب، حاکم ہوں یا محکوم، قاضی ہوں یا گواہ، افسر ہوں یا سپاہی، استاد ہوں یا شاگرد، عابد و زاہد ہوں یا کاروباری، غازی ہوں یا شہید، توحید کا نور، اخلاص کی رو، قربانی کا ولولہ، خلق کی

ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ اور بالآخر ہر کام میں خدا تعالیٰ کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا، وہ جو کچھ بھی ہوں، جہاں بھی ہوں اور جو بھی کر رہے ہوں، یہ فیضان حق سب میں یکساں اور برابر تھا، راستوں، رنگتوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا، مگر خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسول ایک تھا، اور قبلہ ایک تھا، ہر رنگ، ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی، خلق کی ہمدردی، خدا تعالیٰ کے نام کی اونچائی اور حق کی ترقی تھی اور اس کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی۔'' (خطبات مدراس: ۱۰۰-۱۰۲)

پروفیسر فلپ ہٹی نے اپنی کتاب ''تاریخ عرب'' میں لکھا ہے:

''پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد ایسا معلوم ہوا جیسے عرب کی بنجر زمین جادو کے ذریعہ ہیروؤں کی نرسری میں تبدیل کر دی گئی ہو، ایسے ہیرو جن کی مثال تعداد یا نوعیت میں کہیں اور پانا بہت مشکل ہے۔''

مولانا دریابادیؒ کی زبان میں:

''دنیا میں یہ انقلابِ روحانی پیدا کر دینا کہ کل تک جو رہزن تھے، وہ آج اچھے رہرو ہی نہیں، بلکہ بہترین رہبر بھی ہو جائیں، کل تک جن کی زندگی فسق و فجور کی نذر تھی، آج وہ اتنے بلند و مقدس مرتبہ پر پہنچ جائیں کہ صداقت و پاکیزگی کو ان کے انتساب سے شرف ہو جائے، کل تک جو مردہ تھے، وہ آج زندہ ہی نہیں بلکہ دوسروں کو زندہ کر دینے والے بن جائیں، ایسے آفتاب کا طلوع جو ہر ذرہ کو آفتاب بنا دے، ایسے مسیح کا نزول جو مردہ کو مسیح بنا دے، اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں بجز سرور عالم ﷺ کے صحابیوں، بجز محمد ﷺ کے غلاموں، کے اور کہیں بھی مل سکتی ہے؟

نادانوں کا قول ہے کہ خاتم النبیین نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا، حالانکہ یہ پاک زندگی شروع سے آخر تک خود ایک معجزہ تھی، اور اس کا کوئی جزئیہ ایسا نہ تھا جو اپنے اندر ایک اعجازی رنگ نہ رکھتا ہو، اس ''زندہ فرقان'' کے ان زندہ معجزوں کے ہوتے ہوئے کشتیٔ نوح، گلزارِ خلیل، عصائے موسیٰ، تخت سلیمانی، حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، کسی محدود،

وقتی و مقامی معجزہ کی کچھ بھی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی نہ اس وقت راز تھی، نہ آج راز ہے، ابولہب و ابوجہل اور ان کے سارے ہم نشینوں نے اس وقت دیکھا کہ بدبودار اور پر عفونت کھاد، گملے میں پڑی، اور ان کی آنکھوں کے سامنے شاداب و خوش رنگ مہکتے ہوئے گلاب کے پھول میں تبدیل ہوگئی، حق کی قوت، ہر تردید و تغلیط کے خطرے سے بے پروا ہے، زندہ معبود کے زندہ رسول کے زندہ معجزہ کا جواب نہ اس وقت بن بڑا، نہ آج حق کے جھٹلانے والوں، محمدؐ کے دشمنوں، اور ابولہب و ابوجہل کے موجودہ جانشینوں میں کسی کے بس کی بات ہے، اللہ مراتب بلند کرے اکبر الہ آبادی کے، سارے مضامینِ نعت کا عطر ایک شعر میں کھینچ کے رکھ دیا ہے۔

خود نہ تھے جو راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا''

(ذکر رسول مردوں کی مسیحائی: ۱۹-۲۰)

شاعر نے سچ کہا ہے۔

ظلمت کدے کو نور بداماں بنادیا
بھٹکے ہوئے درندوں کو انساں بنادیا
ذروں کو آفتابِ درخشاں بنادیا
چرواہوں کو جہاں کا نگہباں بنادیا
دنیا میں انقلاب کا پیغام ہیں حضورؐ
انسانیت کے واسطے انعام ہیں حضورؐ

◆

یتیموں کا والی

قرآنِ کریم میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پوری انسانیت اور تمام کائنات کے لئے رحمت و برکت ہے، اور دنیا کا کوئی بھی طبقہ اور فرد آپ ﷺ کی رحمت عام سے محروم و تہی دست نہیں ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، انسانوں کا کونسا وہ طبقہ ہے جس پر آپ کا براہِ راست یا بالواسطہ احسان نہیں ہے؟

لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاکَ.

اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا۔

اگرچہ لفظاً و روایۃً مشکوک ہے؛ تاہم معنی کے لحاظ سے یہ درست ہے (ہم معنی صحیح روایت کے لئے دیکھئے: المستدرک: ۴۲۲۷) اور اس سے یہ ضرور مفہوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ انسانیت کے محسن اعظم ہیں، اور سب کا وجود انہیں کی ذاتِ اقدس کا رہین منت ہے۔

انسانوں میں ایک طبقہ ان یتیم بچوں کا ہے جو بے سہارا اور قابل ترحم ہوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے احسان اور رحمت عام سے یہ طبقہ بھی محروم نہیں ہے، آپ ﷺ کے اقوال اور آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی روشنی میں اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے، قرآنِ کریم میں آپ کی یتیمی کا ذکر کیا گیا ہے:

أَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْماً فَآوَی. (الضحیٰ: ٦)

کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا تو اس نے آپ کو ٹھکانہ فراہم کیا۔

ایک مفکر کی زبان میں:

''یتیمی کے داغ سے بڑھ کر اور کون داغ ہوسکتا ہے؟ اس وقت سے بڑھ کر بے کسی اور بے چارگی کا اور کون سا وقت ہوتا ہے؟ آج ساری دنیا کے بے کس، بیچارے، یتیموں یسیروں کو خوش خبری ہو کہ جس نے ساری دنیا کے یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھا وہ خود بھی یتیم ہی ہو کر دنیا میں آیا، اور یتیمی بھی کس غضب کی؟ عمر کے دس سال پر نہیں، پانچ سال پر نہیں، والد کی شکل سرے سے دیکھی ہی نہیں، اور باپ کی محبت کو ایک لمحے کے لئے بھی جانا ہی نہیں، جب دنیا میں تشریف لائے تو باپ پہلے ہی واپس بلا لئے گئے تھے، رہیں والدہ ماجدہ، سو وہ بھی پانچ سال سے زائد اپنی آنکھوں کے تارے اور عالم کے آفتاب کا نظارہ نہ کر سکیں، یتیم کا اطلاق تو اس پر ہونے لگتا ہے جس کا صرف باپ زندہ نہ ہو، یہاں شروع سے بے پدری، اور شعور پیدا ہوتے ہی بے مادری، ایک ساتھ یتیمی ویسیری، دنیا جہاں کے یتیمو! اپنے حال پر رونے اور کڑھنے کی جگہ خوش اور نازاں ہو کہ تم کس کی صف میں کھڑے ہوئے ہو''۔

(ذکر رسول مردوں کی مسیحائی: مولانا عبدالماجد دریابادیؒ:۱۰۱)

قرآن میں اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ پر اپنے اس انعام کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو یتیمی کے عالم میں بھی بے آسرا نہ چھوڑا، پناہ دی، چھ سال تک والدہ نے پرورش کی، پھر دادا نے پالا، پھر شفیق چچا نے، پھر ہجرت کے بعد اہل مدینہ نے سر آنکھوں پر بٹھایا، اس نعمت کا شکر اس طرح ادا ہوگا کہ کسی یتیم پر کوئی زیادتی اور حق تلفی نہ ہونے پائے۔

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ. (الضحیٰ: ۹)

آپ کسی یتیم پر سختی نہ کریں۔

یعنی یتیم کا حق ضائع نہ کریں یہ اللہ کا حکم ہے۔

اس حکم کی روشنی میں رسول اکرم ﷺ کی پوری سیرت یہ بتاتی ہے کہ آپ نے یتیموں کا بے حد اکرام فرمایا، ان کے حقوق خود ادا کئے، اور دوسروں کو بڑا تاکیدی حکم فرمایا، قرآنِ کریم میں اللہ کے نیک بندوں (ابرار) کی ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ:

يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً. (الدھر: ۸)

وہ اللہ کی محبت میں مسکین و یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں۔

یعنی خالص اللہ کی رضا جوئی کے لئے وہ یتیموں کی تمام ضروریات پوری کرتے ہیں۔

دوسری طرف اللہ کے مجرم اور مستحقِ عذاب بندوں کا عالم یہ ہوتا ہے کہ:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ. (الفجر: ۱۷)

بلکہ تم یتیم کی توہین کرتے ہو، عزت نہیں کرتے۔

منکرِ حق کی پہچان یہ بھی ہے کہ:

يَدُعُّ الْيَتِيمَ. (الماعون: ۲)

وہ یتیم کو دھکے دے کر باہر نکال دیتا ہے۔

قرآنِ کریم نے اعمالِ صالحہ کو ”عَقَبَۃ“ (گھاٹی) سے تعبیر کیا ہے کہ جس طرح گھاٹی دشمن سے بچاؤ کا ذریعہ بنتی ہے، ایسے ہی اعمال صالحہ عذابِ آخرت سے نجات کا باعث ہوتے ہیں، ان اعمال صالحہ کے ذیل میں یتیم کی ضرویات کی تکمیل اور اس کو کھانا کھلانے کا ذکر بھی ہے۔ (البلد: ۱۵)

مذکورہ آیات میں یتیموں کے اکرام کا اخلاقی وروحانی پہلو نمایاں ہو رہا ہے، ان کے علاوہ متعدد آیات ایسی بھی ہیں جن میں ان کے قانونی حقوق کی تاکید فرمائی گئی ہے، فرمایا گیا:

وَأَن تَقُومُواْ لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ. (النساء: ۱۲۷)

یتیموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْماً إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَاراً وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيراً. (النساء: ۱۰)

جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں، وہ عنقریب داخل جہنم ہوں گے۔

وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلاَ تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلاَ تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوباً كَبِيراً. (النساء: ۲)

یتیموں کو ان کا مال دو اور ان کے اچھے مال کو اپنے برے مال سے بدلا نہ کرو اور نہ اپنے مال کے ساتھ ملا کر ان کا مال کھاؤ، یہ بڑے گناہ کی بات ہے۔

وَلاَ تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلاَّ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ. (الانعام: ۱۵۲)

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر ایسے طریقہ سے جو بہترین (حلال) ہو۔

یہ تو صاحب ثروت یتیموں کا معاملہ ہے، ورنہ غریب و مفلس یتیموں کی تربیت، دیکھ بھال، تعاون اور مدد مسلمانوں کا فرض ہے، قرآنِ کریم کی دسیوں آیات میں اس کی تاکید آئی ہے، اور یتیموں کو خیرات وصدقات کا اہم ترین مصرف قرار دیا گیا ہے، اور حسن سلوک کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو یتیموں کی اہمیت کا علم ہوتا ہے، کبھی آپ نے فرمایا:

أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ وَلِغَيْرِهِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا. (مشكوة المصابيح: الادب: باب الشفقة والرحمة على الخلق: ٤٩٥٢)

میں اور اپنے یا پرائے یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح پاس پاس ہوں گے۔

اور آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کرکے بتایا، اور ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔

کبھی فرمایا:

مَنْ آوَىٰ يَتِيماً إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ أَوْجَبَ اللهُ لَهُ الْجَنَّةَ

اَلْبَتَّةَ إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْباً لا يُغْفَرُ. (ايضاً: ٤٩٧٥)

اللہ کے جس بندے نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم بچے کو لے کر اپنے خورد ونوش میں اسے شریک کرلیا تو اللہ اسے ضرور جنت میں داخل فرمائے گا، الا یہ کہ اس نے کوئی ناقابل معافی جرم کیا ہو۔

کہیں فرمایا:

مَنْ مَسَحَ رَأْسَ يَتِيمٍ لَهُ لَمْ يَمْسَحْهُ إِلَّا لِلّٰهِ كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ تَمُرُّ عَلَيْهَا يَدُهُ حَسَنَاتٍ، وَمَنْ أَحْسَنَ إِلَى يَتِيمَةٍ أَوْ يَتِيمٍ عِنْدَهُ كُنْتُ أَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ. (ايضاً: ٤٩٧٤)

جس نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لئے ہاتھ پھیرا تو اس کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا ہر ہر بال کے حساب سے اس کی نیکیاں ہوں گی، اور جس نے اپنے پاس رہنے والی کسی یتیم بچی یا بچے کے ساتھ حسن سلوک کیا تو میں اور وہ جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے۔

کہیں فرمایا:

خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ، وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ. (ايضاً: ٤٩٧٣)

مسلمانوں کا سب سے بہترین گھرانہ وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہو، اور بدترین گھرانہ وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے اپنی سخت دلی کی شکایت کی، تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ:

إِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ وَأَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ. (ايضاً: ٥٠٠١)

یتیموں کے سروں پر محبت سے ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔

اکرام یتیم کا جو تصور آپ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے پیش کیا، اس نے معاشرہ میں یتیموں کے تعلق سے انقلاب برپا کر دیا، سخت دل انسان یتیموں کے لئے نرم دل بن گئے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کسی یتیم کو ساتھ لئے بغیر کھانا ہی نہ کھاتے تھے، (حیاۃ الصحابۃ: ۲/ ۲۴۷) ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس ایک یتیم نے ایک شخص پر کھجور کے باغ کے متعلق دعویٰ پیش کیا، دعویٰ ثابت نہ ہو سکا، مدعی علیہ کو باغ مل گیا، مدعی یتیم رو پڑا، آپ ﷺ کو اس پر رحم آیا، آپ ﷺ نے مدعا علیہ سے کہا کہ یہ باغ تم اسے دے دو، جنت میں اللہ تم کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا، مدعا علیہ اس پر تیار نہ ہوا، ایک صحابی حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ حاضر تھے، انہوں نے مدعا علیہ سے کہا کہ تم اپنا یہ باغ میرے باغ سے بدل لو، مدعا علیہ تبدیلی پر تیار ہو گیا، ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے باغ بدل کر فوراً وہ باغ یتیم کو ہدیہ کر دیا۔

(الاستیعاب لابن عبدالبر: ۴/ ۲۱۰)

سیرت رسول و صحابہ میں اس جیسے بہت سارے نمونے ہیں، جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رحمت عامہ کا فیض یتیموں پر پوری طرح برسا، یتیموں کو ان کے وہ تمام حقوق ملے جو دنیا کے کسی اور مذہب اور نظریے میں تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتے، یہ تو صرف اسلام ہے، جس نے بے کس و بے بس یتیموں کو سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر سہارا اور آسرا دیا ہے۔

◆

باب سوم:

اسوۂ حسنہ

اسوۂ رسول کے روشن عناوین

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ایک بار رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ کا طریقۂ زندگی اور آپ کی سنت حسنہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

اَلْـمَعْرِفَةُ رَأْسُ مَالِیْ، وَالْعَقْلُ أَصْلُ دِیْنِیْ، وَالْحُبُّ أَسَاسِیْ، وَالشَّـوْقُ مَـرْكَبِیْ، وَذِكْرُ اللّٰهِ أَنِیْسِیْ، وَالثِّقَةُ كَنْزِیْ، وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ، وَالْعِلْـمُ سِلَاحِیْ، وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ، وَالرِّضَا غَنِیْمَتِیْ، وَالْعَـجْـزُ فَـخْـرِیْ، وَالـزُّهْدُ حِرْفَتِیْ، وَالْیَقِیْنُ قُوَّتِیْ، وَالصِّدْقُ شَـفِیْـعِیْ، وَالـطَّـاعَةُ حَسْبِـیْ، وَالْـجِهَادُ خُلُقِیْ، وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلَاةِ. (کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: قاضی عیاضؒ: ۱/۱۲۸)

معرفت میرا سرمایۂ زندگی ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری زندگی کی بنیاد ہے، شوق میرا راہوار ہے، ذکر اللہ میرا مونس ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے، غم میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری پوشاک ہے، رضا میرا مال غنیمت ہے، تواضع وانکساری میرا فخر ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری توانائی ہے، صدق میرا حامی اور سفارشی ہے، اطاعت الٰہی میرے لئے بس ہے، جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے سترہ نکات کا ذکر فرمایا، ان میں ہر نکتہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، کتابِ زندگی کے یہ سترہ باب ہیں، جن پر عمل کر کے انسان اپنی زندگی قابلِ صد فخر ورشک

بنا سکتا ہے، اور اپنے کو اسوۂ رسول ﷺ کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ ذیل میں ہم ان سترہ نکات کو اختصار کے ساتھ واضح کرتے ہیں:

(۱) معرفت میرا سرمایۂ زندگی ہے

معرفت کے معنی پہچاننے کے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں: ایک تو اپنے نفس کی معرفت ہے، دوسرے خدا کی معرفت ہے، نفس کی معرفت کو عرفانِ خودی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، انسان اگر بالکل غیر جانب دار ہو کر عرفانِ خودی میں مشغول ہو تو وہ آپ سے آپ معرفت خدا تک پہنچ جاتا ہے، حضرت یحییٰ بن معاذ الرازیؒ کا قول ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ. (موسوعة النابلسی: ۱/ ۴۳)

جس کو خودی کا عرفان حاصل ہو گیا اسے خدا کا عرفان حاصل ہو گیا۔

انسان عالم اصغر ہے، کائنات کی ہر چیز کا نمونہ اس کی اپنی ذات میں موجود ہے، اگر وہ اپنی ذات میں تفکر کرے تو اسے اپنی عبدیت اور اللہ کی الوہیت و معبودیت کا ناقابل شکست یقین حاصل ہوتا ہے، قرآن میں مختلف موقعوں پر معرفت خدا اور قبولِ حق کی دعوت کے ذیل میں انسان کو دلائل آفاق کے ساتھ ہی دلائل انفس کی مدد سے سمجھایا گیا ہے، انسان کو اپنی ذات میں غور کرنے اور اللہ کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ تک رسائی کی کوشش کی طرف بلایا گیا ہے، فرمایا گیا:

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ، وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ. (الذاریات: ۲۰-۲۱)

زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، یقین لانے والوں کے لئے، اور خود تمہارے اپنے وجود میں بہت سی نشانیاں ہیں، کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟

بے نظیر ساخت کا جسم، حیرت انگیز قوتیں، دماغ و دل، عقل و فکر، تخیل و شعور، ارادہ

وحافظہ، احساسات وجذبات، خواہشات ومیلانات، سماعت وبصارت، قوتِ شامہ وذائقہ، زبان وگویائی، اور نہ جانے کتنی نعمتیں اس انسان کو دی گئی ہیں، جو قدرتِ الٰہی کی جیتی جاگتی نشانیاں ہیں، پھر ان قوتوں اور اختیارات کے ساتھ ہی کائنات کی ہر چیز انسان کی خادم وتابع بنائی گئی ہے، چاند وسورج، لیل ونہار، صبح وشام، بحر وبر؛ بلکہ زمین اور آسمان کی تمام چیزیں انسان کے لئے مسخر ہیں، قرآن کہتا ہے کہ:

> **اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِیْ الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الأَنْهَارَ، وَسَخَّر لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ، وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لاَ تُحْصُوهَا.** (ابراهيم: ٣٢-٣٤)
>
> اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لئے طرح طرح کے پھل پیدا کئے، جس نے کشتی کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لئے مسخر کیا، جس نے سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جارہے ہیں، اور رات ودن کو تمہارے لئے مسخر کیا، جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا، اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔

انسان اگر خودی کے عرفان کی کوشش کرے گا تو ان تمام حقیقتوں تک اس کی رسائی ہوگی، خدا کی وہ نعمتیں جو اس کے وجود پر ہر آن برس رہی ہیں، اس کے دل میں شکر وعمل کے جذبات بیدار اور اس کی ذات میں مخفی صلاحیتوں کو قوت سے فعل میں لانے کی روح (Spirit) پیدا کریں گی، اور عرفانِ خودی کی بدولت اسے عرفانِ خدا کی دولت بے بہا میسر آئے گی اور فکر

وعمل کی تمام پر پیچ راہوں میں حق کی سیدھی شاہراہ پر اس کے پاؤں جمے رہیں گے، اور وہ ناشکری، بے عملی اور بد عملی کی بدترین لعنتوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ ہوجائے گا، جب کہ عرفانِ خودی کی دولت سے محرومی کے نتیجہ میں انسان معرفت رب سے بھی محروم رہ جاتا ہے، امتوں کے زوال وادبار اور غیروں کی اسیری اور دریوزہ گری کے پیچھے کارفرما سب سے اہم عامل اور سبب خودی کی معرفت سے محرومی ہے، زندگی، حرکت، گرمیٔ رفتار، آبرو، شاہی، سرداری اور آزادی کی تمام تر خوبیاں عرفانِ خودی کی رہین منت ہوتی ہیں، اقبال نے اسی کو واضح کیا ہے ؎

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی ❖ کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تری زندگی اسی سے، تری آبرو اسی سے ❖ جو رہی خودی تو شاہی، نہ رہی تو روسیاہی

سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے

خودی اور خدا کی معرفت افراد واقوام کی زندگی کا حقیقی سرمایہ اور حاصل ہے، معرفت الٰہی جس دل کو حاصل ہوجاتی ہے وہ توحید کا سچا علم بردار بن جاتا ہے، وہ شرک کی تمام جلی وخفی، عیاں ونہاں صورتوں سے آخری حد تک گریزاں اور نفور ہوجاتا ہے، پھر وہ اللہ کے اخلاق واوصاف کو اپنانا اور ان کا پرتو بننا چاہتا ہے، وہ اپنی حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ اللہ کے رنگ میں رنگ لیتا ہے، اور ظاہر ہے کہ:

وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً. (البقرة:۱۳۸)
اللہ کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا؟

(۲) عقل میرے دین کی اصل ہے

عقل سلیم دین کی جڑ ہے، وہ کلیدی اہمیت کی حامل ہے، بے عقل افراد واقوام بے مقصد زندگی گذارتے ہیں، دین کی بقاء وارتقاء کا دارومدار عقل سلیم ہے، قرآن میں جابجا اللہ نے قرآن میں، اپنی نعمتوں میں، اپنی قدرت کے کمالات میں، آفاق وانفس میں، تاریخ عالم

اور تاریخ اقوام وملل میں، امتوں کے اسبابِ عروج وزوال میں، تدبر وتفکر اور عقل کے استعمال کی اسی لئے دعوت وتاکید فرمائی ہے کہ اس کی مدد سے انسان حقیقت تک رسائی حاصل کر سکے گا، اور اپنے عمل کے لئے راہیں متعین کرے گا، عبرتیں حاصل کرے گا، سبق لے گا، وہ عقل کا استعمال کرے گا تو دل کی ناجائز خواہشات کے ہاتھوں میں اپنی لگام اور باگ نہیں دے گا، اس کے نفس کا سرکش گھوڑا اس کی عقل سلیم کے قبضہ میں ہوگا، نفس امارہ کی پیروی سے وہ دور رہے گا، اللہ نے بے عقلوں کے بارے میں فرمایا:

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لاَ يَعْقِلُوْنَ. (یونس: ۱۰۰)

جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اللہ ان پر گندگی ڈال دیتا ہے۔

واضح فرمایا گیا کہ جو طالب حق نہ ہو اور اپنی عقل کو تعصّبات کی تاریکیوں میں چھپائے ہوئے ہو یا جستجوئے حقیقت میں بالکل عقل کا استعمال ہی نہ کرے تو اس کے لئے اللہ کے ہاں ضلالت وجہالت اور محرومی وغلط کاری کی غلاظت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، وہ اپنے کو اسی نجاست کا اہل بناتا ہے اور یہی اس کی قسمت میں لکھی جاتی ہے۔

عقل سے کام نہ لینا فی الواقع دل کی نابینائی اور کجی کی وجہ سے ہوتا ہے، کفار کے انکار حق کے تذکرہ کے ذیل میں قرآن نے اس کی وضاحت فرمائی ہے:

أَفَلَمْ يَسِيْرُوا فِيْ الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِيْ فِيْ الصُّدُورِ. (الحج: ٤٦)

کیا یہ کافر زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا ان کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے خاص بندوں کے اوصاف کا ذکر فرمایا ہے، ان اوصاف

میں ایک وصف یہ بھی ہے:

وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمّاً وَعُمْيَاناً. (الفرقان: ۷۳)

اگر ان کے رب کی آیات سنا کر انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں گرتے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن کے علوم و معارف اور تعلیمات و حقائق کی طرف سے اندھے بہرے نہیں ہو جاتے؛ بلکہ عقل و فہم کے ساتھ ان کی طرف توجہ کرتے ہیں اور تعمیل حکم میں مصروف ہو جاتے ہیں، انہیں بہ گوشِ قبول سنتے اور بہ نگاہِ عبرت دیکھتے ہیں۔

اہل ایمان اللہ کی آیات اور احکام کی طرف اندھوں اور بہروں کی طرح نہیں؛ بلکہ دانا و بینا و شنوا انسان کی طرح متوجہ ہوتے، غور کرتے اور عمل کرتے ہیں، اللہ نے عقل کو علم کا اہم ترین ذریعہ بنایا ہے، حواسِ خمسہ کی پرواز جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے عقل کا دائرۂ کار شروع ہوتا ہے؛ لیکن اللہ نے عقل کا دائرہ غیر محدود نہیں؛ بلکہ محدود ہی رکھا ہے، اس کا دائرہ متعین ہے، دائرہ سے باہر عقل صحیح رہنما نہیں ہوتی؛ بلکہ گمراہی میں لے جاتی ہے، عقل کی پرواز جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے وحی الٰہی کا دائرہ شروع ہوتا ہے، دائرہ میں عقل کا استعمال شرع کا مطلوب ہے، عقل کا بالکل استعمال نہ کرنا یا دائرہ سے باہر استعمال کرنا افراط و تفریط میں داخل ہے، جو قابل مذمت امر ہے، عقل کو سلیم اسی وقت قرار دیا جائے گا جب وہ اعتدال سے آراستہ اور افراط و تفریط سے دور ہو، شریعت میں یہی عقل مطلوب و محمود اور اصل و بنیاد قرار دی گئی ہے۔

(۳) محبت میری زندگی کی بنیاد ہے

اللہ کی محبت اور اللہ کی خاطر اور اس کی رضا جوئی کے لئے اس کے بندوں سے محبت ایمان کا اہم ترین حصہ ہے، نوع انسانی سے مواسات و ہمدردی کا معاملہ، عدل و احسان اور اس کی خاطر ایثار و قربانی اور اپنوں و بیگانوں سب کے ساتھ رحمت کا معاملہ ایمان کا اہم مطالبہ ہے،

حضور اکرم ﷺ کو رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے کہ آپ ﷺ کی ذات والا صفات اس پوری کائنات کے لئے سراسر رحمت تھی۔

تقویٰ اور خوفِ خدا فی الواقع محبت کا نتیجہ ہوتا ہے، اللہ سے محبتِ خاطر اور اس کی خوشنودی کے حصول کی غرض سے انسان راہِ تقویٰ پر گامزن ہوتا ہے، دوسری طرف اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال اور خلق خدا سے سچی محبت کی بنیاد پر انسان خود بھی عذابِ جہنم سے بچنا اور دوسروں کو بچانا چاہتا ہے؛ اسی لئے وہ خود تقویٰ اختیار کرتا ہے، اور دوسروں کو تلقین کرتا ہے اور قرآن کی اس آیت پر عمل کرتا ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوْا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ. (التحریم: ٦)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔

مختلف احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ ایمان کی حلاوت ولذت اور چاشنی وشیرینی اسی صورت میں میسر آئے گی جب اللہ ورسول کی محبت ہر ماسوا سے کہیں زیادہ دلوں میں جاگزیں ہوگی، (مشکوۃ المصابیح: الایمان: ۸) ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ. (بخاری: الایمان: باب حب الرسول الخ: ١٥)

تم میں سے کوئی مؤمن ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کی نگاہ میں اس کے والدین، اولاد، اعزہ واقارب اور پوری کائنات سے زیادہ محبوب وعزیز نہ ہوجاؤں۔

قرآنِ کریم میں ان لوگوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے جو اللہ ورسول کی محبت پر دوسروں کی محبتوں کو برتر قرار دیتے ہوں، فرمایا گیا:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ. (التوبة: ٢٤)

اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور بیویاں اور عزیز واقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے پسندیدہ گھر تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں، تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے۔

مولانا آزادؒ اس آیت کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

”یہ آیت مہمات مواعظ میں سے ہے اور اس باب میں قطعی ہے کہ اگر حب ایمانی وغیر ایمانی میں مقابلہ ہو جائے تو مؤمن وہ ہے جس کی حب ایمانی پر دنیا کی کوئی اور محبت اور علاقہ بھی غالب نہ آ سکے...... محبت ایمانی کی اس آزمائش میں صحابہ کرام جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے، اور محتاج بیان نہیں، بلا شائبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا صحابہ نے اللہ کے رسول سے راہِ حق میں کیا، انہوں نے اس محبت کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے، اور پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا، جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے؛ لیکن آج ہمارا حال کیا ہے؟ کیا ہم میں سے کسی کو جرأت ہو سکتی ہے کہ یہ آیت اپنے سامنے رکھ کر اپنے ایمان کا احتساب کرے؟“۔ (ترجمان القرآن ۲/۲۵۳-۲۵۴ ملخصاً)

اللہ و رسول کی محبت کی سب سے بڑی علامت، شرط اور نتیجہ اطاعت و پیروی ہے، قرآن کہتا ہے:

قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ. (ال عمران: ٣١)

آپ فرمادیجئے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہوتو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

اس آیت میں دعوائے محبت کی جانچ کے لئے سب سے اچھا معیار یعنی ایمان واتباع بیان کیا گیا ہے، قرآن شاعرانہ محبت سے متوحش ہوتا ہے، وہ اسی محبت کو سند اعتبار بخشتا ہے جو اطاعت وانقیاد کی شکل میں رونما ہو۔

اللہ ورسول کی محبت کے سوا خلق خدا کی محبت بھی ایک مؤمن کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے، باہمی محبت کرنے والے بندوں سے اللہ بھی محبت کرتا ہے، اور انہیں قیامت کے روز عرشِ الٰہی کے سائے میں نور کے منبروں پر جگہ ملے گی، (مشکوۃ المصابیح: الادب: باب الحب فی اللہ: ۵۰۱۱) باہمی محبت کو پروان چڑھانے کا اہم نسخہ آپ ﷺ نے ''سلام کی ترویج واشاعت'' بتایا ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا:

وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهِ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَىْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ، أَفْشُوْا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (مسلم: الايمان: باب بيان أنه لا يدخل الجنة إلا المؤمنون الخ: ١٩٥)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم جنت میں بلا ایمان داخل نہ ہوسکو گے، اور بغیر باہمی محبت کے تم مؤمن نہ ہوسکو گے، کیا میں تم کو وہ عمل نہ بتادوں جس کی بنیاد پر تم میں باہمی محبت پیدا ہوجائے؟ تم آپس میں سلام کو رواج دو۔

ایک دوسری حدیث میں اللہ ہی کے لئے محبت کرنے اور محبت ونفرت کے تمام جذبات

مرضئ مولیٰ کے تابع کر دینے کو کمالِ ایمان کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: الایمان: ۳۰)

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس کے ساتھ محبت اور حسن سلوک کا معاملہ اللہ کی توجہ اور رحمت و محبت کے انجذاب کا اہم ترین باعث ہوتا ہے۔ (ایضاً: الادب: باب الشفقۃ الخ: ۴۹۹۸)

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر
خدا رحم کرتا نہیں اس بشر پر
نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

(۴) شوق میرا راہوار ہے

سوزِ دروں، جذبِ اندروں، طلب و آرزو وہ عناصر ہیں جو کسی بھی مشن کی ترقی اور اشاعت کے لئے اساسی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کو اپنے مشن سے بے پناہ عشق تھا، آپ کا مشن قرآن کی زبان میں الفاظ و معانئ قرآن اور سنت کی تعلیم اور لوگوں کا تزکیہ تھا، (الجمعۃ: ۲) اپنے اس مشن کی تکمیل کے لئے آپ کی دل سوزی اور شوق و عشق کا ذکر قرآن نے یوں کیا ہے کہ:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيْثِ أَسَفاً. (الکهف: ٦)

شاید آپ ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھو دیں گے، اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہیں لائے۔

مولانا آزادؒ کی زبان میں:

”انبیائے کرام ہدایت و اصلاح کے صرف طالب ہی نہیں ہوتے، عاشق ہوتے ہیں، انسان کی گمراہی ان کے دلوں کا ناسور ہوتی ہے، اور انسان کی ہدایت کا جوش ان کے دل کے ایک ایک ریشے کا عشق، اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی غمگینی نہیں ہوسکتی

کہ ایک انسان سچائی سے منہ موڑ لے، اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی شادمانی نہیں ہوسکتی کہ ایک گمراہ قدم راہِ راست پر آ جائے‘‘۔ (ترجمان القرآن: ۲/ ۳۴۸)

دعوت وتبلیغ دین کے ہر کارکن کی ذمہ داری یہی ہے کہ اسی شوق فراواں، سوز وعشق اور تڑپ ولگن سے اپنے مشن کی اشاعت میں منہمک رہے، اور یہ وصف اگر میسر نہ آ سکا تو پھر حیاتِ انسانی جمود وتعطل اور انحطاط وزوال اور ضعف واضمحلال کی شکار ہو جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ کی سنت یہی ہے کہ یہ شوق وعشق دعوتِ دین کی مقبولیت اور اثر آفرینی کے لئے بنیادی عنصر کا درجہ رکھتا ہے، اس لئے اسے اختیار کیا جائے۔

(۵) ذکر اللہ میرا مونس ہے

واقعہ یہ ہے کہ ذکر الٰہی عبد ومعبود کے رشتہ کے استحکام ودوام کا سب سے قوی ذریعہ ہے، ذکر کے مفہوم میں ہر وہ چیز شامل ہے جس سے اللہ کا استحضار ہو، اور اس میں ہر وہ کام داخل ہے جو غفلت سے آزاد ہو کر کیا جائے۔

حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ہر گوشہ آپ ﷺ کی نبوت کی واضح دلیل ہے: لیکن آپ ﷺ کی زندگی میں اور ہر عمل میں اللہ کی رحمت وجلال کا ہر آن استحضار اور ذکر کے ذریعہ ہر دم اللہ سے ربط وتعلق بہت ہی روشن پہلو ہے، اسی لئے آپ نے ذکر الٰہی کو اپنا انیس اور بے پایاں مرغوب ومحبوب عمل قرار دیا ہے، جو آپ کے لئے باعث اطمینانِ قلب عمل تھا، اہل ایمان کا ایک بنیادی وصف یہ بھی ہے کہ ان کے دل ذکر الٰہی سے اطمینان وسکینت حاصل کرتے ہیں، ارشاد فرمایا گیا:

أَلاَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ. (الرعد: ۲۸)

سنو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ذکر اللہ کے قربِ خاص کا اہم ترین وسیلہ ہے

اور امت کے جن بے شمار بندوں کو قربِ خداوندی کی دولت بیش بہا میسر آئی ہے ان کی زندگیوں میں ذکر الٰہی کا پہلو بے حد نمایاں ہے۔

قرآنِ کریم کی مختلف آیات میں مؤمنوں کو بڑی تاکید کے ساتھ ذکر کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْراً كَثِيراً، وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلاً. (الاحزاب: ٤١-٤٢)

اے ایمان والو! اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو۔

واضح کیا گیا کہ فلاح وکامیابی کثرتِ ذکر سے وابستہ ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (الجمعة: ١٠)

اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

دنیوی لذتوں میں انہماک کی وجہ سے ذکر الٰہی سے غفلت خسارہ کا باعث ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلا أَوْلادُكُمْ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ. (المنافقون: ٩)

اے ایمان والو! تمہارے مال واولاد تم کو ذکر الٰہی سے غافل نہ کرنے پائیں، جو لوگ اس غفلت کا شکار ہوں گے وہی خسارے میں رہیں گے۔

ذکر الٰہی میں منہمک افراد اللہ کی بخشش اور نوازش سے بہرہ مند ہوں گے:

وَالذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيراً وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً. (الاحزاب: ٣٥)

کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے بندوں اور بندیوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور عظیم اجر تیار کر رکھا ہے۔

ذکر الٰہی ہر چیز سے بالاتر ہے:

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ. (العنكبوت: ٤٥)

یقیناً اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے۔

اللہ کا ذکر اتنی اہم چیز ہے کہ جو بندہ اس میں مشغول رہتا ہے اللہ اس کو یاد رکھتا اور نوازتا ہے:

فَاذْكُرُونِىْ أَذْكُرْكُمْ. (البقرة: ١٥٢)

میرے بندو! تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا۔

قرآن وحدیث کے نصوص یہ واضح کرتے ہیں کہ ذکر اللہ تمام اعمالِ صالحہ کی روح ہے، دلوں کی دنیا اسی سے آباد رہتی ہے، قلبی بیماریوں کے لئے وہی دوا اور شفا ہے، وہی عبد و معبود کے مابین وسیلۂ ربط ہے، ذکر میں مشغول افراد کو ملائکۂ رحمت گھیر لیتے ہیں، ان پر رحمت خداوندی چھا جاتی ہے، ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، اللہ اپنے مقرب فرشتوں میں ان کا تذکرہ کرتا ہے، انہیں اللہ کی معیت وقبولیت کی نعمت ملتی ہے، ذکر الٰہی دلوں کو صیقل کرتا ہے، وہ عذابِ الٰہی سے نجات کا بہت مؤثر ذریعہ ہے، جب کہ ذکر سے محرومی کا انجام حسرت وحرماں نصیبی اور دلوں کی قساوت وشقاوت ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: الدعوات: باب ذکر اللہ الخ: ۲۲۶۱، ۲۲۶۴، ۲۲۸۶، ۲۲۷۳، ۲۲۷۶)

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ذکر الٰہی کو اپنی بے انتہا محبوب چیز قرار دیا ہے، اور:

> ''رسول اللہ ﷺ نے ذکر کی جو تاکید فرمائی، اس کے جو فضائل ومنافع بیان فرمائے، اس کے جن اسرار وحکم کی نقاب کشائی فرمائی، اس کے بعد ذکر محض ایک فریضہ اور ضابطہ نہیں رہ جاتا؛ بلکہ وہ زندگی کی ایک بنیادی ضرورت، فطرتِ انسانی کا ایک خاصہ، روح کی غذا اور دل کی دوا بن جاتا ہے، پھر اس کے لئے الہام خداوندی سے جو اوقات ومواقع، جو اسباب ومحرکات تجویز فرمائے، اور ان کے لئے جو صیغے اور الفاظ تعلیم فرمائے، وہ توحید کی تکمیل کرنے والے، عبدیت کے قالب میں روح ڈالنے

والے، قلب کو نور سے، زندگی کو سکینت و سرور سے اور فضا کو برکت و نورانیت سے بھرپور کرنے والے ہیں، پھر وہ اسی قدر عمومی، پوری زندگی کی وسعت و تنوعات اور شب و روز کے اوقات پر محیط ہیں کہ اگر ان کا ذرا بھی اہتمام کیا جائے تو پوری زندگی ایک مسلسل و مکمل ذکر میں تبدیل ہو جاتی ہے، اور مشکل سے کوئی وقت، کوئی کام، کوئی نقل و حرکت اور کوئی پیش آنے والی حالت و تبدیلی اس کی رفاقت و شمولیت سے محروم رہتی ہے''۔ (ماخوذ از: مقدمہ معارف الحدیث: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ: ۵/۶-۷)

(۶) اعتماد میرا خزانہ ہے

اعتماد کی تین قسمیں کی جاسکتی ہیں: (۱) خداوند قدوس پر اعتماد (۲) اپنی ذات پر اعتماد (۳) اپنے مصاحبین پر اعتماد، رسول اللہ ﷺ ان تینوں قسموں سے مالا مال تھے، اور یہی وصف ہر مسلمان میں مطلوب ہے۔

اللہ پر اعتماد کو اصطلاح میں ''توکل'' کہا جاتا ہے، قرآن میں توکل کا حکم بھی ہے اور اس کے فوائد و نتائج کا بیان بھی ہے، آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا:

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا. (المزمل: ۹)

اللہ کے سوا کوئی بندگی کے قابل نہیں، تو آپ اسی کو اپنا وکیل بنا لیجئے۔

جگہ جگہ اللہ کو ''نِعْمَ الْوَكِيلُ'' (بہترین کارساز) کہا گیا ہے، فرمایا گیا:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ. (الطلاق: ۳)

جو اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لئے اللہ کافی ہے۔

قرآن اپنے پیروؤں کو زیور توکل سے آراستہ ہونے کی جا بجا تلقین کرتا اور دہراتا ہے کہ:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ. (ال عمران: ۱۶۰، تغابن: ۱۳)

اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ. (الفرقان: ۵۸)

تم اس اللہ پر بھروسہ کرو جو زندۂ جاوید اور فنا نا آشنا ہے۔

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ توکل کا مطلب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا اور اختیاری اسباب ووسائل کو استعمال میں نہ لانا نہیں ہے؛ بلکہ تمام ممکنہ ظاہری اسباب وتدابیر کو اختیار کر کے نتائج اللہ کے سپرد کرنا اور بے فکر ہو جانا توکل ہے، مگر دل کا اعتماد اللہ کی ذات پر ہو، یہ یقین ہو کہ قدرتِ خداوندی ان اسباب کی پابند نہیں ہے، اللہ چاہے تو ان اسباب کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے، اور ظاہری اسباب کی حیثیت بس صرف اتنی ہی ہے کہ وہ اللہ کے مقرر کردہ ذرائع اور راستے ہیں جن سے ہم تک اشیاء کی رسائی ہوتی ہے، جیسے ہم تک پانی کی رسائی نلوں کے راستے سے تو ہوتی ہے، مگر پانی کی تقسیم میں ان نلوں کا کوئی دخل نہیں ہے، اس کائنات میں کارفرمائی اسباب ووسائل کی نہیں؛ بلکہ صرف ذاتِ خداوندی اور حکم ربانی کی ہے، یہی توکل کی حقیقت ہے۔

احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ پر توکل کرنے والے بندے بلاحساب جنت میں داخل ہوں گے، دنیا میں انہیں سہولت سے روزی ملے گی، زیادہ کدوکاوش نہ کرنی پڑے گی، اللہ ان کی تمام ضرورتوں کے لئے کفایت کرے گا، اور سکونِ قلبی کی دولت سے نوازے گا، اور ان کی محنتوں کو ضائع نہیں کرے گا، (ملاحظہ ہو: مشکوۃ المصابیح: الرقاق: التوکل: ۵۲۹۵، ۵۲۹۹) اللہ کی ذات وصفات پر کامل ایمان، قدرت کے مکافاتِ عمل کے منصفانہ قانون پر یقین اور رجائیت پسندی اور ناامیدی سے دوری توکل کے اہم عناصر ہیں۔

اپنی ذات پر اعتماد (خود اعتمادی) کامیابی وکامرانی کی ضمانت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ۲۳ رسال کی مختصر ترین مدت میں جزیرۃ العرب میں جو علمی وعملی، فکری ونظری، اخلاقی واصلاحی انقلاب برپا فرمایا، اس کی کامیابی میں خود اعتمادی کا بے پناہ دخل تھا، بادِ مخالف، طوفان مصائب، حوادثِ زمانہ، مشکلات وخطرات سے مقابلہ اور قربانیاں پیش کرنے کا حوصلہ خود اعتمادی کے

بغیر پیدا ہی نہیں ہوسکتا، عظمت اور رفعت کے حصول میں خود اعتمادی کا بڑا کلیدی کردار ہوتا ہے، ہر دور میں اہل ایمان کی کامیابیوں، بلندیوں اور عظمتوں میں توکل اور خود اعتمادی دونوں کا اہم رول رہا ہے۔

مصاحبین پر اعتماد کسی بھی مشن اور دعوت کی کامیابی کے لئے شرطِ اولین ہے، اصلاحی، سیاسی، معاشرتی اور عسکری ہر میدان میں رفقائے کار پر مکمل اعتماد ضروری ہے، رفقاء میں خود اعتمادی پیدا کرنا، ان کو قابل اعتماد بنانا اور ان کے دلوں میں اپنا اعتماد راسخ کرنا بہت اہم ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے معتمد تھے، ان کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ پر مکمل اعتماد و اعتقاد تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے ان میں خود اعتمادی کا جوہر پیدا فرما دیا تھا، اور پھر ان کے والہانہ انداز اور سرفروشانہ جذبوں نے آپ ﷺ کی نگاہ میں ان کو بے حد قابل اعتماد بنا دیا تھا، اور انہیں کے ذریعہ آپ ﷺ نے پورے جزیرۃ العرب کی کایا پلٹ دی تھی، نئی روح پھونک دی تھی، ہدایت کی شمعیں ہر جگہ فروزاں کردی تھیں۔

توکل، خود اعتمادی اور رفقاء پر کامل اعتماد رسول اللہ ﷺ کی زبان میں ان کا خزانہ تھا، یہی خزانہ ہر مؤمن کے پاس ہونا چاہئے۔

(۷) غم میرا رفیق ہے

رسول خدا ﷺ کو اپنی ذات کا نہیں؛ بلکہ انسانیت کا غم تھا، آپ جو مشن لے کر اس دنیا میں تشریف لائے تھے، اور ہدایت و اصلاحِ خلق کی جو ذمہ داری آپ پر اللہ کی طرف سے ڈالی گئی تھی، اس کی تکمیل کی فکر میں آپ کے روز و شب کا ہر لمحہ اضطراب کے عالم میں گذرتا تھا، آپ کو پوری کائنات کے لئے رحمت عالم اور مبشر و نذیر اور داعی و مصلح بنا کر بھیجا گیا تھا، آپ اپنے اس فرض کی انجام دہی کے لئے ہمہ وقت کوشاں اور بے قرار رہا کرتے تھے اور کسی بھی نوع کی غفلت سے ہر آن لرزاں و ترساں رہتے تھے۔

قرآنِ کریم آپ کے اسی غم انسانیت اور اضطرابِ دائمی کا تذکرہ کرتا ہے:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ أَلَّا یَکُونُوا مُؤْمِنِیْنَ. (الشعراء: ٣)

اے نبی! شاید آپ اس غم میں اپنی جان کھودیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

دعوت واصلاح کی پرخطر راہ پر چلنے والے ہر فرد میں شریعت کی مطلوبہ کیفیت یہی ہے کہ وہ اپنے مدعو کی اصلاح کے لئے تڑپتا رہے اور اس کی بے قراری کو تبھی قرار آئے جب اس کا مشن تکمیل کا مرحلہ طے کرلے۔

(۸) علم میرا ہتھیار ہے

اسلام میں علم کو اولین اہمیت دی گئی ہے، ابتدائی وحی میں علم ہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ، إِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ، الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ. (العلق: ١-٥)

اپنے اس پروردگار کا نام لے کر پڑھئے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھئے! آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جس سے وہ ناآشنا تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر ''تعلیم اسماء'' ہی کی بنیاد پر فضیلت دی گئی اور خلافت ارضی کی ذمہ داری عطا کی گئی، خود حضور اکرم ﷺ کے مقاصد بعثت کے ذیل میں قرآن کریم میں جابجا تعلیمِ کتاب وحکمت کا ذکر ملتا ہے، اسی کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً. (مشکوۃ المصابیح: العلم: ٢٥٧)

مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ علم کی طاقت سے ہر معرکہ سَر ہو سکتا ہے، اسی لئے اس کو ہتھیار قرار دیا گیا ہے، اس کے ذریعہ ہر دشمن کو زیر کیا جا سکتا ہے، قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق قارون کی بے پناہ دولت وثروت، شان وشوکت، تعیش وطمطراق اور ٹھاٹ باٹ کو دیکھ کر ظاہر بین سطحی لوگ ریجھنے لگے اور کہنے لگے:

یَا لَیۡتَ لَنَا مِثۡلَ مَا أُوتِیَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ. (القصص: ۷۹)

کاش! ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارون کو ملا ہے، وہ تو بڑا نصیبے والا ہے۔

مگر اس ثروت وتعیش کو اگر کسی نے پرِ کاہ اور ذرۂ بے مقدار کے برابر بھی قابل اعتناء نہ سمجھا تو علم کی دولت سے بہرہ مند افراد نے، انہوں نے علم کی دولت وطاقت کے ذریعہ سے مادیت پرستی اور دنیوی ہنگامی آرائشوں کی طاقت کو توڑ دیا، اور کہا:

ثَوَابُ اللّٰهِ خَیۡرٌ لِّمَنۡ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً وَلَا یُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ. (القصص: ۸۰)

اللہ کا ثواب اس شخص کے لئے بدرجہا بہتر ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اور یہ دولت صبر کرنے والوں ہی کو ملتی ہے۔

خوفِ خدا اور خشیت ربانی جو انسان کی زندگی کے ہر موڑ پر ضروری چیز ہے اور جس کے بغیر انسان نہ منزل کا صحیح ادراک وتعین کر سکتا ہے اور نہ اپنا لائحۂ عمل طے کر سکتا ہے، یہ دولت بھی اہل علم ہی کے حصہ میں آتی ہے، قرآن کہتا ہے:

إِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمَاءُ. (الفاطر: ۲۸)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے اس کے صرف وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں۔

قرآن ہی کی شہادت کے مطابق اللہ کی وحدانیت کا راز بھی صرف اصحابِ علم پر

آشکارا ہوتا ہے، ارشاد ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ وَالْمَلاَئِكَةُ وَأُوْلُواْ الْعِلْمِ قَآئِمَاً بِالْقِسْطِ. (اٰل عمران: ١٨)

اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور وہ عدل وانصاف کرنے والا ہے، اور یہی شہادت ملائکہ اور اہل علم نے بھی دی ہے۔

اہل علم کے ذکر میں قرآن کریم ایک جگہ کہتا ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ. (المجادلة: ١١)

تم میں سے جو ایمان والے ہیں، اور جن کو علم بخشا گیا ہے اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔

قرآن دوسری جگہ کہتا ہے:

هَلْ يَسْتَوِيْ الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُونَ. (الزمر: ٩)

کیا علم والے اور جاہل دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں۔

اسی لئے اللہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو تلقین فرمائی کہ وہ اپنے رب سے اضافۂ علم کی دعا کرتے رہیں:

وَقُل رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْماً. (طه: ١١٤)

اور دعاء کیجئے کہ اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر۔

حضور ﷺ کے بقول:

اَلْعِلْمُ ثَلاثَةٌ: آيَةٌ مُحْكَمَةٌ، أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ، أَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ، وَمَا كَانَ سِوَىٰ ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ. (مشكوة المصابيح: العلم: ٢٣٩)

علوم صرف تین ہیں: قرآن، حدیث اور وہ مسائل جنہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔

حدیث میں علم دین کے حصول کو ہر مسلمان کا لازمی فریضہ قرار دیا گیا ہے، احادیث کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم وحکمت کی دولت قابل رشک دولت ہے، جس کے حصول کی تمنا ہر دل میں ہونی چاہئے، اور انسان کی موت کے بعد بھی اسے اپنے اس علم کی بدولت مسلسل ثواب ملتا رہتا ہے، جس کا فائدہ لوگوں تک پہنچتا رہے، اللہ کے رسول ﷺ نے علم نافع کی دعا اور علم غیر نافع سے پناہ خود بھی مانگی ہے اور دوسروں کو اس کا حکم بھی فرمایا ہے، اور علم کو انبیاء کی میراث قرار دیا ہے، اور یہ واضح کر دیا ہے کہ حصول علم میں مشغول افراد کے لئے آسمان کے فرشتوں سے لے کر سمندر کی مچھلیوں اور زمین کی چیونٹیوں تک تمام مخلوقات دعاء خیر اور اظہار محبت کرتی ہیں۔

حدیث میں بتادیا گیا ہے کہ علم دین سے ناواقف واقف کاروں سے سیکھیں اور واقف کار انہیں سکھائیں، رسول اللہ ﷺ نے دعا ومناجات میں مشغولیت سے زیادہ افضل تعلیم وتعلم کو قرار دیا ہے؛ لیکن دوسری طرف دنیوی اغراض کے لئے، ریاء وسمعہ کے لئے علم حاصل کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم بتادیا گیا ہے، اور اسے جنت کی خوشبو سے محروم قرار دیا گیا ہے، (ملاحظہ ہو: مشکوۃ المصابیح: العلم) بے عمل عالم کی مثال حدیث میں اس چراغ کی سی بتائی گئی ہے جو دوسروں کو تو روشنی فراہم کرتا ہے؛ لیکن اپنی ہستی کو بس جلاتا رہتا ہے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ: البانی: ۷/۱۱۳۳)

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ دین کا خالص علم مؤمن کے لئے تمام معرکوں میں سب سے کارآمد ہتھیار ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ خلوص وعمل کے زیور سے آراستہ ہو۔

(۹) صبر میری پوشاک ہے

پوشاک کی خصوصیت اور مقصد برہنگی اور عریانیت سے بچاؤ، پردہ پوشی، موسم کی سختیوں سے حفاظت اور تزئین وآراستگی ہوتا ہے، صبر وتحمل بھی انسانی عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

صبر کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، عام طور پر اس کی تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں: (۱) مصائب پر صبر (۲) معاصی سے صبر (پرہیز) (۳) طاعات پر صبر (جماؤ) مختصر لفظوں میں صبر کا مفہوم اللہ کے حکم کی تعمیل میں خواہش نفس کا دبانا اور کچلنا اور اس راہ کی تلخیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرتے رہنا ہے، قرآنی بیان کے مطابق صبر انسان کی فلاح اور کامیابی کی ضمانت ہے، صبر کرنے اور صبر کی تلقین کرنے والوں کو خسارہ اور گھاٹے سے محفوظ بتایا گیا ہے، ارشاد ہے:

> وَالْعَصْرِ، إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ، إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ. (العصر)
>
> زمانے کی قسم! انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

یہ دنیا چوں کہ راحت و مسرت اور مصیبت و غم کا آمیزہ ہے، یہاں خوشی ہے تو رنج و دکھ بھی ہے، تلخی بھی ہے اور شیرینی بھی، اور یہ سب من جانب اللہ ہے؛ اس لئے اہل ایمان کو یہ حکم ہے کہ وہ مصائب کے عالم میں صبر و تحمل کے پیغمبرانہ اسوہ کی پیروی کریں، قرآنِ کریم میں ستر سے زائد جگہوں پر صبر کا بیان ہے، اور بیشتر نیکیوں کو صبر ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور انہیں صبر کا نتیجہ و ثمرہ بتایا گیا ہے، احادیث میں بھی یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ صبر کے نتیجہ میں انسان بہر صورت اپنے رب سے مربوط اور وابستہ رہتا ہے، اور مصائب و ناکامیوں اور رنج و غم کے ہجوم میں بھی وہ دل شکستہ، پژمردہ اور مایوس نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کی عملی توانائیاں بڑھ جاتی ہیں۔

قرآن کا بیان ہے کہ اللہ کی معیت اور نصرت صبر کرنے والوں کے شامل حال رہتی ہے، (البقرۃ: ۱۵۳) حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ہر موڑ پر صبر و تحمل کا نمونہ ملتا ہے، بارہا مصائب کا طوفان آیا، مگر آپ ﷺ صبر و تحمل اور استقامت میں پہاڑ سے زیادہ مضبوط ثابت ہوئے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی مدد اور نصرت ہر موقع پر آپ کے ساتھ رہی۔

قرآن کہتا ہے کہ ہر نیکی کا ثواب متعین و مقدر ہے، مگر صبر کا اجر بے حساب ہے، ارشاد ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ. (الزمر: ۱۰)

صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔

حدیث میں روزوں کے بارے میں بے حساب اجر کا ذکر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ بھی صبر ہی کی قسم ہے، (مشکوۃ المصابیح: الصوم: ۱۹۵۹، الطہارۃ: ۲۹۶) حضرت انسؓ نے آپ ﷺ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن میزانِ عدل قائم کی جائے گی، اہل صدقہ آئیں گے تو ان کے صدقات کو تول کر اس کے حساب سے پورا پورا اجر دے دیا جائے گا، پھر جب بلا اور مصیبت میں صبر کرنے والے آئیں گے، تو ان کے لئے کوئی کیل اور وزن نہیں ہوگا؛ بلکہ بغیر حساب و اندازہ کے ان کی طرف اجر و ثواب بہا دیا جائے گا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ لوگ جن کی دنیوی زندگی عافیت میں گذری، تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش! ان کے بدن دنیا میں قینچیوں کے ذریعہ کاٹے گئے ہوتے، تو ہمیں بھی صبر کا ایسا ہی صلہ ملتا۔ (معارف القرآن: ۷/۵۴۳، مشکوۃ المصابیح: الجنائز: باب عیادۃ المریض الخ: ۱۵۷۰)

قرآن کی صراحت کے مطابق اہل صبر پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات اور نوازشیں ہوں گی، رحمت الٰہی ان پر سایہ فگن ہوگی اور وہ ہر موڑ پر راست رو رہیں گے۔ (البقرۃ: ۱۵۷)

احادیثِ نبویہ میں کہیں صبر کو سراسر خیر اور موجب برکت بتایا گیا ہے، اور کہیں جنت میں داخلہ کی ضمانت قرار دیا گیا ہے، صبر کو ذریعۂ مغفرت اور باعث نجات بتایا گیا ہے، (مستفاد: مشکوۃ المصابیح: الرقاق: باب التوکل والصبر، الترغیب والترہیب: الترغیب فی الصبر) صبر کے بارے میں یہ بھی آیا ہے کہ:

وَلَنْ تُعْطَوْا عَطَاءً خَيْراً وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ. (بخاری: الرقاق: باب الصبر عن محارم اللّٰه: ٦٤٧٠)

تم کو صبر سے بہتر اور وسیع تر عطا نہیں بخشی گئی۔

یعنی صبر کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ تمام محاسن اور خوبیوں کو جامع ہے، زندگی کے اعلیٰ اقدار کا حصول صبر ہی کا رہین منت ہوتا ہے، صبر ہی ہمہ نوعی تنگیوں کو دور اور ذہن وفکر اور سعی وعمل کو وسیع کرتا ہے، ایک حدیث میں صبر کو روشنی قرار دیا گیا ہے (مسلم: الطہارۃ: باب فضل الوضوء: ۵۳۴) صبر ایمانی اعلیٰ اخلاق کا اہم ترین شعبہ ہے اور عزیمت کے کاموں میں سے ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ ایمان کے چار ستون ہیں: (۱) جہاد (۲) یقین (۳) صبر (۴) عدل، اور صبر کو وہ مقام حاصل ہے جو جسم میں سر کو حاصل ہے، جس کے پاس سر نہ ہو اس کا جسم بے کار ہے، ایسے ہی جس میں صبر نہ ہو اس کا ایمان بے کار ہے۔ (احیاء العلوم: ۴/۵۶) صبر کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے اسے اپنی پوشاک اور لباس قرار دیا ہے۔

(۱۰) رضا میرا مالِ غنیمت ہے

اللہ کی رضا جوئی کو رسول اکرم ﷺ نے اپنا مالِ غنیمت قرار دیا ہے، جہاد فی سبیل اللہ اور دیگر تمام عبادات میں آپ ﷺ کے پیشِ نظر اللہ کی خوشنودی اور رضامندی کا حصول ہوتا تھا، آپ ﷺ نے مجاہد اسی کو قرار دیا جو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے لڑے، مال ودولت کے حصول کے لئے لڑائی جہاد نہیں ہے، آپ ﷺ نے یہ یقین اپنے اصحاب کے دلوں میں پیوست اور راسخ فرمادیا تھا کہ:

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

مختلف اعمال وعبادات کے ذکر میں آپ ﷺ نے احتساب کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو نیک عمل بھی کیا جائے اس کا باعث ومحرک صرف اللہ کے اجر وثواب کی امید وطلب ہو، کوئی دوسرا جذبہ ومقصد اس کا محرک نہ ہو، حدیث میں آیا ہے کہ:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَاناً وَاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ،

وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَاناً وَاحْتِسَاباً غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ، وَمَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَاناً وَاحْتِسَاباً غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (بخاری: الایمان: ۳۵، ۳۷، ۳۸)

جو ایمان اور ثواب الٰہی کی امید کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے، رمضان کی راتوں میں قیام (تراویح وتہجد) کا اہتمام کرے، شب قدر میں نوافل پڑھے، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

قرآنِ کریم میں بھی تمام اعمالِ صالحہ کی غرض وغایت رضائے الٰہی ہی بتائی گئی ہے، یہ اسلامی اخلاق کا بنیادی اصول ہے، قرآن کہتا ہے کہ انسان اپنی جان اور مال دونوں دولتیں رضائے الٰہی کی راہ میں لگادے، ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ. (البقرة: ۲۰۷)

انسانوں میں بعض ایسے ہیں جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپادیتے ہیں، ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ. (البقرة: ۲۶۵)

جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے دل کے پورے ثبات وقرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی بلند سطح پر ایک باغ ہو، اگر زور کی بارش ہو تو دوگنا پھل لائے، اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس کے لئے کافی ہوجائے۔

صدقات وخیرات کی تلقین، اعمال صالحہ کا حکم، لوگوں کے معاملات کی اصلاح، صبر

وتحمل، اہل قرابت کے حقوق کی ادائیگی، مساکین وفقراء کی مدد، مسافروں کے ساتھ حسن معاملہ، یہ تمام نیکیاں ہیں جن کی نام بہ نام صراحت قرآنِ کریم میں ہے، اور ہر ایک کے ساتھ جذبۂ طلب رضائے الٰہی کو اساس وبنیاد کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ حصول رضائے الٰہی کی طلب تمام اعمال کی روح ہے، اس کے بغیر تمام اعمال بے جان ہیں۔

(۱۱) تواضع اور انکساری میرا فخر ہے

انسانیت کی سب سے بڑی بلندی اور رفعت تواضع، خاکساری، انکساری اور عبدیت ہے، کبریائی صرف خدائے واحد کے لئے زیبا ہے، اور اسی کے شایانِ شان ہے، انسان کا سب سے بڑا سرمایۂ افتخار تواضع اور فروتنی ہی ہے، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

مَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلاَّ رَفَعَهُ اللّٰهُ. (ترمذی: البر والصلة: باب ما جاء فی التواضع: ۲۰۲۷)

جو شخص بھی خدا کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے لازماً بلند کر دیتا ہے۔

ارشادِ نبوی ہے:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ، فَهُوَ فِيْ نَفْسِهِ صَغِيْرٌ، وَفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ، وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ، فَهُوَ فِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ، وَفِيْ نَفْسِهِ كَبِيْرٌ، حَتّٰى لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِيْرٍ. (مشکوة المصابیح: الادب: باب الغضب والکبر: ۵۱۱۹)

جس نے اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا کے حصول کے لئے خاکساری اور تواضع کا رویہ اختیار کیا تو اللہ اس کو بلند کر دے گا، پھر وہ اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا، لیکن عام بندگانِ خدا کی نگاہ میں اونچا ہوگا، اور جو تکبر کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ اس کو نیچے گرا دے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں

میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا اگر چہ وہ خود اپنے خیال میں بڑا ہو گا، لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا۔

تقویٰ اور خدا ترسی کا لازمی نتیجہ تواضع ہے، چوں کہ آپ ﷺ تقویٰ کے لحاظ سے سب سے برتر تھے، اسی لئے تواضع و عبدیت میں بھی آپ سب پر فائق تھے، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ: ہم کو رسول اکرم ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا، مگر ہم آپ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ آپ اس کو ناپسند فرماتے تھے۔ (ترمذی: الادب: باب ماجاء فی کراہیۃ قیام الرجل للرجل: ۲۷۵۴)

روایات میں آتا ہے کہ مدینہ منورہ کی لونڈیوں اور باندیوں میں سے کوئی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جو کچھ کہنا ہوتا کہتی، اور جتنی دور چاہتی لے جاتی۔ (مشکوۃ المصابیح: الفضائل: باب فی اخلاقہ وشمائلہ: ۵۸۰۹)

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے، فرماتے تھے:

آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ. (ایضاً: ٥٨٣٦)

جیسے غلام کھاتا اور بیٹھتا ہے ایسے ہی میں کھاتا اور بیٹھتا ہوں۔

آپ ﷺ نے عدی بن حاتم طائی کو اپنے گھر بلایا، باندی نے ٹیک لگانے کے لئے تکیہ پیش کیا، مگر آپ زمین پر بیٹھے، ٹیک نہ لگایا، خود گھر کی صفائی، اونٹ کو باندھنا، جانور کو چارہ دینا، غلاموں کے ساتھ کھانا، ان کی دعوت بخوشی قبول کرنا، بازار سے سودا لانا، یہ سب آپ ﷺ کی تواضع کے نمونے ہیں۔ (ایضاً: ۵۸۲۰، ۵۸۲۲)

اور اسی نے آپ کو رفعت کے سب سے اعلیٰ مقام پر پہنچایا، اسی لئے آپ نے تواضع کو فخر قرار دیا ہے۔

قرآنِ کریم میں آپ ﷺ کو اسی کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا گیا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ. (الحجر: ٨٨)

اہل ایمان کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ. (الشعراء: ٢١٥)

ایمان لانے والوں میں سے جو لوگ آپ کی پیروی اختیار کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے۔

رحمٰن کے بندوں کے اوصاف میں ایک وصف زمین پر فروتنی کے ساتھ چلنا بیان ہوا ہے۔ (الفرقان: ۶۳)

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے تواضع کے ذیل میں متعدد نصائح کیں جو قرآنِ کریم میں مذکور ہیں، ان میں بات کرنے میں لوگوں سے بے رخی اور اعراض نہ کرنا، اکڑ کر نہ چلنا، چال میں غرور نہ ہونا، آواز میں متکبرانہ کرختگی نہ ہونا وغیرہ شامل ہیں۔ (الفرقان)

حاصل یہ ہے کہ:

> ''تواضع کا مقصد معاشرتی زندگی میں خوش گوار لطافت پیدا کرنا ہے، اور یہی لطافت ہے، جو ایک خاکسار شخص کی چال ڈھال اور بات چیت تک سے ظاہر ہونی چاہئے۔'' (سیرت النبی: ۲۴۱/۶)

(۱۲) زہد میرا پیشہ ہے

زہد کے معنی ہیں: ''دنیا سے قلبی اعراض، آخرت کے لئے دنیا کی لذتوں سے بے رغبت ہونا، اور عیش و تنعم کی زندگی سے دست بردار ہونا''۔

امام مالکؒ کے بقول: ''زہد، حلال کمائی کے اہتمام اور دنیوی آرزوؤں کی کمی کا نام ہے، ترکِ مال و اسباب کا نام زہد نہیں ہے؛ بلکہ دنیا سے بے رغبتی، بخل اور فضول توقعات سے پرہیز اور اللہ پر کامل اعتماد زہد ہے، حدیث میں آیا ہے کہ: ''دنیا میں زہد کا مطلب مال کو ضائع کرنا اور حلال کو حرام کرنا نہیں ہے، بلکہ اپنے پاس موجود چیزوں کے بجائے اللہ کے خزانے پر زیادہ اعتماد کا نام زہد ہے''۔ (طیبی شرح مشکوۃ شریف: ۳۵۱/۹)

رسول اللہ ﷺ نے زہد کو اپنا پیشہ قرار دیا ہے، آپ کی پوری زندگی زاہدانہ تھی، زہد نبوی

کے سلسلہ میں کتب احادیث میں بڑے واقعات وروایات ہیں، آپ کا فقر اختیاری تھا، آپ نے اپنے لئے اللہ سے دعا کی:

اَللّٰھُمَّ أَحْیِنِیْ مِسْکِیْناً وَأَمِتْنِیْ مِسْکِیْناً وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ. (مشکوۃ المصابیح: الرقاق: باب فضل الفقراء الخ: ٥٢٤٤)

اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ، اور مسکینی کی حالت میں دنیا سے اٹھا اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔

روایات میں ہے کہ دو دو ماہ تک آپ ﷺ کا چولہا ٹھنڈا رہتا تھا، کھجور اور پانی پر گذارا ہوتا تھا، ایک بار تیس دن رات آپ ﷺ پر اس طرح گذرے کہ کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے، اپنی پوری زندگی آپ نے اور آپ کے اہل خانہ نے جو کی روٹی سے بھی متواتر دو دن پیٹ نہیں بھرا۔ (ایضاً: ۵۲۳۷، ۵۲۵۳)

آپ ﷺ کھجور کے پتوں سے بنی چٹائی پر لیٹے تھے، آپ کے جسم پر چٹائی کے گہرے نشانات تھے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! خوش حالی وفراخی کی دعا کیجئے، روم وفارس والے بڑے خوش حال ہیں، جب کہ وہ خدا پرست بھی نہیں ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

یَا ابْنَ الْخَطَّابِ! أُوْلٰئِکَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَھُمْ طَیِّبَاتُھُمْ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا، أَمَا تَرْضٰی أَنْ تَکُوْنَ لَھُمُ الدُّنْیَا وَلَنَا الآخِرَۃُ. (ایضاً: ٥٢٤٠)

اے ابن خطاب! ان کو ان کی لذتیں دنیا میں دے دی گئی ہیں، کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لئے دنیا کا عیش ہو اور ہمارے لئے آخرت کا عیش؟

ایک روایت میں فراخی کی دعا کے مطالبہ پر آپ کا یہ جواب بھی مذکور ہے کہ:

إِنَّمَا أَنَا وَالدُّنْیَا إِلَّا کَرَاکِبٍ إِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَھَا. (ابن ماجۃ: الزھد: باب مثل الدنیا: ٤١٠٩)

میں اس دنیا میں اس مسافر کی طرح ہوں، جو سایہ کے لئے کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو اور پھر اپنی منزل کی طرف چل دے۔

صلاح وتقویٰ کے ساتھ حاصل ہونے والی دولت کو بھی اللہ کی نعمت قرار دیا گیا ہے، بلکہ مقاصدِ حسنہ کے لئے حصولِ دولت کی فضیلت بھی آئی ہے، دولت کے حصول میں مکمل انہماک اور ضروریاتِ دین سے بے اعتنائی سے منع کیا گیا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ اس امت کے صلاح کی بنیاد زہد اور یقین ہے۔ (مشکوۃ المصابیح: الرقاق: باب الأمل والحرص: ۵۲۸۱)

احادیث میں زہد کو محبت الٰہی کا ذریعہ بتایا گیا ہے، زاہدوں کی صحبت کی تلقین کی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے خاص بندے عیش وتنعم سے کوسوں دور رہتے ہیں۔ (الترغیب والترہیب: الترغیب فی الزہد الخ)

رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کا ہر لمحہ زہد واستغناء سے عبارت تھا، اسی لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ زہد واستغناء آپ کا پیشہ تھا۔

(۱۳) یقین میری توانائی ہے

پہلے یہ حدیث ذکر کی جاچکی ہے کہ:

أَوَّلُ صَلاحِ هٰذِهِ الأُمَّةِ اليَقِيْنُ وَالزُّهْدُ. (مشكوة المصابيح: الرقاق: باب الأمل والحرص: ٥٢٨١)

اس امت کے صلاح کی بنیاد زہد اور یقین ہے۔

یہ دونوں باہم دگر یوں مربوط ہیں کہ انہیں الگ نہیں کیا جاسکتا، اور یہی تمام بھلائیوں کا منبع بھی ہے، یقین کی ایک قسم علم الیقین ہے جو عقل سے حاصل ہوتا ہے، دوسری قسم عین الیقین ہے جو مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے، اور تیسری قسم حق الیقین ہے جو تجربہ سے حاصل ہوتا ہے، گویا یقین کے حصول کے تین ذریعے ہیں، عقل ومشاہدہ اور تجربہ، اسی لئے اس میں علم، واقعیت اور راستی کی توانائی بھی ہوتی ہے اور یہ توانائی صبر وتحمل، پامردی، استقلال، عزیمت وشکیمت، ہمت وحوصلہ عطا کرتی ہے، اور اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی بڑی سے بڑی قربانی پیش

کر دیتا ہے، عقائد وایمانیات میں روح اسی یقین کامل کی بدولت پڑتی ہے، یقین کی قوت سے محرومی موت کے ہم معنی ہے، قوتِ یقین سے مالا مال قومیں زندہ اور منصب قیادت پر فائز ہوتی ہیں، جب کہ اس سے تہی دست اقوام مردہ اور پس ماندہ ہوتی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کو اللہ پر، آخرت پر اور اپنی دعوت کی حقانیت اور اپنے مشن و پیغام کی صداقت اور واقعیت پر مکمل یقین تھا، اور اسی یقین کا نتیجہ تھا کہ مسلسل کامیابیوں نے آپ کے قدم چومے، یقین کا رتبہ سب سے بلند اور مقدم ہے، بقول علامہ اقبالؒ ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

حدیث میں شک وارتیاب کو کفر قرار دیا گیا ہے، (دلائل النبوۃ: بیہقی: ۲۶۲/۵) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یقین وایمان لازم ملزوم ہیں، یقین کا مطلب صرف یہ نہیں کہ کسی عقیدہ کو عقلی دلائل کی روشنی میں مان لیا جائے یا دماغ اس کے مان لینے کا رسمی و سطحی انداز میں اعتراف کرلے، بلکہ یقین تو یہ ہے کہ دل وجان سے کسی چیز پر اعتقاد ثابت وراسخ ہوجائے، اور عقل وارادہ اور جذبات سب پر وہی غالب ہوجائے اور چھا جائے۔

(۱۴) صدق میرا حامی اور سفارشی ہے

عقیدہ، زبان، دل، عمل، فکر ونظر سب کی سچائی آدمی کو صدیق بناتی ہے، راستی پیغمبرِ اسلام ﷺ کا بے حد امتیازی وصف تھا، دعوائے نبوت سے قبل ہی آپ کو ’’الصادق‘‘ کے لقب سے پکارا جاتا تھا، تمام باطل قوتوں کے جھوٹ کو آپ ﷺ کی راستی اور سچائی نے شکست دی تھی۔

سچائی ایمان کی اور جھوٹ نفاق کی علامت ہے، (بخاری: الایمان: باب علامۃ المنافق: ۳۳) قرآنِ کریم سچوں کی صحبت میں رہنے کا حکم دیتا ہے، (التوبۃ: ۱۱۹) سچائی کو باعث اطمینان وسکون چیز قرار دیا گیا ہے، (ترمذی: الورع: ۲۵۱۴) اسے نیکی اور جنت کی طرف راہ نما بتایا گیا ہے، اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ سچائی انسان کو زندگی کے ہر شعبہ میں نیک بنا دیتی ہے، اور جھوٹ انسان کو ہر

شعبۂ زندگی میں بدکار بنا دیتا ہے۔ (مسلم: البر والصلۃ: باب قبح الکذب الخ: ۶۶۳۹)

روایات میں آتا ہے کہ مؤمن سب کچھ ہوسکتا ہے مگر جھوٹا اور بددیانت نہیں ہوسکتا، (الترغیب والترہیب: الترغیب فی الصدق: ۳/۵۹۵) ایمان کے ساتھ دروغ گوئی اور خیانت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان ہے کہ: ''سچائی کا دامن ہاتھ سے کبھی نہ چھوڑو چاہے جان ہی کیوں نہ چلی جائے''۔ (مواعظ الصحابۃ: صالح احمد الشامی: ۱۰۰)

حضرت کعب بن مالکؓ کو پچاس روز کے پر مشقت مقاطعہ سے اسی سچائی کی بدولت نجات ملی تھی، اسی لئے کہا گیا ہے کہ سچائی کی موت جھوٹ کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔

(بخاری: المغازی: باب حدیث کعب بن مالکؓ: ۴۴۱۸)

حدیث میں آیا ہے کہ:

اَلصَّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُھْلِکُ. (موسوعۃ ابن ابی الدنیا: ۳/۱۹۸)

سچائی نجات دیتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔

مزید وارد ہوا ہے کہ مسلمان اپنے وقار اور نرم کلامی اور راست گوئی سے پہچانا جاتا ہے، (ایضاً) قرآنِ کریم میں اہل صدق کو فلاح یاب اور خدا ترس قرار دیا گیا ہے، اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ قیامت میں نجات اہل صدق ہی کو ملے گی۔ (الزمر: ۳۳، المائدہ: ۱۱۹)

سچائی اپنی ذات میں ایک طاقت ہے، حق اور راستی پر ہونے کا احساس انسان کو دلیر بنا دیتا ہے، سچا انسان بلند ہمت اور عالی حوصلہ ہوتا ہے، اس کے انداز میں کوئی جھول نہیں ہوتا، جب کہ جھوٹ انسان کو بے زبان اور پست ہمت بنا دیتا ہے۔

(۱۵) اطاعتِ الٰہی میرے لئے بس ہے

اللہ کی اطاعت، اس کی عبدیت، اس کی غلامی، اس کے تمام اوامر ونواہی کی پابندی، ہر شعبۂ زندگی اور ہر مرحلۂ حیات میں اس کی پیروی ہی مؤمن کا اصل سرمایہ ہے، انسان جب عبدیت کاملہ کا مقام حاصل کرلیتا ہے، تو پھر اللہ اس کے لئے کافی ہوجاتا ہے، اور وہ ہر چیز

سے مستغنی ہو جاتا ہے، اطاعت الٰہی کے فائدے دنیا میں نقد بھی ظاہر ہوتے ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ:

قَالَ رَبُّكُمْ عَزَّوَجَلَّ: لَوْ أَنَّ عِبَادِيْ أَطَاعُوْنِيْ لَأَسْقَيْتُهُمُ الْمَطَرَ بِاللَّيْلِ وَأَطْلَعْتُ عَلَيْهِمُ الشَّمْسَ بِالنَّهَارِ وَلَمْ أُسْمِعْهُمْ صَوْتَ الرَّعْدِ. (المستدرك: التفسير: سورة الرعد: ۳۳۸۳۱)

اللہ نے فرمایا کہ اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں ان پر رات کو بارش برساؤں اور دن میں ان پر دھوپ نکالوں اور انہیں بجلی کی کڑک کی آواز نہ سناؤں۔

رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی اطاعت الٰہی کی حسین زندگی تھی، اسی لئے قرآنِ کریم میں جا بجا اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا بھی حکم ہے، فرمایا گیا:

قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ، قُلْ أَطِيعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ. (آل عمران: ۳۱-۳۲)

اے نبی! آپ فرما دیجئے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا، اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے، آپ فرما دیجئے کہ اللہ ورسول کی اطاعت قبول کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوْا أَطِيعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيعُوْا الرَّسُولَ. (النساء: ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَن تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظاً. (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی، اور جو

منہ موڑ گیا تو بہر حال ہم نے آپ کو ان لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔

جگہ جگہ اطاعت خدا ورسول کو فوز وفلاح قرار دیا گیا ہے، اور اسے رحمت الٰہی اور فیضانِ خداوندی کا ذریعہ بتایا گیا ہے، خود جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور نافرمان جہنم میں جائے گا، (مشکوۃ المصابیح: باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ: ۱۴۳) اور میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع جب تک خواہش نفس نہ ہوگی ایمان معتبر اور مکمل نہ ہوگا۔ (ایضاً: ۱۶۷)

(۱۶) جہاد میرا خلق ہے

حق کی سربلندی اور اس کی اشاعت وحفاظت کے لئے ہر قسم کی کوشش اور سعی جہاد ہے، قرآنِ کریم میں جہاد بالنفس اور جہاد بالمال دونوں کا ذکر جابجا آیا ہے، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی اور قتال جہاد اصغر ہے اور نفس کی خواہشات کو دبانا اور کچلنا جہاد اکبر ہے، جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم جہاد بالنفس ہے، (مشکوۃ المصابیح: الایمان: ۳۴) قرآن کہتا ہے:

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ. (الحج: ۷۸)

اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

جہاد کی ایک قسم جہاد بالعلم ہے، یعنی علم کی روشنی پھیلا کر اور علم کے چراغ جلا کر جہالت کی تاریکی چھانٹ دینا، ہر صاحب علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ جہالت کا خاتمہ کرنے کی مہم میں لگ جائے، دعوتِ دین بھی جہاد ہے، جہاد بالمال یہ ہے کہ راہِ خدا میں مال خرچ کیا جائے، حق گوئی جہاد باللسان ہے، حق نویسی جہاد بالقلم ہے، ہر نیک کام میں اپنی جانی ومالی ودماغی قوت صرف کرنا جہاد ہے، رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی جہاد مسلسل سے عبارت تھی، بعثت سے پہلے آپ کا جہاد نفس وشیطان سے تھا اور بعثت کے بعد نفس وشیطان کے ساتھ کفار ومشرکین سے بھی تھا، عظمت وبلندی کا راز جہاد میں پنہاں ہے، ایک حدیث میں جہاد کو "ذِرْوَةُ سَنَامِهِ" (اسلام کی عظمت ورفعت) قرار دیا گیا ہے، (مشکوۃ المصابیح: الایمان: ۲۹) اس موضوع پر بے شمار نصوص ہیں، کتب احادیث میں ان کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱۷) میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے

ایمان کے بعد اعمال میں سب سے افضل اور عبادات میں سب سے اعلیٰ عبادت نماز ہے، حدیث میں آتا ہے کہ نماز ایمان کا ایسا لازمی جزء اور شعار ہے کہ اس کو قصداً چھوڑنے کے بعد انسان گویا کفر و شرک کی گمراہیوں میں پہنچ جاتا ہے، (مشکوۃ المصابیح: الصلوۃ: ۵۷۴) قرآن وحدیث میں نماز کے تعلق سے تعلیمات کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے۔

نماز کو دین کا ستون اور بنیاد قرار دیا گیا ہے، (ایضاً: الایمان: ۲۹) اسے توحید کا عملی ثبوت بتایا گیا ہے، نماز کی اہمیت، فضیلت، برکات و ثمرات ایک مستقل موضوع ہے، جس پر کتابیں موجود ہیں، حضور اکرم ﷺ نے نماز کو آنکھ کی ٹھنڈک اور دل کا سکون قرار دیا ہے، (ایضاً: الرقاق: باب فضل الفقراء الخ: ۵۲۶۱، الصلوۃ: باب القصد فی العمل: ۱۲۵۳) نماز کے بے شمار فوائد ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ایمان میں ترقی اور اس کی حفاظت۔

(۲) زندگی میں کنٹرول۔

(۳) حالات کا سدھر جانا۔

(۴) زندگی کا پرسکون ہونا۔

(۵) معاشرت و معاملات کا درست ہونا۔

(۶) اللہ سے بے پایاں تعلق قائم ہونا؛ کیوں کہ نماز اللہ سے سرگوشی اور مخاطبت کا نام ہے۔

(۷) نماز سے جذبات میں اعتدال آتا ہے۔

(۸) اجتماعیت اور اتحاد و الفت۔

(۹) جسمانی طہارت اور پاکی کا حصول۔

(۱۰) روحانی پاکیزگی و بلندی کی یافت۔

◆

پانچ پیغمبرانہ اوصاف

حضور اکرم ﷺ پر پہلی بار جو وحی نازل ہوئی اس کے بعد آپ پر اضطراب اور گھبراہٹ کا عالم طاری ہوا تھا اور آپ اسی وقت غارِ حراء سے گھر واپس آئے، اس موقع پر آپ کی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ:

> **كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَداً، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتُكْسِبُ الْمُعْدِمَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ.** (بخاری: الوحی: باب کیف کان بدء الوحی الخ: ۳)
>
> ہرگز اللہ آپ کو رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، اور انہیں کمائی سے لگا دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق کے مصائب میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ اہل مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حضور اکرم ﷺ کے مشورے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حبشہ ہجرت کا ارادہ کر لیا اور مکہ سے نکل پڑے، راستے میں قبیلۂ قارہ کا سردار ''ابن الدغنہ'' آپ سے ملا اور پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ میری قوم نے زندگی اجیرن کر دی، مکے میں رہنا دوبھر کر دیا، اس لئے میں مکہ سے نکل آیا؛ تاکہ آزادی سے اپنے رب کی بندگی کروں، اس پر ابن الدغنہ نے کہا کہ اے ابوبکر! تم جیسے انسان کو نہ نکلنا چاہئے اور نہ نکالا جانا چاہئے، تم نادار کو کمائی سے لگاتے ہو، رشتے ناتے

جوڑتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، دوسروں کا بار اٹھاتے ہو، اور حق کی وجہ سے پیش آمدہ مصائب پر مدد کرتے ہو، میں تم کو پناہ دیتا ہوں، تم مکے واپس چلو، اور اپنے رب کی عبادت اپنے شہر میں کرو، چناں چہ حضرت ابوبکرؓ واپس آئے۔ (بخاری: المناقب: باب ہجرۃ النبی الخ: ۳۹۰۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ دونوں کی زندگیاں اُن پانچ اوصاف سے متصف تھیں، جو عزت، کامیابی اور کامرانی کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) صلہ رحمی

اہل قرابت کے ساتھ حسن معاملہ اور ان کے تمام حقوق کی ہر ممکن ادائیگی کا عنوان شریعت نے صلہ رحمی رکھا ہے، قرآن میں: "ذَوِیُ الْقُرُبیٰ" (رشتہ داروں) کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید متعدد مقامات پر آئی ہے، احادیث میں وضاحت آئی ہے کہ قطع رحمی جنت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ فرمایا گیا:

لَا يَدُخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ. (بخاری: الادب: باب إثم القاطع: ٥٩٨٤)

قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

صلہ رحمی کے دنیوی فوائد کا ذکر آپ ﷺ نے یوں فرمایا ہے کہ:

مَنُ أَحَبَّ أَنُ يُبُسَطَ لَهُ فِي رِزُقِهِ وَيُنُسَأَلَهُ فِي أَثَرِهِ فَلُيَصِلُ رَحِمَهُ. (بخاری: الادب: باب من بسط له فی الرزق بصلة الرحم: ٥٩٨٦)

جو شخص اپنے رزق میں فراخی اور اپنی عمر میں درازی چاہے تو وہ اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

صلہ رحمی کی سب سے افضل صورت جس پر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ عمل خود آپ ﷺ نے فرمایا ہے، اور جس کی آج سب سے اشد ضرورت ہے، اسے اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ:

لَيۡسَ الۡوَاصِلُ بِالۡمُكَافِئِ وَلٰكِنِ الۡوَاصِلُ الَّذِیۡ إِذَا قُطِعَتۡ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا. (بخاری: الادب: باب لیس الواصل بالمکافئ: ۵۹۹۱)

وہ آدمی صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو (صلہ رحمی کرنے والے اقرباء کے ساتھ) بدلے کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے، صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والا دراصل وہ ہے جو اس حالت میں صلہ رحمی کرے اور قرابت داروں کا حق ادا کرے جب وہ اس کے ساتھ قطع رحمی اور حق تلفی کا معاملہ کریں۔

معلوم ہوا کہ قطع رحمی کا جواب قطع رحمی سے دینا معاشرہ کے بگاڑ کو بڑھاوا دینا ہے، قطع رحمی کا جواب صلہ رحمی سے، ظلم کا جواب معافی سے، دہشت گردی کا جواب رحمت سے اور بدسلوکی کا جواب حسن سلوک سے دینا ہی معاشرے میں امن کو فروغ دینا اور صحیح راہ پر گامزن کرنا ہے۔

(۲) درماندوں کا بوجھ اٹھانا

یعنی کمزور، بے چارے، بے سہارا و آسرا بھائیوں کی کفالت و معاونت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، جس پر اللہ کی طرف سے بڑے انعامات کی بشارت امت کو دی گئی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

اَلسَّاعِیۡ عَلَی الۡأَرۡمَلَةِ وَالۡمِسۡكِيۡنِ كَالۡمُجَاهِدِ فِیۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ. (بخاری: الادب: باب الساعی علی المسکین: ۶۰۰۷)

بیوہ اور مسکین حاجت مند کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (ثواب واجر میں) راہِ خدا میں جہاد کرنے والے بندے کی طرح ہے۔

ایک روایت میں الفاظ ہیں:

كَالۡقَائِمِ لَا يَفۡتُرُ، وَكَالصَّائِمِ لَا يُفۡطِرُ. (ایضاً)

اور اس شب بیدار کی طرح ہے جو شب خیزی میں سستی نہ کرتا ہو اور اس

بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزے رکھتا ہو، کبھی ناغہ نہ کرتا ہو۔

مزید ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ. (مسلم: البر والصلة: باب تحريم الظلم: ٦٥٧٨)

جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے اللہ اس کی حاجت روائی فرمائے گا۔

(۳) تہی دستوں کا بندوبست کرنا

یعنی ان کو کمائی سے لگانا، ان کی پریشانی و تہی دستی دور کرنا اور ان کی محتاجگی کا ازالہ اونچے درجہ کی نیکی ہے، ارشاد نبوی ہے:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (مسلم: الذكر والدعاء: باب فضل الاجتماع الخ: ٦٨٥٣)

جو کسی مسلمان کی کوئی دنیوی تکلیف اور پریشانی دور کرے گا اللہ اس کے عوض قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اس کو نجات دے گا۔

کسی کے لئے سفارش کرنا، قرض کم یا معاف کرنا، دوسرے کو اس کی مدد پر آمادہ کرنا سب اسی میں شامل ہے۔

(۴) مہمان نوازی

مہمان نوازی ایمان کامل کی علامت ہے، ہر مسلمان پر یہ لازمی حق ہے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے، حدیث میں آیا ہے کہ:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ. (بخاری: الادب: باب من كان يؤمن الخ: ٦٠١٨)

جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے مہمان کا ضرور اکرام کرے۔

بعض روایات میں ہے کہ تین دن تک ضیافت کرتا رہے، (ایضاً: ۶۰۱۹) حضرت ابراہیم علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کا جذبۂ ضیافت ہر مؤمن کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔

(۵) راہِ حق کے مصائب پر تعاون

ظالم کو ظلم سے روکنا، مظلوم کی مدد، ہمت افزائی، تشجیع، صبر و استقامت کی تلقین بہت بڑی نیکی ہے، حدیث میں آیا ہے کہ:

وَاللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ أَخِیْهِ. (مسلم: الذکر والدعاء: باب فضل الاجتماع الخ: ٦٨٥٣)

بندہ جب تک اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہتا ہے۔

صلہ رحمی، درماندوں کا بار اٹھانا، تہی دستوں کا بندوبست، مہمان نوازی، راہِ حق میں ایک دوسرے کا تعاون یہ سب عام مسلمانوں کے حقوق سے متعلق نیکیاں ہیں، افضل الرسل محمد عربی ﷺ اور انبیاء کے بعد انسانوں میں سب سے افضل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں ان تمام نیکیوں کے جامع تھے، ہر مسلمان ان کی زندگیوں سے نمونہ حاصل کر کے اپنی سیرت کو پاکیزہ بنا سکتا ہے، اور اپنے کو ذلت و رسوائی سے بچا سکتا ہے۔

◆

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت کے چند نمونے

ایک کلمہ گو مسلمان کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر مرحلہ پر اس کے پیارے رسول ﷺ کی سیرت وحیات اور کردار و عمل سب سے بڑا نمونہ ہے، انفرادی، اجتماعی، سیاسی، معاشی اور تعلیمی و تربیتی ہر میدان میں رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ کار سب سے بڑا اسوہ ہے، قرآن کریم میں اس کا ذکر کیا گیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً. (الاحزاب: ۲۱)

درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

امتِ مسلمہ کی فلاح وسعادت اور عزت وکرامت اور دینی ودنیوی کامرانی کا راز صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور اطاعت میں مضمر ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے خیر کی ہر راہ بتادی ہے اور اس پر چلنے کا حکم دیا ہے، اور شر کی تمام راہیں بتا کر ان پر جانے سے منع فرمادیا ہے، قرآنِ کریم میں جا بجا اطاعت رسول اور اس کے فوائد ونتائج کا ذکر آیا ہے، فرمایا گیا: ”جو اللہ و رسول کی اطاعت کرے گا وہ عظیم کامیابی سے ہم کنار ہوگا“ (الاحزاب: ۷۱) اور ”جو کچھ رسول دے دیں اسے لے لو اور جس سے منع کردیں اس سے باز رہو“۔ (الحشر: ۷)

تعلیمی و تربیتی شعبے انسانی زندگی میں خاصی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور سیرتِ طیبہ کا بغور مطالعہ کر کے آپ کے تعلیمی و تربیتی مناہج،

طریقوں اور اسالیب سے باخبر ہونا ضروری ہے؛ تا کہ انہیں خطوط پر چلا جائے اور نمونہ کے افراد تیار کیے جائیں۔

مطالعۂ سیرت سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ تعلیمی و تربیتی میدان میں آپ ﷺ کا اسلوب اپنی تاثیر اور جاذبیت کے لحاظ سے سحر آفریں تقریروں، ادیبانہ مقالات و مضامین اور دل کش قصوں اور واقعات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ فائق تھا، اور یہ اسی حکیمانہ معتدل اسلوب کی برکت تھی کہ عرب کی نِری جاہل، وحشی، ایک دوسرے کے خون کی پیاسی اور جان کی دشمن، اخلاق سے کوری اور تند خو قوم میں سے ایسے افراد تیار ہوئے، جنہیں قرآنِ کریم نے خیر امت قرار دیا، (آل عمران: ۱۱۰) اور جنہیں امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اصلاح عالم اور قیادت کی عظیم وگراں بار ذمہ داریاں سونپی گئیں، اور جو اپنے بعد والوں کے لئے نمونہ اور آئیڈیل ثابت ہوئے، اور جن کے بارے میں قرآنِ کریم نے کہا کہ ''ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں، جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو سچا کر دکھایا''، (الاحزاب: ۲۳) اور جنہوں نے ہر موقع پر قربانیاں دیں، اللہ و رسول کی پکار پر لبیک کہا، اور اسلام کو اپنی زندگی کا اٹوٹ حصہ بنایا، اور جاہلی زندگی کے اخلاقی بگاڑ، کرپشن، سماجی برائیوں اور لعنتوں، انارکی، ظلم، بدعنوانی، بھید بھاؤ، اونچ نیچ، بے حیائی، بدکرداری، بے ایمانی اور لاقانونیت سے نکل کر نیکی، امانت، عدل، مساوات، حیا، ایمان داری اور پاکیزگی کے جوہر سے آراستہ ہوئے، اسی کا ذکر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اس بلیغ تقریر میں ملتا ہے جو انہوں نے شاہِ حبشہ نجاشی کے دربار میں پورے جوش و جذبہ سے کی تھی، انہوں نے کہا تھا: ''اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بتوں کے پرستار تھے، مردار خور، بدکار، بے حیا، بے رحم، بدمعاملہ اور رشتوں ناتوں کو توڑنے والے تھے، ہم میں سے طاقت ور کمزور کو کھا اور دبا رہا تھا کہ اللہ نے ہم پر رحم کیا، اپنا پیغمبر مبعوث فرمایا، جس کے نسب، راستی، امانت، پاکیزگی اور اعلیٰ کردار سے ہم واقف ہیں، پیغمبر نے ہمیں اللہ کی وحدانیت و عبادت کی دعوت دی، ہمیں معبودانِ باطل سے دست برداری کا حکم دیا، ہمیں نماز

وروزہ وزکوٰۃ کا حکم دیا، ہم نے اسے سچا جانا، ایمان لائے، اس کے احکام کی پیروی کی، ایک اللہ کی بندگی کی، شرک سے باز آئے اور اپنا طور طریقہ بدل ڈالا۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۳۵ الخ)

رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا یہ ایک نمونہ ہے، جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی حکیمانہ تربیت کے نتیجہ میں بے مقصد زندگیوں کو بامقصد بنایا اور لوگوں کو اسلام کے دامن عدل میں لاکر دیگر مذاہب کے ظلم وبربریت سے بچایا، اور پھر انہیں صحابہ کرام نے ایسی اسلامی حکومت تشکیل دی جس کی نظیر تاریخ کے کسی دور میں نہیں ملتی، اور انہیں کی محنت سے اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، اور عجیب بات یہ سامنے آئی کہ انہوں نے دلوں کو اپنے اخلاق سے فتح کیا، اس طرح اسلام کا نور مشرق ومغرب میں پھیل گیا، یہ ساری فتوحات وکامیابیاں آپ ﷺ کی تربیت کے نتیجہ میں حاصل ہوئیں۔

احادیث رسول ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کی اخلاقی تعلیم وتربیت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیتے تھے، ان تعلیمات میں بطور خاص راستی، وفاداری، ایثار، قناعت، قربانی، صبر، توکل، اتحاد، محبت، اخلاص، عفت، امانت ودیانت، مساوات ومواسات وغیرہ شامل ہیں، پھر آپ کے شاگرد صحابہ کی زندگیاں ان تعلیمات پر عمل کے قالب میں ہر موقع پر پر ڈھلی ہوئی نظر آتی ہیں، اتنی تاثیر وکشش کی اصل وجہ آپ کا حکیمانہ اسلوب ہے، جس کا ذکر قرآنِ کریم نے یوں کیا ہے:

> فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الأَمْرِ. (آل عمران: ۱۵۹)
>
> یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہیں، ورنہ اگر کہیں آپ تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب آپ کے گرد وپیش سے چھٹ جاتے، ان کے قصور معاف کیجئے اور ان کے حق میں

دعائے مغفرت کیجئے اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ کیجئے۔

اسی اسلوب کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ ایک بار ایک دیہاتی ناواقفیت کی وجہ سے صحن مسجد میں پیشاب کرنے لگا، صحابہ رضی اللہ عنہم اسے مارنے دوڑے؛ لیکن آپ ﷺ نے ان کو منع کیا اور فرمایا: اسے چھوڑ دو، اور پانی سے صفائی کر دو، تم آسانیاں کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ سختیاں کرنے والے بنا کر۔ (بخاری: الوضوء: باب صب الماء الخ: ۲۲۰)

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ آپ نے سختی سے بچتے ہوئے نرمی کا برتاؤ کیا اور شفقت کا معاملہ کیا، اور پھر نرمی سے دیہاتی کو سمجھا دیا کہ مسجدیں نماز وتلاوت اور ذکر اللہ کے لئے ہیں، یہاں گندگیاں پھیلانا غلط بات ہے، (مشکوۃ المصابیح: الطہارۃ: باب تطہیر النجاسات: ۴۹۲) دعوت وتربیت کے میدان میں اس واقعہ سے حسن معاملہ اور نرمی کے زریں اصول اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

اسی اسلوب کا دوسرا نمونہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ: ’’میں مدینہ منورہ میں دس سال تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا، میں نوعمر لڑکا تھا، اس لئے میرا ہر کام آپ ﷺ کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتا تھا اور نوعمری کی وجہ سے بہت کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں؛ لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ نے مجھے اُف کہہ کر بھی نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا‘‘؟ (مشکوۃ المصابیح: الفضائل: باب فی اخلاقہ وشمائلہ: ۵۸۰۱)

اسی کا ایک نمونہ حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ: ’’میں چھوٹا سا تھا، آپ ﷺ کے زیر تربیت تھا، کھاتے وقت میرا ہاتھ پیالہ میں گردش کرتا رہتا تھا، تو آپ ﷺ نے مجھے سمجھایا کہ بسم اللہ پڑھ کر دائیں ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھاؤ‘‘، (بخاری: الاطعمۃ: باب التسمیۃ علی الطعام الخ: ۵۳۷۶) کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، لیٹنے سونے اور جاگنے حتی کہ بیت الخلاء آنے جانے اور استنجاء کرنے کے تمام طریقے اور آداب رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو سکھائے، اس طرح زندگی کے ہر مرحلہ میں آپ کی تعلیمات اور تربیتی اسلوب پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

یہ نبوی تعلیم وتربیت کے چند نمونے ہیں، کتب احادیث میں ایسے بے شمار نمونے ہیں، جن کی تقلید دنیا وآخرت کی سعادت وفلاح کا باعث ثابت ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ایثار واتحاد سے آراستہ روشن کردار

ہجرتِ مدینہ منورہ سیرتِ نبوی کا اہم ترین واقعہ اور تاریخ اسلامی کے ایک بے حد نمایاں اور مؤثر دور کا نقطۂ آغاز ہے، ہجرت کے بعد انصار مدینہ کے مقدس گروہ نے مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت اور ایثار و مودت کا جو معاملہ کیا اور مسلسل کرتا رہا، وہ تاریخ عالم کا محیر العقول اور منعدم النظیر واقعہ تھا، اس کے اسباب کی جستجو انسان کو درماندہ کردیتی ہے، بس تمام اسباب کا اصل سبب یہی ملتا ہے کہ یہ صرف فضل خداوندی اور رحمت ربانی کا نتیجہ تھا، اس میں کسی انسانی حکمت وصنعت اور سیاست وتدبیر کی مطلق کارفرمائی نہ تھی، قرآن کریم میں خداوند قدوس نے یہ واضح فرمایا ہے کہ:

> وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَـكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ. (الانفال: ٦٣)
>
> اللہ نے مؤمنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے، اگر آپ روئے زمین کی تمام دولتیں بھی خرچ کرڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے، مگر وہ اللہ ہے جس نے ان کے دل جوڑے، یقیناً وہ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔

قرآنِ کریم برملا کہہ رہا ہے کہ بکھرے ہوئے انسانی دلوں کو ایک رشتۂ الفت ومحبت میں پرونا اس دنیا میں انسان کے لئے سب سے مشکل کام ہے، خصوصاً صدیوں سے باہم کشت وخون کی فضا میں رہنے اور پرورش پانے والے اور باہمی محبت واتحاد کے الفاظ سے ناآشنا افراد

میں وحدت پیدا کرنے کا کام تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم کے بیان کے مطابق پیغمبر اسلام ﷺ دنیا میں سب سے بڑے صاحب حکمت وتدبیر ہیں؛ لیکن اس کے باوجود تمام ممکنہ مالی وسائل کے استعمال واختیار کے بعد بھی وہ اس وحدت ویکجائی کو پیدا کرنے پر قادر نہ ہو پاتے، یہ تو محض فضل خداوندی کا کرشمہ اور خدائے کریم وقادر کی کریمی وکارسازی کا مظہر تھا کہ ان شکستہ دل افراد کو نسلی، قبائلی، لسانی اور وطنی تفریقوں سے بالاتر اور ہر طرح سے نصرتِ دین پر یکجا ومتحد کر دیا، اور پھر یہی لوگ جو صدیوں سے باہمی کینہ وبغض کے مجسمے تھے اب ان میں باہمی محبت والفت کی ایسی پاکی وقدوسیت ابھر آئی کہ ہر فرد دوسرے کے لئے اپنا سب کچھ قربان اور نچھاور کرنے پر بخوشی آمادہ ومستعد ہو گیا۔

مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

> ”اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی باہمی الفت ایک ایسی نعمت ہے جسے خدا نے اپنا خاص انعام قرار دیا ہے، افسوس ان پر جو اس نعمت سے محرومی پر قانع ہو گئے اور اس کے لئے اپنے اندر کوئی جلن محسوس نہ کی، آج باہمی الفت کی جگہ باہمی مخاصمت مسلمانوں کی سب سے بڑی پہچان ہو گئی ہے، اسی کو انقلابِ حال کہتے ہیں۔“
>
> (ترجمان القرآن: ۳/۲۱۱)

اللہ کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کے تحت رسول اکرم ﷺ کی تربیت اور صحبت کے فیض واثر سے مختصر ترین مدت میں انصار مدینہ کی کایا بالکل پلٹ گئی اور پھر تاریخ نے یہ ریکارڈ آج تک محفوظ رکھا ہے کہ یہ باہم برسر پیکار قوم کس طرح اعلاءِ حق اور نصرتِ دین کے لئے ”بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ“ (سیسہ پلائی ہوئی عمارت) اور دیوار آہنی اور ناقابل تسخیر چٹان ثابت ہوئی۔

ہجرت کے بعد مہاجرین کے لئے انصار کا یہ گروہ اسی اسلام کی برکت سے مسلسل دیدہ ودل فرشِ راہ کئے رہا، گھر بار، مال ودولت، جائیداد وزمین اور کاروبار وتجارت ہر جگہ

انصار مدینہ نے مہاجرین کے لئے ایثار اور دریا دلی، کریم النفسی اور فیاضی، الفت اور حسن معاملہ ومعاشرت کا جو ثبوت پیش کیا وہ تاریخ کا نادر ترین واقعہ تھا، اور اسی نے انہیں عظمتوں اور رفعتوں کے اس مقام تک پہنچا دیا جس کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے، اور ہم اگر ان رفعتوں کے لئے سر اٹھائیں تو ہمارے سروں کی کلاہ بھی گر جائے، اور ان کی عظمتوں کا اندازہ نہ ہو سکے، مغربی مفکرین اور معترضین وناقدین اسلام اس راز سے آشنا وآگاہ نہ ہو پائیں اور اس حقیقت کا ادراک نہ کر پائیں، تو کوئی تعجب نہیں؛ کیوں کہ یہ وہ مردانِ باصفا ہیں جن کی زندگی کا معیار یورپ میں بسنے والے ترقی یافتہ انسانوں کے معیار زندگی سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے، یہ وہ اصحابِ حق ہیں جو بجا طور پر فرسٹ گریڈ (First Grade) کے لوگ تھے اور تاریخ ان کی نظیر نہیں لا سکتی۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ ہجرت کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے میرے اور حضرت سعد بن ربیع انصاریؓ کے درمیان مواخات قائم فرمائی، اس کے بعد حضرت سعدؓ نے اپنا مال اپنے اور میرے درمیان تقسیم کرنے کی پیش کش کی، پھر کہا کہ میری دو بیویاں ہیں، جو تمہیں زیادہ پسند ہو میں اس سے تمہارے حق میں دست بردار ہو کر اسے طلاق دے دوں گا، پھر اس کی عدت گذر جانے کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا، اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان سے کہا کہ اللہ تمہارے مال اور اہل وعیال میں برکت دے، مجھے اس کی حاجت نہیں، مجھے بس بازار کا راستہ بتا دو، چناں چہ انہوں نے راستہ بتا دیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جا کر کچھ فروخت کیا اور خریدا، کچھ مال جمع ہو گیا پھر ایک انصاری خاتون سے نکاح کیا۔ (صحیح بخاری: باب کیف آخی النبی بین اصحابہ: ۳۹۳۷)

اس واقعہ سے انصار صحابہ کے اعلیٰ درجہ کے ایثار کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے، انصار نے مہاجرین کے ساتھ جو محبت واحسان کا معاملہ کیا تھا، اس کی تلافی کے طور پر ایک بار رسول اکرم ﷺ نے بحرین سے حاصل شدہ مال صرف انصار ہی میں تقسیم کرنا چاہا، مگر انصار صحابہ اس پر

تیار نہ ہوئے اور عرض کیا کہ جب تک ہمارے مہاجرین بھائیوں کو اس میں حصہ نہ دیا جائے گا ہم بھی نہیں لیں گے۔ (بخاری: المناقب: باب قول النبی للانصار الخ: ۳۷۹۴)

روایات میں آتا ہے کہ غزوۂ بنوالنضیر کے بعد بنونضیر کے اموال و جائیداد کے بارے میں آپ ﷺ نے انصار مدینہ سے فرمایا کہ: ”اگر تم چاہو تو میں یہ مال انصار و مہاجرین سب میں تقسیم کر دوں اور مہاجرین حسب سابق تمہارے مکانوں میں رہیں، اور اگر تم چاہو تو میں یہ سارا مال مہاجرین میں تقسیم کر دوں اور مہاجرین تمہارے گھروں کو چھوڑ کر الگ گھر بسا لیں، یہ سن کر انصار مدینہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ یہ مال سب کا سب ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجئے اور پھر بھی وہ بدستور ہمارے مکانوں میں مقیم رہیں“۔ (سیرۃ المصطفیٰ: ۲/۲۸۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میں بھوک کے مارے پریشان و بے حال ہوں، آپ نے ایک ایک کر کے اپنی ازواج مطہرات کے گھروں سے کھانا منگوایا، مگر ہر جگہ سے جواب آیا کہ پانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، آپ نے حاضرین مجلس صحابہ سے فرمایا کہ کون اس شخص کی آج مہمان نوازی کرے گا؟ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں، گھر لے گئے، بیوی نے بتایا کہ صرف بچوں کے کھانے کے بقدر کھانا ہے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بچوں کو سلا دو، مہمان کے سامنے کھانا رکھو، کھانا ساتھ شروع کرنے کے بعد چراغ بجھوا دینا، ہم مہمان کی تسلی کے لئے دکھاوے کو منہ چلاتے رہیں گے؛ تا کہ وہ سمجھے کہ ہم کھا رہے ہیں اور وہ آسودہ ہو جائے، چناں چہ ایسا ہی ہوا، صبح کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ خدمت رسول میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری رات کی ادا اللہ کو بے حد پسند آئی ہے“۔ (بخاری: التفسیر: باب ویؤثرون علی انفسھم: ۴۶۰۷)

انصار صحابہ کے اس جیسے متعدد واقعات ہیں، انہیں کے بارے میں قرآنِ کریم نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ:

وَالَّـذِيۡنَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالۡإِيۡمَانَ مِن قَبۡلِهِمۡ يُحِبُّونَ مَنۡ هَاجَرَ إِلَيۡهِمۡ وَلَا يَجِدُونَ فِيۡ صُدُورِهِمۡ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤۡثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمۡ وَلَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفۡسِهِ فَأُوۡلَئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُونَ. (الحشر: ٩)

وہ لوگ (انصار) جو دارالہجرت میں ایمان لاکر مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی مقیم تھے، ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کرکے ان کے پاس آئے ہیں، اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے، اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں، حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچالئے گئے وہی فلاح یاب ہیں۔

انصارِ مدینہ کے انہیں مآثر ومفاخر کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

آيَةُ الۡإِيۡمَانِ حُبُّ الۡأَنۡصَارِ، وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغۡضُ الۡأَنۡصَارِ، اَلۡأَنۡصَارُ لَا يُحِبُّهُمۡ إِلَّا مُؤۡمِنٌ، وَلَا يُبۡغِضُهُمۡ إِلَّا مُنَافِقٌ، فَمَنۡ أَحَبَّهُمۡ أَحَبَّهُ اللّٰهُ، وَمَنۡ أَبۡغَضَهُمۡ أَبۡغَضَهُ اللّٰهُ. (بخاری: المناقب: باب حب الانصار: ٣٧٨٣، ٣٧٨٤)

انصار سے محبت ایمان کی علامت ہے، ان سے مؤمن ہی محبت کرے گا، جو ان سے محبت کرے گا اس سے اللہ محبت کرے گا، اور انصار سے دشمنی نفاق کی نشانی ہے، ان سے منافق ہی بغض رکھے گا، جو ان سے عداوت رکھے گا اس سے اللہ عداوت رکھے گا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَوۡ لَا الۡهِجۡرَةُ لَكُنۡتُ امۡرَأً مِنَ الۡأَنۡصَارِ، اَلۡأَنۡصَارُ شِعَارٌ

وَالنَّاسُ دِثَارٌ. (مسلم: الزكوة: باب اعطاء المؤلفة قلوبهم الخ: ٢٤٤٦)

> **اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا، انصار مقرب ترین اور مخصوص ترین ہیں، دوسروں کا درجہ ثانوی ہے۔**

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو انصار مدینہ سے حسن معاملہ کی تلقین بھی فرمائی، حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت عباس بن عبد المطلب ؓ انصار مدینہ کی ایک مجلس سے گذرے، دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں، سبب دریافت کیا، معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس کا ذکر کر کے رو رہے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے یہ واقعہ آپ ﷺ کو سنایا، آپ باہر تشریف لائے، منبر پر چڑھ کر حمد وثنا کے بعد فرمایا:

> **أُوصِيكُمْ بِالْأَنْصَارِ خَيْرًا، فَإِنَّهُمْ كِرْشِي وَعَيْبَتِي، وَقَدْ قَضَوُا الَّذِي عَلَيْهِمْ، وَبَقِيَ الَّذِي لَهُمْ، فَاقْبَلُوا مِنْ مُحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ.** (بخاري: المناقب: باب قول النبي اقبلوا الخ: ٣٧٩٩)

> **اے لوگو! میں تم کو انصار کے بارے میں خیر کی ہدایت ووصیت کرتا ہوں، انصار میرے خاص، مقرب، راز دار اور قریبی ہیں، وہ اپنے ذمہ کے حقوق ادا کر چکے ہیں، ہاں ان کے حقوق باقی ہیں، تم ان کے نیکوکار کی بات قبول کرو، اور ان کے خطا کار سے درگذر کرو۔**

ایمانِ کامل، اخلاص وایثار اور اتحاد واتفاق کی نعمت سے سرفرازی نے انصار کو اتنا بلند بنا دیا تھا کہ قرآنِ کریم میں اللہ نے ان کا ذکر فرما کر انہیں جاودانی عطا فرمادی، اور بلاشبہ یہ رسول اکرم ﷺ کی صحبت اور نگاہِ کرم کا اثر تھا جس نے انہیں کندن اور کیمیا بنا دیا تھا۔

انصار کا ایثار واتحاد سے آراستہ کردار سیرتِ نبویہ کا روشن ترین باب ہے، جو ہر طالب خیر کو اپنی روشنی سے فیض یاب ہونے کی مؤثر ترین دعوت پیش کر رہا ہے۔ کاش! ہم اس دعوت پر لبیک کہنے والے بن جائیں۔

ایک اسلامی معاشرہ، انسانی معاشرہ کو کیسے متاثر کرسکتا ہے؟

حضور اکرم ﷺ نے منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد شرک اور ضلالت میں ڈوبے ہوئے سماج میں توحید کی صدا بلند کی، مکۃ المکرّمہ کے شرک زدہ ماحول میں توحید کی یہ صدا بے حد نامانوس تھی، اور اس کی زد براہِ راست رؤسائے کفار کے موروثی دین باطل پر پڑ رہی تھی؛ اس لئے مخالفتوں کا ایک طوفان اُمڈ آیا، توحید کی صدا پر لبیک کہنے والے گنتی کے چند افراد پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا، مگر ان تمام مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کے باوجود قافلۂ توحید بڑھتا گیا، بالآخر مدینۃ الرسول ﷺ میں ایک مثالی آئیڈیل اسلامی معاشرہ تشکیل پایا۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سماج ایک نمونے کا مسلم سماج تھا، اور اس کی بے شمار امتیازی خصوصیات وکمالات اور خوبیوں نے پورے عالم کو متأثر کیا، اور پھر اس کے نتیجے میں مشرق سے تا بمغرب اسلام پھیلا اور اسلام کا حلقہ اور دائرہ پھیلتا اور بڑھتا گیا، مرور ایام سے پھر بعد کی صدیوں میں اس معاشرہ کی خصوصیات کم ہونا شروع ہوئیں، اور پھر اس کی تاثیر اور مقبولیت کا گراف بھی نیچا ہوتا گیا، اور اب موجودہ صورتِ حال مسلم سماج کی یہ ہے کہ ہر طرف اخلاقی طاعون پھیلا ہوا ہے، اباحیت اور عریانیت، مادیت اور حیوانیت کے باب میں نمونے کا مقام رکھنے والی یوروپی تہذیب کی دریوزہ گری اور اندھی تقلید نے تمام مذہبی اور اخلاقی اقدار پر تیشے چلا ڈالے ہیں، اور بقول حافظ شیرازی: ع

ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

پوری دنیا فتنہ اور شر کی آماج گاہ بنی ہوئی نظر آتی ہے، اور حدیث نبوی کے بموجب

گناہوں کی بہتات اور گندگی نے تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے، مسلم سماج کی یہ بدحالی اور بے راہ روی پورے انسانی سماج کی نگاہ میں اس کی دناءت اور رذالت کی منظر کشی کرتی ہے، اور مسلمانوں کی عملی زندگی پر نگاہ رکھنے والا انسان متاثر ہونے کے بجائے مایوس، بددل و بدگمان اور نفور و گریزاں ہوتا ہے۔

ایک اسلامی معاشرہ، انسانی معاشرہ کو اسی وقت متاثر کرسکتا ہے جب وہ قرنِ اول (عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم) کے مثالی سماج کی نمایاں خصوصیات اختیار کر لے، اور ان سے انحراف کو اپنے لئے تباہی کی علامت اسی طرح باور کرے جس طرح صحابۃ الرسول ان خصوصیات سے کسی بھی قیمت پر دست بردار ہونا ہلاکت کے مرادف سمجھا کرتے تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معاشرہ کی تمام خصوصیات کا احاطہ تو دشوار ہے، تاہم ان کے روشن عناوین کچھ یوں ہیں:

(۱) موقفِ حق پر محکم یقین اور استقامت

دل کی گہرائیوں سے حق قبول کر لینے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایسا پختہ یقین اور اپنے موقف پر ایسا ثبات و استقلال حاصل ہو جاتا تھا کہ بادِ مخالف کے کتنے ہی جھکڑ کیوں نہ چلیں، رکاوٹوں کا طوفان کیوں نہ آجائے اور مصائب و مشکلات کی بھٹیوں میں تپایا کیوں نہ جائے؟ وہ کوئی لچک اور نرمی پیدا کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے، دشمنوں کی ترغیبات و تحریصات کا دام ہو یا تہدیدات و تشدیدات کی کارروائی، ان کے موقف میں سرمو انحراف نہ آتا تھا اور ان کی زبانِ حال یہ پیغام دیتی تھی ؎

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

(۲) جذبۂ ایثار و قربانی

معاشرتی زندگی کی کام یابی کا راز ایثار و قربانی میں ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سماج ایثار و قربانی کا آئیڈیل سماج تھا، قرآنِ کریم انصار صحابہ کے جذبۂ ایثار کو:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ. (الحشر:۹)

وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ خود اپنی جگہ محتاج کیوں نہ ہوں۔

کے الفاظ سے بیان کرتا ہے۔

سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مالی ایثار کی بے شمار داستانیں ہیں، ہجرت نبوی کے پرخطر سفر کے موقع پر دشمنانِ اسلام کی طرف سے اجتماعی طور پر قتل رسول ﷺ کی منظّم پلاننگ معلوم ہونے کے باوجود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا آپ ﷺ کے بستر مبارک پر آرام، اسی طرح سفر ہجرت کی دشوار گذاریوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے والہانہ طلب پر شرکت و رفاقت جانی ایثار کے عدیم النظیر نمونے ہیں۔

غزوات کا موقع ہو، حفاظت رسول کا موقع ہو، تحفظ دین کا موقع ہو، ملت کی خدمت کا موقع ہو، ہر موڑ پر صحابہ کی قربانیوں اور ایثار کے ریکارڈ موجود ہیں، اور اسلام سے محروم انسانی سماج پر صحابہ کے اس جذبے نے کیا کیا اثرات مرتب کئے اور کس طرح وہ اسلام سے قریب آیا، یہ بالکل واضح ہے۔

(۳) نافعیت اور مواسات

سب سے بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے، مسلمان وہی ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے انسان محفوظ رہیں، مؤمن وہی ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے سلسلہ میں مامون و بے خوف ہیں، اللہ کا سب سے محبوب بندہ وہ ہے جو اس کی

مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرے، ان بنیادوں پر آپ نے اسلامی معاشرہ قائم فرمایا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاشرے کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے ہمیشہ یہی انداز اپنائے رکھا کہ ؎

مری زبان و قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی کو شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ سے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو پہلی ملاقات میں یہ نصیحت کی تھی کہ تم کبھی کسی کو برا مت کہنا، وہ فرماتے ہیں کہ پھر مرتے دم تک میں نے نہ کسی آزاد کو برا کہا نہ کسی غلام کو، اور انسان تو انسان ہے، کسی اونٹ اور بکری کے لئے بھی کوئی سخت کلمہ میری زبان سے نہیں نکلا، (الترغیب والترہیب: الترہیب من السباب الخ: ۳/ ۴۶۷) دوسروں کے درد کو اپنا سمجھنا؛ بلکہ اپنے درد سے زیادہ اس کا احساس اور ہمہ وقت دوسروں کو نفع پہنچانے کی کوشش صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معاشرے کا طرۂ امتیاز تھا۔

(۴) عدل ومساوات

قرآن ایسا ایمانی معاشرہ چاہتا ہے جو انصاف کا علم بردار اور مساوات کی روش پر قائم ہو، طبقاتی تفاوت اور اونچ نیچ اسلام کی نگاہ میں جاہلیت کی لعنت اور غلاظت ہے، ظلم اور ناانصافی امن عالم اور بقائے انسانیت کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کا معاشرہ عدل ومساوات کی شاہ راہ پر گامزن تھا، اس سماج میں ہر فرد عدل کا خوگر تھا، خواہ اس کی زد اس کی اپنی ذات یا اس کے والدین واقارب پر کیوں نہ آتی ہو؟ اسی طرح مساوات اور برابری کے لحاظ سے بھی وہ معاشرہ نمونے کا تھا، مشہور غسانی سردار جبلہ بن ایہم جس نے اسلام قبول کرلیا تھا اور طواف کے دوران ایک دیہاتی مسلمان کا پاؤں اس کے تہ بند پر جا پڑا تھا، جس پر اس نے اسے اتنی زور سے مارا کہ ناک کا بانسہ ٹیڑھا ہو گیا اور خون رسنے لگا، حضرت عمر فاروقؓ

نے فیصلہ سنایا کہ یا تو بدو کو راضی کرو یا قصاص کے لئے تیار ہو جاؤ، جبلہ نے لاکھ نرمی کا معاملہ کرنا چاہا، مگر حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ اسلام شاہ و گدا کا فرق نہیں کرتا، اس کا قانون عام مساوات کا قانون ہے، بالآخر جبلہ نے کچھ مہلت لی، اور راتوں رات بھاگ کر پھر عیسائی ہو گیا، مگر اسلامی قانونِ عدل و مساوات پر حضرت عمر فاروقؓ نے آنچ نہ آنے دی۔

(۵) اجتماعیت واخوت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاشرہ باہمی الفت و محبت میں جسم واحد کی طرح تھا، اور باہمی اتحاد و اجتماعیت میں اس کی کیفیت "بُنیَانٌ مَرْصُوصٌ" (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) کی طرح تھی، اوس وخزرج کی باہمی طویل خانہ جنگی اور سلسلۂ کشت وخون اسلام کی برکت سے باہمی محبت والفت میں اس طرح تبدیل ہوئے کہ منافق اور یہود مل کر بھی اس اجتماعیت میں دراڑ پیدا نہ کر سکے، اختلاف کو ہوا دینے والی چیزوں سے، ہر طرح کی بدگمانیوں اور بے جا خدشات سے اور افواہوں پر یقین کرنے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا سماج پاک تھا، اور اسی لئے اس میں مثالی اتحاد اور اخوت کا جذبہ تھا، جو دوسروں کو حد سے زیادہ متاثر و مرعوب کرتا تھا۔

(٦) قول و عمل کی یکسانیت

قرآنِ کریم کی صراحت کے مطابق قول و عمل کا تضاد اللہ کی نگاہ میں بے حد مبغوض عمل اور انسانی سماج کے لئے زہر قاتل ہے، معاشرے کی اصلاح کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ ہر فرد غازیٔ کردار ہو۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنا اول خطبۂ خلافت اس حقیقت کے اظہار سے شروع کیا تھا کہ آج مسلمانوں کو غازیٔ کردار رہنما کی ضرورت ہے، نہ کہ غازیٔ گفتار رہنما کی، عہد صحابہ قول و عمل کی یکسانیت میں ممتاز تھا، اور اس معاشرے کا ہر فرد جو کہتا تھا سب سے پہلے اس پر عمل کر کے دکھاتا تھا، چناں چہ اس کی تاثیر یہ سامنے آتی تھی کہ گروہ در گروہ لوگ آکر اسلام کے دامن میں پناہ لیتے تھے۔

(۷) پاکیزگی

اسلام کا مطالبہ انسان سے ہمہ جہتی پاکیزگی کا ہے، صحابہ کا معاشرہ سر سے لے کر پیر تک پاکیزگی کے رنگ میں رنگا ہوا تھا، ان کے دل و دماغ باطل خیالات اور باطنی امراض سے پاک تھے، ان کی نگاہ پاکیزہ تھی، ان کی خوراک و پوشاک پاک تھی، ان کا ماحول ظلم اور عریانیت سے پاک تھا، ان کی انفرادی زندگی کا ہر پہلو اور گوشہ پاکیزہ تھا، ان کی زبان پاک تھی، اور ان کی سیاست بھی مکر و فریب سے پاک تھی، شراب کی رسیا عرب قوم کو جب اس کے ناپاک و حرام ہونے کا علم ہوا تو پورا مدینہ منورہ شراب کی لعنت سے پاک ہو گیا، تاریخ صحابہ پاکیزگی کے بے شمار ہمہ جہتی نمونوں سے مالا مال تاریخ ہے۔

(۸) ادائے حقوق

اسلام نے بندگانِ خدا پر حقوق عائد کئے ہیں، اللہ کے حقوق کی الگ فہرست ہے، اور بندوں کے حقوق کی الگ؛ بلکہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی نسبتاً زیادہ اہم قرار دی گئی ہے، صحابہ کی زندگی میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا جو اہتمام نظر آتا ہے وہ بے نظیر ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قرآنی، ربانی اور ایمانی معاشرے کی بے شمار خصوصیات کے یہ روشن خطوط ہیں؛ اس لئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ ان خصوصیات کو اپنائے بغیر اور اسوۂ صحابہ کی پیروی کئے بغیر انسانی معاشرے کو نہ تو متأثر کر سکتا ہے اور نہ اپنی عملی زندگی میں کامیابی اور سعادت سے بہرہ مند ہو سکتا ہے۔

◆

باب چہارم:

عظمتِ رسول ﷺ

احترام رسول ﷺ کے قرآنی احکام وہدایات

قرآنِ کریم نے امت محمدیہ کو پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ اکرام وتعظیم اور ادب واحترام کا معاملہ کرنے کا مختلف مقامات پر حکم فرمایا ہے، اور یہ تاکید کی ہے کہ کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے پائے جو خلافِ ادب اور مقام نبوت سے فروتر ہو، ادبِ رسول ﷺ کا جو حکم مسلمانوں کو ہے، قرآن کریم کے غائرانہ مطالعہ سے اس کے پانچ گوشے سامنے آتے ہیں، زیرنظر مقالے میں انہیں کا مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے:

(۱) نام لے کر پکارنے کی ممانعت

قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

لَا تَجۡعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَاءِ بَعۡضِكُم بَعۡضاً. (النور: ٦٣)

تم رسول کو اس طرح سے نہ پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو آپس میں بلاتے ہو۔

اس آیت کے تین مطلب ہوسکتے ہیں:

(۱) رسول کے بلانے کو عام آدمی کے بلانے کی طرح نہ سمجھو؛ بلکہ رسول کا بلانا بہت اہمیت رکھتا ہے، رسول کا بلانا ایک حاکمانہ حیثیت رکھتا ہے۔

(۲) رسول کی دعا کو عام آدمیوں کی دعا کی طرح نہ سمجھو، نبی کی دعا سے بڑی کوئی نعمت اور ان کی بددعا سے بڑی کوئی بدقسمتی نہیں۔

(۳) رسول کو عام آدمیوں کی طرح نہ پکارو، انتہائی ادب سے تعظیمی الفاظ کے ساتھ

پکارا کرو، یہ تیسرا مطلب زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ لوگ آپ ﷺ کو "**یَا مُحَمَّدُ، یَا أَبَا الْقَاسِمِ**" کے الفاظ سے خطاب کرتے تھے، اللہ نے اپنے نبی کی تعظیم کے پیش نظر لوگوں کو اس طرح خطاب کرنے سے منع کر دیا اور "**یَا نَبِیَّ اللّٰہِ، یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ**" کے الفاظ کہنے کا حکم دیا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵/۱۳۰)

مفسر قتادہ نے فرمایا: "اس آیت کے ذریعہ اللہ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ اس کے نبی کی عظمت واحترام اور رعب وہیبت اور عزت وجلال دلوں میں راسخ رہے"۔ (ایضاً)

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ:

> "دلوں میں احترام رسول کے جذبات کا موجزن رہنا ضروری ہے، پیغمبر علیہ السلام کی شان میں نکلنے والے زبان کے ہر کلمہ سے احترام وعظمت ٹپکنا ضروری ہے، مربی کے لئے وقار وہیبت لازمی ہے، اس کا متواضع ونرم خو ہونا اپنی جگہ، مگر متبعین کے قلوب میں اس کی عظمت اور زبان سے اس کا اظہار بنیادی اہمیت رکھتا ہے"۔ (فی ظلال القرآن: ۴/۲۵۳۵)

آیت کا پیغام مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں یہ ہے کہ:

> "اللہ کے رسول کے بلانے کو ویسا بلانا نہ سمجھو جیسا آپس میں ایک دوسرے کا بلاوا سمجھتے ہو، اس کی ہر صدا تمہارے لئے قانون ہے اور ہر بلاوا واجب التعمیل، یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جو شخصیت جماعت کی ہدایت وقیادت کا مرکز ہو، ضروری ہے کہ اس کی صدائیں احترام کے ساتھ سنی جائیں، ورنہ نظم جماعت درہم برہم ہو جائے گا"۔ (ترجمان القرآن: مولانا آزادؒ: ۴/۱۰۰۶)

(۲) پیش قدمی سے ممانعت

قرآن میں وارد ہوا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. (الحجرات: ١)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی مت کرو، اور اللہ سے ڈرو، اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں سلف کے مختلف اقوال ہیں، چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

حضرت ابن عباسؓ اس کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ قرآن وسنت کی مخالفت نہ کرو اور ان کے خلاف نہ کہو۔ (جامع البیان طبری: ۲۶/۷۴)

ضحاک نے کہا کہ جہاد اور احکام شرعیہ کے باب میں خدا اور رسول کے حکم کے علاوہ کوئی فیصلہ از خود نہ کرو۔ (تفسیر بغوی: ۴/ ۲۰۹)

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ''اپنی جنگوں میں اور اپنے دینی معاملات میں اللہ ورسول کے فیصلے سے قبل جلد بازی میں کوئی فیصلہ مت کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا اور رسول کے منشا اور حق کے خلاف کچھ کر بیٹھو، ''لَا تُقَدِّمُوْا'' کی تعبیر عرب میں امر ونہی کے باب میں جلد بازی کرنے کے معنی میں آتی ہے''۔ (جامع البیان: ۲۶/ ۷۴)

مفسر قرطبیؒ لکھتے ہیں: ''اللہ ورسول سے قولاً وفعلاً سبقت مت کرو، رسول سے سبقت اللہ سے سبقت ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں''۔ (الجامع لاحکام القرآن قرطبی: ۱۶/ ۳۰۰)

ابن کثیرؒ کے بقول ہر معاملہ میں اللہ ورسول کے تابع ہو جاؤ۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۲۲۰)

ان مختلف اقوال میں کوئی تعارض نہیں، آیت میں ہر نوع کی سبقت وپیش قدمی سے منع کر دیا گیا ہے، اور ہر معاملہ میں اللہ ورسول کے فیصلے کو اپنی رائے پر مقدم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، آیت کو دیکھا جائے تو بظاہر اس چیز کی صراحت نہیں ملتی جس میں پیش قدمی سے روکا جا رہا ہے، اس طرح یہ اشارہ کر دیا گیا کہ ہر چیز میں پیش قدمی ممنوع ہے، حکم عام ہے، آپ سے آگے چلنا، آپ سے پہلے کھانا شروع کر دینا سب اس میں داخل ہیں، ہاں جب صراحت کے ساتھ آپ پیش قدمی کی اجازت دیں تب گنجائش ہے، گویا اس آیت کا پیغام کامل اتباع اور اپنے اجتہاد پر کتاب وسنت کو مقدم رکھنا اور سب سے پہلے ان کی طرف رجوع کرنا ہے، حضرت معاذ

بن جبل رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے جب یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو دریافت کیا کہ تم کس چیز کے مطابق فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ کے مطابق، آپ ﷺ نے پوچھا کہ اگر کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملے تو کس طرف رجوع کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ سنت رسول اللہ کی طرف، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ حکم سنت میں بھی نہ ملے تو کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ پھر میں اجتہاد کروں گا، اس پر آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو اس طریقہ کی توفیق عطا کی جو اس کے رسول کو محبوب ہے۔ (سنن ابی داؤد: کتاب الاقضیۃ: باب اجتہاد الرأی فی القضاء: ۳۵۹۲)

اس واقعہ سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی کامل پیروی اور کتاب وسنت کی طرف اولین رجوع وتقدیم کے عزم کا علم ہو رہا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنا نام اپنے رسول کی تعظیم وتکریم کے لئے ذکر فرمایا ہے، اور یہ اشارہ کر دیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے قول وعمل سے پیش قدمی کرنا اللہ کی بے ادبی ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ کا قول وعمل عین امر الٰہی ہے۔

بہر حال احترام وتعظیم کا واجبی تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پیش قدمی نہ کی جائے، بندہ کی سعادت وفلاح کا دار ومدار اسی ادب واطاعت پر ہے۔

(۳) بلند آواز میں بولنے سے ممانعت

ارشاد ربانی ہے:

يَـا أَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَـجْهَـرُوا لَـهُ بِـالْقَـوْلِ كَـجَهْـرِ بَـعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. (الحجرات: ۲)

اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ نبی کے

> ساتھ اونچی آواز سے بات کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا دھرا سب اکارت اور غارت ہو جائے اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

اس آیت کریمہ میں ایک طرف مجلس رسول ﷺ میں آواز بلند کرنے سے اور دوسری طرف نبی سے بلند آواز میں گفتگو کرنے سے منع فرمادیا گیا ہے؛ کیوں کہ یہ حرکت بے احترامی اور ناقدری کا ثبوت ہوتی ہے، اس لئے اس سے روکا گیا ہے، اور حضور اکرم ﷺ کے احترام کو ملحوظ رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

آیت میں یہ حقیقت واضح کردی گئی ہے کہ دین میں آپ ﷺ کا مقام سب سے عالی ہے، آپ ﷺ کے سوا کوئی انسان کتنا ہی محترم کیوں نہ ہو؟ مگر اس کی بے احترامی عنداللہ اس سزا کی مستحق نہیں ہوتی جو کفر کی ہے؛ بلکہ زیادہ سے زیادہ اسے ایک ناشائستہ طرز عمل اور بدتہذیبی قرار دیا جاتا ہے، مگر رسول اکرم ﷺ کے ادب واکرام میں ادنی سی کمی اور کوتاہی اتنا بڑا گناہ اور سنگین جرم ہے کہ اس سے انسان کی زندگی بھر کی کارکردگی اور کمائی تباہ اور اکارت ہوسکتی ہے، اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اکرام درحقیقت خداوند قدوس کا اکرام ہے، اور آپ کی بے ادبی ذاتِ الٰہی کی بے ادبی کے ہم معنی ہے، اس سے اگلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے پست آوازی دلوں میں موجود تقویٰ کی علامت ہے، اور اندر کی پاکیزگی کا ثبوت ہے، اس سے خود یہ واضح ہوتا ہے کہ بلند آوازی اندرون کی پلیدی اور قلب وباطن کے محرومِ تقویٰ ہونے کی دلیل ہے۔

اس آیت کے شانِ نزول کے تعلق سے یہ واقعہ مشہور ہے کہ بنوتمیم کا ایک قافلہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ بولے کہ حضرت قعقاع بن معبدؓ کو ان کا امیر بنادیجئے، حضرت عمرؓ بولے کہ حضرت اقرع بن حابسؓ کو امیر بنادیجئے، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم نے تو بس میری مخالفت ہی پر کمر باندھ رکھی ہے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں آپ

کی مخالفت نہیں کرتا؛ بلکہ میری رائے ہی یہی ہے، ان دونوں میں جھگڑا بڑھ گیا، حتی کہ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری: التفسیر: باب لاترفعوا اصواتکم الخ: ۴۸۴۵)

روایات میں آتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمرؓ اتنی آہستہ گفتگو کرنے لگے کہ جب تک آپ ﷺ ان سے دوبارہ دریافت نہ فرماتے کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ (ایضاً)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضرت ثابت بن قیسؓ انصار کے خطیب تھے، جب یہ آیت اتری تو اپنے گھر میں بیٹھے رہے، اور مجلس رسول میں آمد و رفت بند کردی، آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ سے حضرت ثابتؓ کا حال دریافت کیا، حضرت سعدؓ حضرت ثابتؓ کے پاس آئے تو انہوں نے بتایا کہ بلند آواز سے بولنا ممنوع ہوگیا ہے، اور تمہیں معلوم ہے کہ دربار رسول میں تم میں سب سے زیادہ بلند آواز میری ہی ہوجاتی ہے، مجھے خدشہ ہے کہ کہیں میں دوزخی تو نہیں ہوں؟ جب یہ بات آپ ﷺ کو معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخی نہیں جنتی ہیں۔ (ایضاً: ۴۸۴۶)

حضرت ثابت بن قیسؓ قدرۃً بلند آواز تھے، یہ سن کر ڈر گئے اور سمجھے کہ بارگاہِ نبوت میں یہ گستاخی مجھ سے بارہا سرزد ہوچکی ہے، اس لئے میرا اب ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ رحمۃ للعالمین ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو ان کی اس ادا پر آپ ﷺ کا دل بھر آیا اور آپ نے اس ادب کی وجہ سے جس سے ان کا قلب معمور تھا، ان کو جنت کی بشارت سنادی، اور ان کی اس بلند آوازی کو جو قدرۃً تھی، قابل عفو سمجھا، معلوم ہوا کہ ادب کا اصل دار و مدار قلب پر ہے، پھر ظاہر میں اس کے لئے کچھ علامات بھی مقرر ہیں، اگر قلب کی گہرائیوں میں ادب موجود ہے تو ظاہر کی فروگذاشت سے اغماض کیا جاسکتا ہے۔ (ترجمان السنۃ: مولانا بدر عالم میرٹھیؒ: ۱/۳۷۲)

امام ابن عربیؒ تحریر فرماتے ہیں: ”موت کے بعد بھی حضور ﷺ کا احترام اسی طرح ضروری ہے جیسا زندگی میں ضروری تھا، جب بھی ان کی حدیث پڑھی جائے، ہر سننے والے کو ادب سے

سننا ضروری ہے، اور بلند آوازی اور اعراض ممنوع ہے"۔ (احکام القرآن: ابن عربی: ۴/۱۷۱۴)

امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے: "روضۂ رسول ﷺ کے سامنے بھی بلند آوازی ممنوع ہے، احترام ضروری ہے، آپ ﷺ اپنی قبر میں بھی قابل احترام ہیں، حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد رسول ﷺ میں با آواز بلند باہم مباحثہ کرنے والے دو آدمیوں پر سخت نکیر اسی لئے فرمائی تھی، اور ان کو سختی سے منع کیا تھا"۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۲۲)

آیت مذکورہ کی اصل روح و پیغام بیان کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی نے تحریر کیا ہے کہ:

> "آواز بلند کرنے کا ذکر انسان کے باطن کے ایک مخبر کی حیثیت سے ہوا ہے، جو شخص کسی کی آواز پر اپنی آواز بلند رکھنے کی کوشش کرتا ہے اس کا یہ عمل شہادت دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے اونچا خیال کرتا ہے، یہ چیز اکتسابِ فیض کی راہ بالکل بند کر دیتی ہے۔ اسی طرح اگر اللہ کے رسول ﷺ کے آگے کسی نے یہ روش اختیار کی تو وہ صرف رسول ہی کے فیض سے نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بھی محروم ہو جائے گا؛ اس لئے کہ رسول، اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہوتا ہے۔" (تدبر قرآن: مولانا امین اصلاحی: ۷/ ۴۸۹-۴۹۰)

(۴) سرگوشیوں کے ذریعہ پریشان کرنے سے ممانعت

فرمانِ خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ. (المجادلة: ١٢)

اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو اور تخلیہ میں بات کرو تو سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دو، یہ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ تر ہے؛ البتہ اگر تم صدقہ دینے کے لئے کچھ نہ پاؤ، تو اللہ غفور رحیم ہے۔

رسول اکرم ﷺ سے استفادے کے لئے اہل اسلام ہمہ وقت خواہاں رہتے تھے، عام مجالس کے علاوہ بہت سے لوگ خفیہ طور پر علیحدگی میں آپ ﷺ سے گفتگو چاہتے تھے، اور آپ سب کو وقت دے دیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی بے حد مشغول تھی اور ہر ایک کو وقت الگ سے دینا مشکل تھا، پھر بعض منافقین بلا وجہ شرارت کے لئے آپ سے خفیہ بات کرتے، کچھ سادہ لوح مسلمان غیر اہم امور کے لئے خفیہ بات کرتے اور مجلس طویل کر دیا کرتے تھے، مروۃً حضور اکرم ﷺ سب کو وقت دے رہے تھے، مگر یہ چیز آپ کے لئے باعث اذیت تھی، خداوند قدوس نے آپ کو اس اذیت سے بچانے کے لئے ابتداءً مذکورہ آیت میں سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ کرنے کا حکم دیا، چناں چہ اس حکم کے آنے کے بعد سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک دینار صدقہ دے کر آپ ﷺ سے سرگوشی کی، یہ حکم چند ہی دنوں کے بعد منسوخ ہوگیا اور اگلی آیت میں فرمادیا گیا کہ:

أَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ. (المجادلة: ۱۳)

کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے خیرات دینے سے ڈر گئے، سو جب تم نہ کر سکے اور اللہ نے تمہارے حال پر عنایت فرمائی، تو تم نماز کے پابند رہو، اور زکوٰۃ دیا کرو، اور اللہ و رسول کا کہنا مانو اور اللہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔

صاحب معارف القرآن نے لکھا ہے:

”یہ حکم اگرچہ منسوخ ہوگیا، مگر جس مصلحت کے لئے جاری کیا گیا تھا، وہ اس طرح حاصل ہوگئی کہ مسلمان اپنی دلی محبت کے تقاضہ سے ایسی مجلس طویل کرنے سے بچ گئے، اور منافقین اس لئے کہ عام مسلمانوں کے طرز کے خلاف ہم نے ایسا کیا تو ہم پہچان لئے جاویں گے اور نفاق کھل جاوے گا۔“ (معارف القرآن: مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ: ۸/ ۳۴۸)

سرگوشی سے پہلے صدقہ کے اس حکم کی حکمتوں کے ذیل میں امام رازیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

> ’’اس حکم کا پہلا فائدہ رسول اکرم ﷺ کی تعظیم اور آپ سے خفیہ گفتگو کی اہمیت کا اظہار تھا، انسان جب مشقت کے بعد کچھ پاتا ہے تو اسے اہمیت دیتا ہے، اور جب بآسانی پا جاتا ہے تو اسے معمولی سمجھتا ہے، صدقہ کے بعد سرگوشی ہوگی تو اس کی اہمیت کا احساس زیادہ ہوگا، اس حکم کا دوسرا فائدہ بہت سے فقراء کے نفع وفائدہ کی شکل میں ظاہر ہوا، اس کا تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ آخرت کی محبت کرنے والے دنیا کی محبت کرنے والوں سے ممتاز ہو گئے، جنھوں نے صدقہ دیا انہوں نے عملی طور پر آخرت سے محبت اور دنیا سے بیزاری کا ثبوت دے دیا، چوتھا فائدہ آپ کی راحت وآرام کی رعایت اور اذیت وتکلیف سے بچاؤ کی شکل میں ظاہر ہوا‘‘۔ (التفسیر الکبیر للرازی: ۲۷۲/۱۵)

حاصل یہ ہے کہ اس حکم کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کے اکرام وادب اور آپ کے اوقات کی رعایت ولحاظ کا سبق دیا گیا ہے۔

(۵) خانۂ رسول ﷺ کے سلسلہ میں ہدایات

اہل ایمان سے فرمایا جا رہا ہے:

لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِيْنَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِى مِنكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِى مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللّٰهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَداً إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِندَ اللّٰهِ عَظِيماً، إِن تُبْدُوا شَيْئاً أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللّٰهَ

كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً. (الاحزاب: ۵۳-۵٤)

نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ آیا کرو، مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو؛ لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو، پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو، اور باتوں میں جی لگا کر بیٹھے مت رہا کرو، اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے، مگر وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ صاف صاف بات کہنے سے کسی کا لحاظ نہیں کرتا، اور جب تم ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو، یہ بات تمہارے اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا ذریعہ ہے، اور تم کو جائز نہیں کہ تم رسول ﷺ کو اذیت پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم آپ ﷺ کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو، یہ خدا کے نزدیک بڑی بھاری معصیت کی بات ہے، اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اس کو پوشیدہ رکھو گے تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

اس آیت میں چار امور کی تلقین کی گئی ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ اہل ایمان کو بلا اجازت نبی ﷺ کے حجروں اور مکانات میں داخل ہونے سے روک دیا گیا ہے، اور یہ واضح فرما دیا گیا ہے کہ جو نبی ﷺ کے مکان پر کھانے پر مدعو ہوں وہ کھانا تیار ہونے سے پہلے آ کر اہل خانہ کو ضیق میں نہ ڈالیں، کھانا پکنے کے بعد جب بلایا جائے تب آئیں۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ کھانے سے فراغت کے بعد لوٹ جائیں اور لمبی مجلسوں اور مذاکرہ کے ذریعہ ایذاءِ رسول کے مرتکب نہ ہوں۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ ازواج مطہرات سے پردہ کے باہر ہی سے گفتگو کریں، پردے کا حکم ہر مسلمان عورت کے لئے عام ہے، یہاں ازواجِ مطہرات کا ذکر خاص پس منظر کے ذیل میں

آ گیا ہے، گویا الفاظ خاص ہیں اور حکم عام ہے۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ کسی مسلمان کے لئے ازواج مطہرات سے کبھی بھی نکاح جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ ماؤں کے درجہ میں ہیں، غور کیا جائے تو یہ سارے احکام حضور اکرم ﷺ کے احترام وتعظیم سے متعلق نظر آتے ہیں۔

مذکورہ بالا پانچوں گوشے امت کے ہر فرد کو ہر طرح سے اور ہر وقت پیغمبر اسلام ﷺ کی تعظیم واکرام ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان آیات واحکام پر عمل کرکے اور تعظیم رسول ﷺ کا حق ادا کرکے پوری امت کے سامنے نمونہ پیش کر دیا ہے، مثال کے طور پر اس واقعہ کا ذکر کافی ہے کہ سن ۷ر ہجری میں جب قریش نے عروہ بن مسعود (جو اس وقت مسلمان نہیں تھے، بعد میں داخل اسلام ہوئے) کو آپ ﷺ کے پاس صلح کی گفتگو کے لئے بھیجا، تو انہوں نے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں آپ کی حیرت انگیز تعظیم کا جو نقشہ دیکھا، اس طرح بیان کیا کہ محمد ﷺ وضو کرتے ہیں، تو آپ کے وضو کے پانی پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے، آپ کا تھوک گرتا ہے تو صحابہ ہاتھوں ہاتھ لے کر اپنے چہروں اور جسموں پر مل لیتے ہیں، جب آپ کا کوئی بال گرتا ہے تو جلدی سے اس کو لپک لے جاتے ہیں، جب آپ کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل میں دوڑ پڑتے ہیں، جب آپ بات کرتے ہیں تو ان پر خاموشی چھا جاتی ہے، کوئی شخص نظر بھر کر آپ کی طرف دیکھ نہیں سکتا، عروہ جب واپس ہوئے، تو انہوں نے کہا اے گروہِ قریش! میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، خدا کی قسم کسی بادشاہ کو اپنی رعایا کے درمیان اتنا باعظمت وبارعب نہیں دیکھا، جتنا محمد ﷺ کو اپنے رفقاء کے درمیان باعظمت وبارعب دیکھا ہے۔ (بخاری: الشروط: باب الشروط فی الجہاد الخ: ۲۷۳۱)

یہ واقعہ اس جذبۂ ادب واحترام کی ایک واضح مثال ہے، جو اصحابِ رسول ﷺ کے دلوں میں آپ کے تئیں موجود تھا، اور اسی جذبہ سے سرشاری کا ہر مسلمان کو حکم ہے اور یہی ایمانی وقرآنی مطالبہ اور تقاضا بھی ہے۔

◆

باب پنجم:

عشق رسول ﷺ

پیغمبر اسلام علیہ السلام سے محبت و عشق اور اس کا پیغام

ہر صاحبِ ایمان کے لئے پیغمبر اعظم ﷺ کی ذاتِ والا صفات سب سے بڑے مرکز محبت وعقیدت کا مقام رکھتی ہے، کوئی بھی مسلمان - عملی طور پر حد درجہ بگاڑ کے باوجود - آپ ﷺ کی خاطر ہر نوع کی قربانی اپنے لئے سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہے، پیغمبر علیہ السلام کے لئے جان، مال، آبرو اور مفادات سب کچھ نثار کرنا اس کے لئے آسان معلوم ہوتا ہے۔

امت محمدیہ کی دورِ صحابہ سے آج تک کی پوری تاریخ میں محبت رسول اور آپ ﷺ کی حرمت پر سب کچھ فدا کر دینے کے بے شمار اور نا قابل یقین نمونے موجود ہیں، صحابہ کی قدسی جماعت ہو یا اس کے بعد ہر دور میں مجاہدین اور مخلص خدام دین، عشق رسول کی طاقت سے انہوں نے ہر معرکہ سر کیا اور ہر منزل طے کی، باطل کے سیل تند و تیز کے بالمقابل ان اہل حق کو کوہِ گراں بنانے والی چیز عشق رسول ہی تھی، ان کی حیات کی ہر کامیابی کی پشت پر اسی جذبۂ عشق صادق کی کارفرمائی جلوہ گر ہے، بقول اقبالؒ ؎

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

عشق محمدی ﷺ کے بے شمار نمونوں میں چند نمونے یہ ہیں:

(۱) ۳ھ میں ایک مرتبہ عضل اور قارہ کے سات آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے کہا کہ کچھ لوگ ان کے ساتھ بطور معلم بھیج دئے جائیں جو ان کے قبیلوں میں تبلیغ کا کام کر سکیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہمراہ چھ صحابہ کو روانہ کر دیا،

ان میں حضرت خبیب بن عدی، حضرت عاصم بن ثابت اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔

عضل اور قارہ کے یہ سات آدمی فریب سے ان لوگوں کو بلانے آئے تھے، ان لوگوں کا اصل مقصد عاصم بن ثابت سے جنگ بدر اور جنگ احد کا انتقام لینا تھا، یہ اپنے پیچھے راستہ میں دو سو مشرکوں کو گھات میں لگا کر آئے تھے، جب صحابہ کی یہ مقدس جماعت مقام رجیع پر پہنچی تو ان لوگوں نے کمین گاہ سے نکل کر انہیں گھیر لیا، جب صحابہ نے یہ حالت دیکھی تو لڑ کر شہید ہونا پسند کیا، صرف حضرت زید بن دثنہ اور حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہما کو زندہ گرفتار کر لیا۔

صفوان بن امیہ کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں قتل ہو گیا تھا، وہ اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے بے چین تھا، اس لئے اس نے حضرت زید بن دثنہ کو پچاس اونٹوں کے عوض خرید لیا جس سے اپنے باپ کے انتقام میں انہیں قتل کر سکے۔

اس نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے غلام فسطاس کے ہاتھ حرم کی حدود سے باہر تنعیم کے مقام پر بھیج دیا؛ تاکہ وہاں انہیں قتل کیا جائے اور مکہ میں اعلان کرا دیا کہ آج اہل بدر کے انتقام میں ایک شخص قتل کیا جائے گا، اس بندۂ حق کا رقص بسمل دیکھنے کے لئے ایک ہجوم وہاں جمع ہو گیا، اس مجمع میں مسلمانوں کا اپنے وقت کا بدترین دشمن ابوسفیان بھی موجود تھا، ایک بدبخت مشرک نے جب نیزے کی انی کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے جگر پر چبھایا تو ابوسفیان نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: ”زید! کیا خوب ہوتا کہ یہاں محمد (ﷺ) کی گردن ماری جاتی، (نعوذ باللہ) اور تم اپنے اہل و عیال میں مزہ کر رہے ہوتے“۔

حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے اور حقارت سے ابوسفیان کی طرف تھوک کر کہا: ”یا ابن حرب! خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارہ نہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پائے اقدس میں کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر میں رہوں“۔

ابوسفیان نے کہا: ”ہبل کی قسم میں نے آج تک کسی کا کوئی ایسا دوست نہیں دیکھا جیسے

محمد (ﷺ) کے دوست ہیں، مجھے محمد ﷺ کے ان جاں نثاروں پر رشک آتا ہے"۔

فسطاس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی زنجیر پکڑ کر زور سے کھینچی اور اس اونچی جگہ پر لے جا کر کھڑا کر دیا جہاں ان کو شہید کیا جانا تھا۔

صفوان نے آگے بڑھ کر کہا: "زید! گو میں نے تم کو اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کرنے کے لئے خریدا ہے؛ لیکن میں تم کو اس شرط پر چھوڑ سکتا ہوں کہ تم محمد (ﷺ) کے دین کو چھوڑ دو۔

حضرت زید نے فرمایا: "صفوان تم زندگی کی جتنی قیمت سمجھتے ہو ہم مسلمانوں کے لئے اس کی اتنی قیمت نہیں ہے، ہمارے لئے تو بس اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کے رسول سے عشق وعقیدت رکھنا ہی ہماری زندگی کا حاصل ہے، تم میری زندگی لے سکتے ہو؛ لیکن اس عقیدت ومحبت کو دل سے جدا نہیں کر سکتے"۔ اس کے بعد اس عاشق رسول کو شہید کر دیا گیا۔

خنجر رہزن اسے گویا ہلال عید تھا
ہائے یثرب دل میں، لب پہ نعرۂ توحید تھا

(پراسرار بندے: عشرت جاوید: ۱۵۰-۱۵۱ بحوالہ: سیرت ابن ہشام: ۱۲۳/۲، صحیح بخاری: المغازی)

(۲) سلطان نور الدین زنگی ایک عابد شب بیدار تھا، اور رات کا بیشتر حصہ عبادت ومناجات میں گزارتا تھا، اس کا معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد بکثرت نوافل پڑھتا اور پھر رسول اکرم ﷺ پر سیکڑوں مرتبہ درود بھیج کر تھوڑی دیر کے لئے بستر پر لیٹ جاتا، چند ساعتوں کے بعد پھر نماز تہجد کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا اور صبح تک نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتا۔ ۵۵۷ھ ۱۱۶۲ء کی ایک شب وہ اوراد ووظائف سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹا تو خواب میں تین بار رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، ہر مرتبہ دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور نے فرمایا: "نور الدین یہ آدمی مجھے ستا رہے ہیں، ان کے شر کا استیصال کر"، نور الدین یہ خواب دیکھ کر سخت مضطرب ہوا، بار بار استغفار پڑھتا اور رو رو کر کہتا: "میرے آقا ومولیٰ کو میرے جیتے جی کوئی ستائے، یہ نہیں ہو سکتا، میری جان، مال، آل واولاد سب آقائے

مدنی ﷺ پر نثار ہے، خدا اس دن کے لئے نور الدین کو زندہ نہ رکھے کہ حضور غلام کو یاد فرمائیں اور وہ دمشق میں آرام سے بیٹھا رہے"۔

ہر مسلمان کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ کوئی طاغوتی طاقت کسی حالت میں بھی رسول اکرم ﷺ کی شکل مبارک اختیار کرنے پر قدرت نہیں رکھتی، اگر کوئی خوش بخت حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھے تو اس خواب کے سچا ہونے میں مطلق شبہ نہیں ہوسکتا۔ یہی سبب تھا کہ سلطان نور الدینؒ بے چین ہوگیا اور اسے یقین ہوگیا کہ مدینہ منورہ میں ضرور کوئی ایسا ناشدنی واقعہ ہوا ہے جس سے سرورِ کونین علیہ السلام کی روحِ اقدس کو تکلیف پہنچی ہے، خواب سے بیدار ہوتے ہی اس نے بیس اعیانِ دولت کو ساتھ لیا اور بہت سا خزانہ گھوڑوں پر لدوا کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگیا، اہل دمشق سلطان کے یکا یک عازمِ سفر ہونے سے بہت حیران ہوئے؛ لیکن کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اصل بات کیا ہے؟

دمشق سے مدینہ منورہ پہنچنے میں عام طور پر بیس پچیس دن لگتے تھے؛ لیکن سلطان نے یہ فاصلہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ طے کیا اور سولہویں دن مدینہ منورہ جا پہنچا، اہل مدینہ اس کی اچانک آمد پر حیران رہ گئے، سلطان نے آتے ہی شہر میں آنے جانے کے دروازے بند کرادئے اور پھر منادی کرادی کہ آج تمام اہل مدینہ اس کے ساتھ کھانا کھائیں، تمام اہل مدینہ نے نہایت خوش دلی سے سلطان کی دعوت قبول کی، اس طرح مدینہ منورہ کے تمام لوگ سلطان کی نظر سے گذر گئے؛ لیکن ان میں وہ دو آدمی نہیں تھے جن کی شکلیں اسے خواب میں دکھائی گئی تھیں، سلطان نے اکابر شہر سے پوچھا کہ کوئی ایسا شخص تو باقی نہیں رہا جو کسی وجہ سے دعوت میں شریک نہ ہوسکا ہو، انہوں نے عرض کیا کہ اہل مدینہ میں سے تو کوئی شخص ایسا نہیں رہا جو دعوت میں شریک نہ ہوا ہو؛ البتہ دو خدا رسیدہ مغربی زائر جو مدت سے یہاں مقیم ہیں، نہیں آئے۔ یہ دونوں بزرگ ہر وقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اگر کچھ وقت بچتا ہے تو جنت البقیع میں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں، اس کے سوا وہ کسی سے ملتے ملاتے نہیں۔

سلطان نے حکم دیا کہ ان دونوں کو بھی ضرور یہاں لاؤ، جب وہ دونوں سلطان کے سامنے حاضر کیے گئے تو اس نے ایک نظر میں پہچان لیا کہ یہ وہی آدمی ہیں، جو اسے خواب میں دکھائے گئے تھے، انہیں دیکھ کر سلطان کا خون کھول اٹھا؛ لیکن تحقیق حال ضروری تھی؛ کیوں کہ ان کا لباس زاہدانہ اور شکل وصورت مؤمنوں کی تھی، سلطان نے ان سے پوچھا کہ تم دونوں کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ روضۂ اقدس کے قریب ایک مکان کرایہ پر لے رکھا ہے، اسی میں ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

سلطان نے ان دونوں کو وہیں اپنے آدمیوں کی نگرانی میں چھوڑا اور خود اکابر شہر کے ہمراہ اس مکان میں جا پہنچا، یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جس میں نہایت مختصر سامان مکینوں کی زاہدانہ زندگی کی شہادت دے رہا تھا، اہل شہر ان دونوں کی تعریف میں رطب اللسان تھے، اور بظاہر کوئی چیز قابل اعتراض نظر نہیں آتی تھی؛ لیکن سلطان کا دل مطمئن نہیں تھا، اس نے مکان کا فرش ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کیا، یکا یک سلطان کو ایک چٹائی کے نیچے فرش ہلتا ہوا محسوس ہوا، چٹائی ہٹا کر دیکھا تو ایک چوڑی سل تھی، اسے سرکایا گیا تو ایک خوفناک انکشاف ہوا، یہ ایک سرنگ تھی جو روضۂ اقدس کی طرف جاتی تھی، سلطان سارا معاملہ آناً فاناً سمجھ گیا اور بے اختیار ”صَدَقَ اللّٰہُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ“ اس کے منہ سے نکلا، سادہ مزاج اہل مدینہ بھی ان بھیڑ نما بھیڑیوں کی یہ حرکت دیکھ کر ششدر رہ گئے، سلطان اب قہر وجلال کی مجسم تصویر بن گیا، اس نے ان دونوں ملعونوں کو پا بہ زنجیر کر کے اپنے سامنے لانے کا حکم دیا، جب وہ سلطان کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے ان سے نہایت غضب ناک لہجہ میں مخاطب ہو کر پوچھا: ”سچ سچ بتاؤ تم کون ہو اور اس ناپاک حرکت سے تمہارا کیا مقصد ہے؟“

دونوں ملعونوں نے نہایت بے شرمی اور ڈھٹائی سے جواب دیا: ”اے بادشاہ! ہم نصرانی ہیں اور اپنی قوم کی طرف سے تمہارے پیغمبر کی لاش چرانے پر مامور ہوئے ہیں، ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی کارِ ثواب نہیں ہے؛ لیکن افسوس کہ عین اس وقت جب ہمارا کام

بہت تھوڑا باقی رہ گیا تھا، تم نے ہمیں گرفتار کرلیا‘‘۔

سلطان کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا، اس نے تلوار کھینچ کر ان دونوں بدبختوں کی گردنیں اڑادیں اور ان کی لاشیں بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں ڈلوادیں، یہ کام انجام دے کر سلطان پر رقت طاری ہوگئی اور شدتِ گریہ سے اس کی گھگی بندھ گئی وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں روتا ہوا گھومتا تھا اور کہتا تھا: ’’زہے نصیب کہ اس خدمت کے لئے حضور ﷺ نے اس غلام کا انتخاب فرمایا‘‘۔

جب ذرا قرار آیا تو سلطان نے حکم دیا کہ روضۂ نبی کے گرداگرد ایک گہری خندق کھودی جائے اور اسے پگھلے ہوئے سیسے سے پاٹ دیا جائے۔

سلطان کے حکم کی تعمیل میں روضۂ اطہر کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھودی گئی کہ زمین سے پانی نکل آیا، اس کے بعد اس میں سیسہ بھردیا گیا؛ تاکہ زمانہ کی دستبرد سے ہر طرح محفوظ رہے، یہ سیسے کی دیوار روضۂ اقدس کے گرد آج تک موجود ہے، اور انشاء اللہ ابدالآباد تک قائم رہے گی، اس سے بڑھ کر سلطان کی مغفرت کا اور کیا سامان ہوسکتا ہے۔ **ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ**۔

آج بھی اہلِ مدینہ سلطان نورالدین کا نام نہایت محبت اور احترام سے لیتے ہیں، اور اس کا شمار ان نفوسِ قدسی میں کرتے ہیں کہ جن پر سید البشر نے خود اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کے محبِّ رسول ہونے کی تصدیق فرمائی۔ ع

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

(ملاحظہ ہو: سلطان نورالدین محمود زنگی: مرتبہ: طالب ہاشمی: ۱۴۴-۱۴۸، بحوالہ: خلاصۃ الوفاء از: علامہ سمہودی)

(۳) یہ واقعہ برصغیر کے بلانوش شاعر اختر شیرانی کا ہے:

’’عرب ہوٹل میں ایک دفعہ بعض کمیونسٹ نوجوانوں نے جو بلا کے ذہین تھے، ان سے مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دی، اس وقت تک وہ دو بوتلیں چڑھا چکے تھے، اور ہوش قائم نہ تھے، تمام بدن پر رعشہ طاری تھا حتی کہ الفاظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر زبان سے نکل رہے

تھے، اِدھر ''انا'' کا شروع سے یہ حال تھا کہ اپنے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے، جانے کیا سوال زیر بحث تھا، فرمایا کہ مسلمانوں میں تین شخص اب تک ایسے پیدا ہوئے جو ہر اعتبار سے جینیس (Genius) بھی ہیں اور کامل الفن بھی، پہلے ابوالفضل دوسرے اسد اللہ خاں غالب، تیسرے ابوالکلام آزاد، شاعر وہ شاذ ہی کسی کو مانتے تھے، ہم عصر شعراء میں جو واقعی شاعر تھا اسے بھی اپنے سے کمتر خیال کرتے تھے، کمیونسٹ نوجوانوں نے فیض کے بارے میں سوال کیا، طرح دے گئے، جوش کے متعلق پوچھا کہا وہ ناظم ہے، سردار جعفری کا نام لیا مسکرا دیئے، فراق کا ذکر چھیڑا ہوں ہاں کر کے چپ ہو گئے، ساحر لدھیانوی کی بات کی، سامنے بیٹھا تھا، فرمایا مشق کرنے دو، ظہیر کاشمیری کے بارے میں کہا، نام سنا ہے، احمد ندیم قاسمی؟ فرمایا: میرا شاگرد ہے، نوجوانوں نے دیکھا کہ ترقی پسند تحریک ہی کے منکر ہیں، تو بحث کا رخ پھیر دیا''۔

حضرت! ''فلاں پیغمبر کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، نشہ میں چور تھے، زبان پر قابو نہیں تھا؛ لیکن چونک کر فرمایا:

''کیا بکتے ہو؟''

''ادب و انشاء یا شعر و شاعری کی بات کرو'' کسی نے فوراً ہی افلاطون کی طرف رخ موڑ دیا، ان کے مکالمات کی بابت کیا خیال ہے؟ ارسطو اور سقراط کے بارے میں سوال کیا، مگر اس وقت وہ اپنے موڈ میں تھے، فرمایا: ''جی پوچھو یہ کہ ہم کون ہیں؟ یہ ارسطو، افلاطون یا سقراط آج ہوتے تو ہمارے حلقے میں بیٹھتے، ہمیں ان سے کیا کہ ان کے بارے میں رائے دیتے پھریں''، اس لڑکھڑائی ہوئی آواز سے فائدہ اٹھا کر ایک ظالم قسم کے کمیونسٹ نے سوال کیا:

''آپ کا حضرت محمد ﷺ کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

اللہ اللہ، ایک شرابی، جیسے کوئی برق تڑپی ہو، بلور کا گلاس اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا، ''بدبخت ایک عاصی سے سوال کرتا ہے، ایک سیہ رو سے پوچھتا ہے، ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے''؟

تمام جسم کانپ رہا تھا، ایکا ایکی رونا شروع کیا، گھگھی بندھ گئی، تم نے ایسی حالت میں یہ نام کیوں لیا، تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟ گستاخ بے ادب!!

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

”اس شریر سوال پر توبہ کرو، تمہارا خبث باطن سمجھتا ہوں، خود قہر وغضب کی تصویر ہو گئے، اس نوجوان کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، اس نے بات کو موڑنا چاہا، مگر اختر کہاں سنتے تھے، اسے اٹھوا دیا، پھر خود اٹھ کر چلے گئے، تمام رات روتے رہے، کہتے تھے کہ یہ لوگ اتنے نڈر ہو گئے ہیں کہ آخری سہارا بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں، میں گنہگار ضرور ہوں؛ لیکن یہ مجھے کافر بنا دینا چاہتے ہیں۔“ (مجھے ہے حکم اذاں: مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی: ۱۷-۱۸)

(۴) شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم جن کے اشعار ان کے عشق رسول کے شاہد عدل ہیں، ان کی محبت رسول ہر شبہے سے بالاتر ہے، اقبال کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے فقیر سید وحید الدین مرحوم نے بجا لکھا ہے کہ:

> ”ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی سیرت اور زندگی کا سب سے زیادہ ممتاز، محبوب اور قابل قدر وصف جذبۂ عشقِ رسول ہے، ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ انہیں جو والہانہ عقیدت تھی، اس کا اظہار ان کی چشم نمناک اور دیدۂ تر سے ہوتا تھا کہ جہاں کسی نے حضور ﷺ کا نام ان کے سامنے لیا، ان پر جذبات کی شدت اور رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے، رسول اللہ ﷺ کا نام آتے ہی اور ان کا ذکر چھڑتے ہی اقبال بے قابو ہو جاتے تھے۔
>
> اقبال کی شاعری کا خلاصہ، جوہر اور لب لباب عشق رسول ﷺ اور اطاعت رسول ہے، میں نے ڈاکٹر صاحب کی صحبتوں میں عشق رسول ﷺ کے مناظر دیکھے ہیں، ان کا لفظوں میں پوری طرح اظہار بہت مشکل ہے۔“
>
> فقیر صاحب ہی لکھتے ہیں:

”ڈاکٹر صاحب کا دل عشق رسول ﷺ نے گداز کر رکھا تھا، زندگی کے آخری زمانہ میں تو یہ کیفیت اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ ہچکی بندھ جاتی تھی، آواز بھرا جاتی تھی، اور وہ کئی کئی منٹ مکمل سکوت اختیار کر لیتے تھے؛ تاکہ اپنے جذبات پر قابو پا سکیں اور گفتگو جاری رکھ سکیں۔

جب ڈاکٹر صاحب راؤنڈ ٹیبل کانفرنس سے واپس آئے تو والد مرحوم ان سے ملنے گئے، بڑی مدت کے بعد ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی تھی، اس لئے بڑے تپاک سے ملے اور ڈاکٹر صاحب سے سفر کے تجربات کے متعلق گفتگو ہونے لگی، والد مرحوم نے اثنائے گفتگو میں کہا: ”اقبال! تم یورپ ہو آئے، مصر اور فلسطین کی بھی سیر کی، کیا اچھا ہوتا کہ واپسی پر روضۂ اطہر کی زیارت سے بھی آنکھیں نورانی کر لیتے، یہ سنتے ہی ڈاکٹر صاحب کی حالت دگرگوں ہوگئی، یعنی چہرے پر زردی چھا گئی، اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، چند لمحے تک یہی کیفیت رہی، پھر کہنے لگے: ”فقیر! میں کس منہ سے روضۂ اطہر پر حاضر ہوتا؟“ (اقبال اور محبت رسول: ڈاکٹر طاہر فاروقی: ۶)

اقبال کے عشق رسول کا اندازہ اس رباعی سے لگایا جا سکتا ہے، اپنے رب کو خطاب کرتے ہوئے اپنی مناجات میں کس درد کے ساتھ کہتے ہیں ؂

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو می خواہی حسابم ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

خدایا! آپ دونوں عالم سے غنی ہیں، میں سراپا فقیر ہوں، محشر کے دن میرے عذر کو قبول فرما لیجئے، اور اگر میرا حساب ناگزیر ہو تو نگاہِ رسالت مآب سے مجھے مخفی رکھئے (میں ان کا سامنا کرنے کی ہمت اپنے پر تقصیر وجود کے ساتھ کیسے کر سکوں گا؟)

ایسے ہی سچے عاشقانِ رسول کو مولانا آزادؒ کے ساحرانہ قلم نے یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور پوری امت کو پیغام دیا ہے:

’’پس کیا مبارک ہیں وہ دل جنہوں نے اپنے عشق اور شیفتگی کے لئے ’’رب السمٰوات والارض‘‘ کے محبوب کو چنا اور کیا پاک ومطہر ہیں وہ زبانیں جو سید المرسلین ورحمۃ للعالمین کی مدح وثنا میں زمزمہ سنج ہوئیں۔

انہوں نے اپنے عشق وشیفتگی کے لئے اس کی محبوبیت کو دیکھا جسے خود خدا نے اپنی چاہتوں اور محبتوں سے ممتاز کیا اور ان کی زبانوں نے اس کی مدح وثنا کی، جس کی مدح وثنا میں خود خدا کی زبان، اس کے ملائکہ اور قدسیوں کی زبان اور کائناتِ ارض کی تمام پاک روحوں اور سعد ہستیوں کی زبان، ان کی شریک وہم نوا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.

اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں، اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ان پر صلوٰۃ وسلام بھیجو، اچھا سلام۔

بلاشبہ محبت نبوی اور عشق محمدی کے یہ پاک ولولے اور یہ مخلصانہ ذوق وشوق تمہاری زندگی کی سب سے زیادہ قیمتی متاع ہے اور تم اپنے ان پاک جذبات کی جتنی بھی حفاظت کرو، کم ہے۔ تمہارا یہ عشق الٰہی ہے، تمہاری یہ محبت ربانی ہے، تمہاری یہ شیفتگی انسانی سعادات اور راست بازی کا سرچشمہ ہے، تم اس وجود مقدس ومطہر سے محبت رکھتے ہو، جس کو تمام کائناتِ انسانی میں تمہارے خدا نے ہر طرح کی محبوبیتوں اور ہر قسم کی محمودیتوں کے لئے چن لیا اور محبوبیت عالم کا خلعت اعلیٰ صرف اسی کے وجودِ اقدس پر راس آیا، کرۂ ارض کی سطح پر انسان کے لئے بڑی سے بڑی بات جو کہی جاسکتی ہے، زیادہ سے زیادہ عشق جو کیا جاسکتا ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ مدح وثنا جو زبان پر آسکتی ہے، غرض انسان کی زبان، انسان کے لئے جو کچھ کہہ سکتی ہے اور کرسکتی ہے وہ سب کا سب صرف اسی انسان کامل واکمل کے لئے ہے، اور اس کا مستحق اس کے سوا کوئی نہیں۔‘‘ (البلاغ: جنوری ۱۹۱۶)

معاصر حالات میں جب کہ امت بگاڑ کا مرکب بنتی جارہی ہے اور غیر مسلم طاقتیں اسلام، پیغمبر اسلام اور مقدسات اسلام کے تعلق سے اہانت آمیز سرگرمیوں پر تلی ہوئی ہیں، سچے عاشقانِ رسول کی سیرت ہم کو ایک طرف محبت رسول اور اس راہ میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کی تحریک بھی کرتی ہے، اور دوسری طرف اپنے کردار وعمل کو سیرتِ نبویہ کے رنگ میں رنگنے اور اسوۂ حسنہ کے قالب میں ڈھالنے کا پیغام بھی دیتی ہے، پیغمبر علیہ السلام سے دعوائے محبت اسی وقت معتبر ہوگا جب ہماری نگاہ ودل، زبان وقلم، وجود وسراپا، اندرون وبیرون، قلب وقالب، خلوت وجلوت سب میں تعلیماتِ نبوی اور اخلاقِ محمدی کی نمود ہو اور ہمارے اپنے جذبات پیغمبر علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقۂ ہدایت کے مکمل تابع ہو جائیں گے۔

◆

محبت رسول ﷺ کے ثمرات ونتائج

حضور اکرم ﷺ سے بے پناہ محبت اور عشق کا تعلق ایمان کی تکمیل اور معتبریت کے لئے بنیادی شرط ہے، اور جس دل میں آپ ﷺ کا سچا عشق پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے بے حد خوش گوار نتائج سامنے آتے ہیں، اور انسان کی زندگی میں نمایاں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے۔

(۱) ایمانی حلاوت

عشق رسول ﷺ کا سب سے نمایاں ثمرہ اور نتیجہ حلاوتِ ایمانی کی دولت بیش بہا کا حصول ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ. (بخاری:الایمان: باب حلاوۃ الایمان: ١٦)

تین خصلتیں جس شخص میں آجائیں اسے ایمان کی حلاوت مل جاتی ہے: (۱) دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ اللہ و رسول سے محبت ہو، (۲) کسی سے محبت ہو تو صرف اللہ کے لئے ہو، (۳) من جانب اللہ کفر سے بچا لئے جانے کے بعد کفر میں واپسی آگ میں ڈالے جانے کی طرح ناگوار و ناپسند ہو۔

حلاوتِ ایمانی سے مراد طاعات کی لذت اور راہِ خدا میں مشقتوں کو برداشت کرنے کا جذبہ پیدا ہو جانا ہے، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

ذَاقَ طَعْمَ الإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالإِسْلامِ دِيْناً وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلاً. (مسلم: الإيمان: باب الدليل الخ: ۱۵۱)

جو اللہ کو رب بنانے، اسلام کو دین بنانے اور آپ کو رسول بنانے پر راضی ہو، (یعنی ربوبیت کے باب میں اللہ پر، دین کے باب میں اسلام پر اور رسالت کے باب میں آپ ﷺ پر اس طرح مطمئن اور قانع ہو کہ غیر کی طلب تک اس کے دل میں نہ آئے) اسے ایمان کا ذائقہ اور لذت مل جاتی ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ عشق رسول کے نتیجے میں ایمانی حلاوت اور لذت نصیب ہوتی ہے، جو ایک مسلمان کے لئے سب سے بیش قیمت دولت اور مایۂ افتخار ہے۔

(۲) آخرت میں آپ ﷺ کی معیت

تقریباً ۲۰ر صحابہ سے یہ روایت منقول ہے کہ ایک آدمی نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ:

مَتَى السَّاعَةُ؟

قیامت کب آئے گی؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟

تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟

اس نے جواب دیا کہ:

مَا أَعْدَدْتُ لَهَا كَثِيْرَ صَلاةٍ وَلا صِيَامٍ وَلا صَدَقَةٍ، وَلَكِنِّي أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ.

میں نے زیادہ تیاری نہیں کی، نہ تو میرے پاس زیادہ نمازیں ہیں، نہ زیادہ روزے اور نہ زیادہ صدقے، بس یہ ہے کہ مجھے اللہ و رسول سے گہری محبت ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

فَأَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ.

پھر تم آخرت میں اس کے ساتھ رہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو۔

(مسلم: البر والصلة: باب المرء مع من أحب: ۶۷۱۵)

راویٔ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اسلام لانے کے بعد ہمیں سب سے زیادہ خوشی آپ کے اس ارشاد سے ہوئی کہ آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اللہ و رسول سے محبت کرتا ہوں، اور مجھے ابوبکرؓ و عمرؓ سے بھی محبت ہے، مجھے امید ہے کہ میرا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا، اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں۔ (ایضاً: ۶۷۱۳)

معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ سے سچا عشق رکھنے والے خوش نصیب افراد کو قیامت میں آپ ﷺ کی معیت و رفاقت کا شرف حاصل ہوگا، روایات میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ایک بار حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے چہرے پر غم اور پریشانی کے آثار تھے، آپ ﷺ نے پریشانی کا سبب دریافت کیا، انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! جب میں آپ سے دور ہوتا ہوں تو فوراً آپ کے دیدار کے لئے دل بے قرار ہونے لگتا ہے، میں سوچتا ہوں کہ قیامت کے دن جنت میں آپ کو سب سے عالی مقام عطا کیا جائے گا، اور میں گنہگار انسان ہوں، اگر جنت میں پہنچ بھی گیا تو کسی نیچے کے درجے میں رہوں گا؛ اس لئے آپ کا دیدار کیسے ہو سکے گا؟ اس پر آپ ﷺ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی:

وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقاً. (النساء: ٦٩)

جو لوگ اللہ و رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ قیامت میں ان کے ساتھ

ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، انعام یافتہ لوگ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، اور یہ بہترین رفیق ہیں۔

(ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر: ۲/۷۴)

(۳) سعادت کا حصول

قرآن وسنت کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بندہ رسول اکرم ﷺ سے محبت کرتا ہے اور محبت کے حقوق ادا کرنے میں سرگرم رہتا ہے، اسے دنیا و آخرت کی سعادتیں میسر آتی ہیں، کام یابی اس کے قدم چومتی ہے، قرآن میں اللہ ورسول سے تعلق و محبت رکھنے والوں کو اللہ کی جماعت قرار دیا گیا ہے، اور ان کے لئے غلبہ وفلاح کی ضمانت لی گئی ہے، اور انہیں اللہ کی بے پایاں رحمتوں کا اولین مستحق قرار دیا گیا ہے، ایک انسان کی سب سے بڑی سعادت آخرت کی فلاح ونجات ہے، اور اس کا حصول ایمان کامل پر موقوف ہے، ظاہر ہے کہ ایمان کامل کی نعمت بغیر رسول اکرم ﷺ سے سچے اور گہرے عقیدت مندانہ تعلق کے میسر نہیں آ سکتی؛ اس لئے وہ بندہ بڑا خوش بخت ہے جس کے دل ودماغ محبت رسول کی دولت سے مالا مال ہوں، اور جو اللہ ورسول سے اس قدر محبت کرتا ہو کہ کائنات کی دوسری تمام محبتیں اس کی محبت کے سامنے بے مایہ اور ہیچ ہو جائیں۔

◆

رہے رسول کے قدموں میں سر خدا کے لئے

قرآنِ کریم میں وارد ہوا ہے:

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ. (التوبة: ٢٤)

اے نبی ﷺ! آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان، تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے، وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تم کو خدشہ واندیشہ ہے، اور تمہارے محبوب رہائشی مکانات، تمہیں اللہ، اس کے پیغمبر اور راہِ خدا میں جہاد سے زیادہ پیارے ہوں، تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرما دے اور اللہ نافرمانوں کو بامراد نہیں کرتا۔

وضاحت

سورۂ توبہ کی یہ آیت اہم ترین آیت ہے، اور صاحب کشاف زمخشری کے بقول:

هٰذِهِ آيَةٌ شَدِيدَةٌ لَا تَرَىٰ أَشَدَّ مِنْهَا. (تفسير الكشاف: جار الله زمخشري: ٢٤٩/٢)

یہ اتنی سخت آیت ہے کہ اس سے زیادہ سخت کوئی اور آیت نہیں ہے۔

آیت کے مضمون کو رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث میں مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا گیا ہے:

لایُؤمِنُ أَحَدُکُمُ حَتّی أَکُونَ أَحَبَّ إِلَیهِ مِنُ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ أَجُمَعِینَ. (بخاری: الإیمان: باب حب الرسول من الإیمان: ۱۵)

تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کی نگاہ میں اس کے باپ، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب اور پیارا نہ ہوجاؤں۔

ہجرت مدینہ کے حکم کے بعد بعض مسلمانوں نے ہجرت میں تھوڑی سی کوتاہی کی اور ان کی زبان پر یہ بات آ گئی کہ:

إِنُ نَحُنُ هَاجَرُنَا ضَاعَتُ أَمُوَالُنَا وَذَهَبَتُ تِجَارَاتُنَا وَانُقَطَعَتُ أَرُحَامُنَا.

اگر ہم ہجرت کریں گے تو ہمارے مال ضائع ہوجائیں گے، اور کاروبار مندے ہوجائیں گے، اور رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے، اور ختم ہوجائیں گے۔

اس موقع پر قرآن کی مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں بڑی وضاحت سے یہ فرمادیا گیا کہ حب ایمانی اور حب غیر ایمانی میں مقابلہ کے وقت حب ایمانی کو ترجیح دینا ہی ایمان کی علامت اور مقتضا ہے، اور اگر اللہ و رسول ﷺ کے مقابلہ میں دوسری محبتیں غالب آ رہی ہیں، تو عذابِ الٰہی کا انتظار کیا جائے، اور آخر میں یہ بھی فرمادیا گیا کہ اللہ و رسول اور جہاد کی محبت سے محرومی اللہ کی ہدایت اور رہنمائی سے محرومی ہے۔ (ملاحظہ ہو: اسباب النزول للواحدی)

دنیا کے وہ مرغوبات جو عام طور پر حب خدا و رسول سے متصادم ہوتے ہیں، ان کو قرآن کی اس آیت میں نام بہ نام ذکر فرمایا گیا ہے، اور اس فہرست میں بے حد لطیف و دقیق نفسیاتی ترتیب بھی ملحوظ رکھی گئی ہے، سب سے پہلے اعزہ واقارب کا ذکر ہے، جن کو اولاً چار قسموں میں بانٹا گیا ہے: باپ کا ذکر ہے جس میں والدین کے علاوہ تمام آباء واجداد (اصول) آجاتے ہیں، پھر بیٹوں کا ذکر ہے جس میں تمام اولاد (فروع) شامل ہیں، پھر بھائیوں پھر بیویوں کا ذکر ہے، ان چار

خاص اعزہ کے ذکر کے بعد ''خاندان'' کا عمومی تذکرہ آیا ہے، جو سب متعلقین کا احاطہ کرتا ہے۔

دوسرے نمبر پر کمائے گئے مالوں کا ذکر ہے، مالوں کے ساتھ کمانے کی قید میں ایک حکمت ہے، وہ یہ کہ محنت وکمائی سے میسر شدہ مال دلوں کو زیادہ پیارا ہوتا ہے، اس کی زیادہ اہمیت وقدر ہوتی ہے، جب کہ بے محنت حاصل شدہ مال (مثلاً میراث، وصیت اور ہدیہ وتحفہ وغیرہ کا مال) کی نہ تو اتنی محبت وعزت ہوتی ہے اور نہ اس کی حفاظت اور نگہداشت کا اتنا اہتمام والتزام ہوتا ہے۔

تیسرے نمبر پر تجارت کا ذکر ہے، تجارت کے ساتھ کساد بازاری کے خدشہ واندیشہ کی قید بتاتی ہے کہ کامیاب، نفع رساں اور چلتی ہوئی تجارت مراد ہے؛ کیوں کہ اسی کے سرد اور ختم ہونے کا اندیشہ دل کو ستاتا اور گھبراہٹ میں ڈالتا ہے، اور اسی کی کساد بازاری کے خطرات ہوتے ہیں، جن سے بچاؤ کے لئے آدمی پوری کدوکاوش کرتا ہے اور اتنی اہمیت اسے دیتا ہے کہ بسا اوقات ضروریاتِ دین اس کے سامنے ہیچ ہو جاتی ہیں، اللہ ورسول کی محبت پر اسے غلبہ مل جاتا ہے، اور یہی سنگین خطرہ کا الارم ہوتا ہے۔

چوتھے نمبر پر رہائشی مکانات (وطن) کا ذکر ہے، وطن ومکان کی محبت سابقہ تینوں کی محبت سے کم ہوتی ہے، اس کی وجہ علامہ ابن القیم جوزیؒ کے بقول یہ ہے کہ:

''وطن کا متبادل موجود ہوتا ہے کہ آدمی دوسرا وطن بنالے، دوسری جگہ رہنے لگے: بلکہ کبھی دوسری جگہ زیادہ طبیعت لگتی ہے، جب کہ اولاد ووالدین واقارب کا کوئی متبادل نہیں ہوتا، اصل ترتیب یہی ہے کہ سب سے زیادہ محبت اقارب سے، پھر مال، پھر تجارت، پھر وطن سے ہوتی ہے، اسی کا قرآنِ کریم میں ذکر ہے۔ اگر کسی فرد کی عملی زندگی میں یہ ترتیب کچھ بدلی ہوئی ہو تو وہ ایک عارضی اور نادر الوقوع حالت ہے، جس سے اصل ترتیب پر کوئی حرف نہیں آتا۔''

(بدائع التفسیر: امام ابن القیم جوزیؒ: ۲/۳۵۱، التفسیر الکبیر للرازی: ۸/۱۶-۱۷، البحر المحیط: ابوحیان اندلسی: ۵/۳۹۱)

یہاں یہ بھی قابل توجہ ہے کہ اعزہ واقارب کا ذکر آیت میں مال سے پہلے آیا ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ آخر میں جہاد کا ذکر ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ اگر مذکورہ اشیاء جہاد سے زیادہ

پیاری ہیں، تو یہ مستحق وعید بات ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ اہل وعیال اور خاندان سے جدائی کا تصور انسان کے لئے جہاد میں جانے سے مال ودولت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ رکاوٹ ثابت ہوتا ہے، پھر خاندان میں آباء کا پہلے ذکر ہوا ہے پھر اولاد کا؛ اس لئے کہ مقام ومرتبہ کے لحاظ سے بھی اور فطری طور پر بھی آباء کا درجہ اولاد پر مقدم ہوتا ہے، خاندانی تفاخر کے باب میں بھی آباء ہی کا لحاظ کیا جاتا ہے، آباء کا دفاع آدمی اپنی اولاد؛ بلکہ اپنی ذات سے زیادہ کرتا ہے، اولاد کی اور اپنی برائی تو برداشت کر لی جاتی ہے، مگر آباء کی برائی قطعاً ناقابل تحمل ہوتی ہے، پھر چوں کہ بیٹے بھائیوں اور دیگر اہل خاندان سے کہیں زیادہ پیارے اور عزیز ہوتے ہیں؛ اس لئے دوسرا درجہ ان کو دیا گیا ہے، پھر بھائیوں کا ذکر بیویوں سے پہلے ہے؛ کیوں کہ بھائی اپنے ہوتے ہیں جن کا کوئی بدل نہیں، جب کہ بیویاں اجنبی ہوتی ہیں، ان کا بدل دوسری بیوی ہوسکتی ہے۔ (بدائع التفسیر: امام ابن القیم جوزی: ۲/۳۵۰)

مفسر بیضاوی نے تحریر فرمایا ہے کہ:

وَفِی الآیَةِ تَشْدِیْدٌ عَظِیْمٌ وَقَلَّ مَنْ یَتَخَلَّصُ مِنْهُ. (تفسیر البیضاوی: ۲۵۰)

یہ آیت بے حد سخت ہے، اور اس کی وعید سے بہت کم ہی لوگ بچ پاتے ہیں۔

کیوں کہ اکثر افراد کے دلوں میں اہل وعیال اور مال کی محبت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، ہاں یہ ملحوظ رہے کہ آیت میں اللہ ورسول کی محبت سے اختیاری محبت مراد ہے، کیوں کہ طبعی محبت غیر اختیاری ہوتی ہے جو اہل وعیال سے ہوتی ہے، اس پر پابندی عائد کرنا وسعت سے زیادہ مکلّف بنانا ہے؛ لیکن اگر کسی کو اللہ ورسول سے طبعی محبت ہوجائے تو یہ بہت اعلیٰ مقام ہے، اور اس سے اونچی کوئی سعادت نہیں ہوسکتی۔

احادیث میں اللہ ورسول کی محبت کو ایمان کی حلاوت اور چاشنی سے تعبیر کیا گیا ہے، دوستی ودشمنی اور محبت وعداوت نیز دینے نہ دینے کے تمام جذبات کو اللہ کی مرضی کے تابع

کرنے کو کمال ایمان قرار دیا گیا ہے، اللہ کو رب، محمد ﷺ کو رسول اور اسلام کو دین ماننے پر قلبی رضامندی کو ایمان کی لذت یابی اور بشاشت بتایا گیا ہے، (مشکوۃ المصابیح: الإیمان: ۸، ۹، ۳۰) یہ احادیث اسی آیت کی تشریح ہیں، تفسیر قرآن کا دوسرا ماخذ حدیث نبوی ہے، ان احادیث میں اسی آیت کا مضمون واضح فرمایا گیا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

> ''محبت ایمانی کی اس آزمائش میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جس طرح پورے اترے، اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے، اور محتاج بیان نہیں، بلا شائبۂ مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا صحابہ نے اللہ کے رسول سے راہِ حق میں کیا، انہوں نے اس محبت کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیا، جو انسان کر سکتا ہے، اور پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے؛ لیکن آج ہمارا حال کیا ہے؟ کیا ہم میں سے کسی کو جرأت ہو سکتی ہے کہ یہ آیت سامنے رکھ کر اپنے ایمان کا احتساب کرے؟'' (ترجمان القرآن: ۳/۲۵۴-۲۵۵)

مختصر لفظوں میں اس آیت کا پیغام یہ ہے کہ اے مدعیانِ اسلام! اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو، اپنے اندرون کا جائزہ لو، اپنے باطن کا محاسبہ کرو، اور اپنے دل کے نہاں خانوں میں ٹٹولو کہ کہیں تمہارے دل نے عشق و محبت اور اظہار عقیدت کے لئے اللہ و رسول کے سوا اور دوسرے بت تو منتخب نہیں کر لئے ہیں؟ اگر ایسا ہوا ہے تو سمجھ لو کہ ایمان کی نورانیت و روحانیت سے تمہارا دل محروم اور سینہ خالی ہے، اب اگر ایمان کی اصل تابندگی اور روح کی تلاش ہے تو اللہ و رسول سے اس طرح محبت کرنا ہوگی کہ کائناتِ عالم کی تمام محبتیں اس کے سامنے بے مایہ اور بے حقیقت ہو جائیں، قرآن کریم یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ بیویوں سے، بچوں سے، خاندان سے مطلق محبت نہ کرو، نہیں! بلکہ قرآن صرف یہ کہتا اور چاہتا ہے ؎

قدم اٹھاؤ ترقی کرو ضرور و لے ☆ رہے رسول کے قدموں میں سر خدا کے لئے

عشق رسالت مآب: بنیادی محرکات و اسباب

سرور کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تمام اہل ایمان کے لئے محبت و عقیدت کا سب سے عظیم مرکز ہے، شریعت کا مطالبہ، عقل سلیم کا تقاضا اور ایمانی فطرت کی پکار یہی ہے کہ ہر صاحب ایمان مرد و خاتون کے دل میں آپ ﷺ کا عشق کائنات کی دوسری تمام چیزوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہو۔

قرآن مجید میں (۱) آباء واجداد (۲) اولاد واحفاد (۳) برادران (۴) شریک زندگی (۵) خاندان (۶) مال و دولت (۷) تجارت و کاروبار (۸) مکانات اور جائداد، سب کا تقابل اللہ ورسول کی محبت سے کیا گیا ہے اور آگاہی دی گئی ہے کہ اگر ان کی محبت اللہ ورسول کی محبت پر غالب ومقدم ہوگی تو پھر اللہ کی گرفت کے لئے تیار رہنا چاہئے، اور یہ پیغام بھی دیا گیا ہے کہ اللہ ورسول کی محبت دیگر ساری محبتوں پر اس طرح غالب رہنی ضروری ہے کہ اس تعلق کے آگے دوسرے تعلقات ہیچ ہو جائیں۔ (التوبہ: ۲۴)

متعدد احادیث نبویہ میں آپ ﷺ نے قسم کھا کر یہ مضمون بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی محبت والدین، اولاد، اپنی جان اور تمام انسانوں کی محبت پر غالب ہوگی تبھی ایمان معتبر اور مکمل ہوگا۔ (بخاری: الایمان: باب حب الرسول الخ: ۱۵)

منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مجلس میں خدمت نبوی میں یہ عرض کیا تھا کہ مجھے اپنی جان کے بعد سب سے زیادہ محبت آپ کی ذات سے ہے، یہ سن کر آپ ﷺ نے قسم کھائی اور فرمایا: جب تک میں تم کو تمہاری جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں تمہارا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا،

چند لمحوں کے بعد حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اب آپ مجھے میری جان سے زیادہ محبوب ہو گئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اب تمہارا ایمان مکمل ہوا ہے۔ (بخاری: الأیمان: باب کیف کانت یمین النبی: ۶۲۵۷)

اس سے یہ سبق ملا کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت آپ ﷺ سے ہونی چاہئے۔

حضرت علیؓ سے پوچھا گیا:

كَيُفَ كَانَ حُبُّكُمُ لِرَسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ؟

رسول اللہ ﷺ سے آپ لوگوں کی محبت کیسی تھی؟

فرمایا:

كَانَ وَاللّٰهِ أَحَبَّ إِلَيُنَا مِنُ أَمُوَالِنَا وَأَوُلادِنَا وَ آبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا، وَمِنَ الُمَاءِ الُبَارِدِ عَلَى الظَّمَأِ. (الشفاء بتعريف حقوق المصطفى: قاضی عیاضؒ: ۲/۲۸)

خدا کی قسم! ہمارے دلوں میں حضور اکرم ﷺ کی محبت ہمارے مال و دولت، اولاد، والدین سب سے زیادہ تھی، اور سخت پیاس کے عالم میں ٹھنڈے پانی کے لئے جو چاہت اور تڑپ ہوتی ہے، ہمارے دلوں میں آپ ﷺ کے لئے اس سے زیادہ چاہت اور تڑپ ہوتی تھی۔

انسان کو دنیا میں جن چیزوں اور رشتوں سے طبعی، غیر اختیاری اور اٹوٹ محبت ہوتی ہے، ان سب سے بڑھ کر محبت ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دوسروں سے محبت و تعلق کے جو اصل بنیادی چار اسباب ہوتے ہیں وہ سب کے سب آپ ﷺ کی ذاتِ والا صفات میں بدرجۂ اتم جمع اور موجود ہیں۔

(۱) فطری اور اٹوٹ محبت کا پہلا سبب حسن و جمال ہوتا ہے، انسانی فطرت جمال پسند ہوتی ہے، ہر خوب صورت چیز کی طرف دل لپکتا اور قلب مائل ہوتا ہے، اس پہلو سے آپ ﷺ کو

دیکھا جائے تو حضرت حسانؓ کے ان اشعار سے بڑھ کر کچھ نہیں کہا جا سکتا ؎

وَأَحْسَنَ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ
وَأَجْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَأَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

آپ سے زیادہ حسین وجمیل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا، اور آپ سے زیادہ خوبصورت انسان خواتین نے نہیں جنا، آپ ہر عیب سے پاکیزہ پیدا کیئے گئے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ آپ کی تخلیق آپ کی منشا کے مطابق ہوئی ہے۔

اور ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور ؎

جمال و حسن کی الفاظ میں تعبیر ناممکن
مجسم نور کی کھینچے کوئی تصویر ناممکن

حضرت انسؓ کا بیان ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ. (بخاری: الجهاد: باب الشجاعة: ۲۸۲۰)

حضور اکرم ﷺ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے بہادر اور سب سے سخی تھے۔

حضرت براء بن عازبؓ نے آپ ﷺ کے رخِ انور کو چاند سے تشبیہ دی ہے (بخاری: المناقب: باب صفۃ النبی: ۳۵۵۲)، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے چودھویں رات کی چاندنی

میں آپ ﷺ کو سرخ لکیروں والے جوڑے میں ملبوس دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا، کبھی میری نظر چاند پر جاتی اور کبھی آپ کے رخ انور کی طرف، مگر دل کا فیصلہ یہی رہا کہ آپ چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں، (شمائل ترمذی: باب صفۃ النبی: ۹) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے حفصہ بنت رواحہ سے ایک سوئی عاریت پر لے رکھی تھی، جس سے میں آپ ﷺ کے کپڑے سیا کرتی تھی، ایک بار اندھیری رات میں وہ سوئی میرے ہاتھ سے گر گئی، تلاش کے بعد بھی نہ ملی، جب آپ ﷺ گھر کے اندر تشریف لائے تو آپ کے رخ انور کی تابانی اس قدر تھی کہ اجالا پھیل گیا اور مجھے سوئی مل گئی۔ (دلائل النبوۃ: اصبہانی: ۹۶۲/۳)

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَأَنْوَرَهُمْ لَوْنًا، لَمْ يَصِفْهُ وَاصِفٌ قَطُّ. (الخصائص الكبرى: ١١٦/١)

آپ ﷺ کا چہرہ سب سے حسین اور رنگ سب سے زیادہ منور تھا، کوئی تعریف کرنے والا آپ کی تعریف کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

حضرت عائشہؓ نے ایک شعر میں جمال محمدی کی منظر کشی یوں کی ہے ؎

لَـنَـا شَـمْـسٌ وَلِـلْآفَـاقِ شَـمْـسٌ
وَشَـمْـسِـیْ أَفْـضَـلُ مِـنْ شَـمْـسِ السَّـمَـاءِ

ہمارا ایک سورج ہے (جو آپ ﷺ کی شکل میں روشن ہے) اور آسمان کے افق پر بھی ایک سورج ہے، اور میرا سورج آسمان کے سورج سے کہیں بہتر ہے (آسمان کا سورج رات میں روشنی نہیں بکھیرتا، جب کہ آفتاب نبوت کی کرنیں روز وشب کے ہر ہر لمحے میں تابانی بکھیرتی رہتی ہیں)۔

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں:

يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ. (دلائل النبوة للبيهقي: ٢٦٨/١)

آپ ﷺ کا رخ انور چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

حضرت ربیع بنت معوذؓ نے کسی سائل کے جواب میں کہا تھا:

لَوْ رَأَيْتَهُ لَرَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً. (مشکوۃ المصابیح: الفضائل: ۵۷۹۳)

اگر تم حضور اکرم ﷺ کو دیکھتے تو تم چمکتا ہوا سورج دیکھتے۔

حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر بات ختم کردی ہے:

بِأَبِي هُوَ وَأُمِّي: لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ أَحَدًا مِثْلَهُ. (کنزالعمال: ۱۸۵۷۱)

میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔

حاصل یہ ہے کہ سعدی کے الفاظ میں ع

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

زبان وقلم آپ ﷺ کی سچی تصویر کشی سے عاجز وقاصر ہیں۔

فطری اوراٹوٹ محبت کا بنیادی باعث حسن و جمال ہوتا ہے، اس لحاظ سے ہماری محبتوں اور عقیدتوں کے سب سے بڑھ کر مستحق حضور اکرم ﷺ ہیں، اس لئے کہ آپ سے بڑھ کر حسن وجمال کسی کو عطا ہی نہیں ہوا۔

(۲) محبت کا دوسرا بنیادی سبب ''کمال'' ہوتا ہے، کمال کو باطن کے جمال اور سیرت کے حسن سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں، انسان صاحب کمال کے کمال کا گرویدہ اور فریفتہ ہوجاتا ہے، اس پہلو سے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے آپ کو ظاہری وباطنی کمالات کا مجمع ومنبع بنایا تھا، بقول شاعر ؎

مقصودِ کائنات ہمارے حضور ہیں
مجموعۂ صفات ہمارے حضور ہیں

تنویرِ شش جہات ہمارے حضور ہیں
خضرِ رہِ حیات ہمارے حضور ہیں
صد شکر بے مثال ہمیں رہنما ملا
وہ مل گئے تو اُن سے خدا کا پتہ ملا

روایات میں مذکور ہے کہ اللہ نے کائنات میں سب سے پہلے ”نورِ محمدی“ کو پیدا کیا، (مرقاۃ المفاتیح: ۱/ ۲۹۱) پھر پوری کائنات آپ ﷺ کی برکت سے اور آپ کے صدقے میں خلق کی گئی، پھر آپ کو پوری انسانیت کے لئے مبعوث کیا گیا، آپ کی بعثت ہر دور اور ہر علاقے کے لئے ہے، آپ کو تمام انبیاء و رسل میں سب سے اعلیٰ مقام عطا ہوا، آپ کی شریعت نے پچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا، آپ کی بعثت کے بعد نجات صرف آپ کے دامنِ رحمت میں پناہ لے کر ہی مل سکتی ہے، قرآن میں ”**إِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ**“ (آپ اخلاق کے سب سے اعلیٰ مقام پر ہیں) فرما کر آپ کے علوئے مرتبت کا اظہار کیا گیا ہے، (القلم: ۴) آپ کو **شَاھِدٌ** (گواہی دینے والا) **مُبَشِّرٌ** (خوش خبری دینے والا) **نَذِیْرٌ** (ڈرانے والا) **دَاعِیٌ** (اللہ کی طرف بلانے والا) **سِرَاجٌ مُنِیْرٌ** (روشن چراغ اور شمعِ ہدایت) **رَؤُوْفٌ** (سراپا شفقت) **رَحِیْمٌ** (سراپا مہربانی) **رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِیْنَ** (رحمتِ تمام) قرار دیا گیا ہے، (الاحزاب، التوبہ، الانبیاء) قرآن نے آپ کو **خَاتَمُ الْمُرْسَلِیْنَ وَالْأَنْبِیَاءِ** بتا کر آپ کی عظمت اور کاملیت پر مہر لگا دی ہے۔ (الاحزاب)

خود آپ ﷺ نے اپنے تعارف میں ”**رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ**“ (اللہ کی طرف سے عطا کردہ رحمت) ”**سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ**“ (تمام اولادِ آدم کا سردار) ”**أَكْرَمُ الْأَوَّلِیْنَ وَالآخِرِیْنَ**“ (اگلوں اور پچھلوں میں سب سے معزز) ”**لِوَاءُ الْحَمْدِ**“ (حمد کے پرچم کا حامل) ”**عُلُوْمُ الْأَوَّلِیْنَ وَالآخِرِیْنَ**“ (تمام اگلوں اور پچھلوں کے برابر علم کا حامل) ”صاحب مقامِ محمود و شفاعتِ

کبریٰ'' اور ان کے علاوہ بے شمار کمالات و خصائص کا ذکر فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو: مشکوۃ المصابیح: الفضائل والشمائل: باب فضائل سید المرسلین)

واقعہ یہی ہے کہ ۔

کتاب فطرت کے سرورق پر جو نامِ احمد رقم نہ ہوتا
تو نقشِ ہستی ابھر نہ سکتا، وجودِ لوح و قلم نہ ہوتا
زمیں نہ ہوتی فلک نہ ہوتا، عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا
یہ محفلِ کن فکاں نہ ہوتی اگر وہ شاہِ امم نہ ہوتا

لٰہذا اگر فضل و کمال کی بنیاد پر کوئی سب سے بڑھ کر ہماری محبتوں کا حقدار ہے تو آپ ﷺ کی ہی ذات والا صفات ہے۔

(۳) محبت کا تیسرا سبب ''احسان'' ہوتا ہے، عربی مقولے کے مطابق ''اَلإِنْسَانُ عَبْدُ الإِحْسَانِ'' (انسان احسان کا غلام ہوتا ہے) اپنے محسن کے لئے انسان کے دل میں طبعی طور پر محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اس حوالے سے آپ ﷺ کی شخصیت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے سب سے عظیم محسن آپ ﷺ ہی ہیں، ہمارا وجود آپ کا صدقہ ہے، ہمارا ایمان آپ کا فیض ہے، ہمارا علم آپ کی میراث ہے، دنیا میں ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کے دم سے ہے اور موت کے بعد جو کچھ ملنا ہے وہ اسی ایمان کے طفیل ملنا ہے جو آپ کے فیض سے ہم کو میسر آیا ہے۔

آپ ﷺ نے شرک و کفر کے اندھیاروں میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو توحید کی لازوال نعمت عطا کی، جہالتوں میں بھٹکتی دنیا کو علم کا نور بخشا، انتشار اور بکھراؤ سے پریشان انسانیت کو وحدت و اجتماعیت کا سبق دیا، طبقاتی تفریق کی نحوستوں میں گھری ہوئی دنیا کو مساوات کا عظیم پیغام سنایا، مایوسیوں کے شکار لوگوں کو امید اور حوصلہ عطا کیا، خطا کاروں کو توبہ و انابت کے دروازے پر لا کھڑا کیا، دین و دنیا کی وحدت کا تصور دلوں میں راسخ کیا، مظلوم اور ستم رسیدہ

طبقات کے درد کا مداوا کیا، آپ ﷺ نے یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ بن کر دکھایا، خواتین کی حرمت و عظمت کو بحال فرمایا، عفت و حیا کا نظام زندہ و قائم فرمایا، خیر خواہی اور ہم دردی کی فضا عام کر دی، عدل و انصاف کا چلن رائج کر دیا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

پوری انسانیت آپ ﷺ کے زیرِ احسان ہے، احسان کی بنیاد پر اگر کوئی ہستی ہماری محبتوں اور عقیدتوں کا سب سے اولین اور عظیم مرکز بننے کے قابل ہے تو وہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔

(۴) فطری محبت کا چوتھا سبب ''قرابت'' ہوتا ہے، اپنے قرابت داروں سے انسان کا تعلق طبعی اور اٹوٹ ہوتا ہے، اس زاویے سے اگر ذات نبوی ﷺ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تمام اہل ایمان کے لئے دوسرے تمام قرابت داروں سے کہیں زیادہ قریبی قرابت رکھنے والی ہستی ہیں، قرآن کہتا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ.

(الاحزاب:٦)

نبی ﷺ کا تعلق اور لگاؤ اہل ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ ہے، اور آپ کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

آپ ﷺ نے صحابہ کو خطاب میں '' إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ'' (میں تمہارے لئے ایسا ہی ہوں جیسے باپ اپنی اولاد کے لئے) فرما کرامت سے اپنی قرابت قریبہ کا اظہار فرما دیا تھا۔ (مشکوۃ المصابیح: الطہارۃ: باب آداب الخلاء: ۳۴۷)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلاَّ وَأَنَا أَوْلَى بِهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ. (بخاری : باب الصلوة على من ترك دينا: ٢٣٩٩)

دنیا اور آخرت میں ہر مؤمن کا سب سے زیادہ قریبی میں ہی ہوں۔

اسی لئے حضرت سہلؒ نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان اپنے آپ کو آپ ﷺ کا غلام نہ سمجھے اور تمام معاملات میں اپنے اوپر آپ ﷺ کی حکمرانی کو دل و جان سے قبول و تسلیم نہ کر لے، وہ سنت کی حلاوت کبھی نہ پا سکتا۔ (شرح الزرقانی علی المواہب: ۶/۳۱۳)

معلوم ہوا کہ قرابت اگر محبت کی اساس ہو تو بھی آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی سب سے بڑھ کر اس لائق ہے کہ ہم اپنی محبتوں اور عقیدتوں کو آپ کے لئے وقف کر دیں۔

حاصل یہ ہے کہ ہر مسلمان اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنے سینے میں جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت و عشق کی شمع ہر لمحۂ حیات میں فروزاں رکھے، اور اس کی حیات و سیرت کا ہر گوشہ بارگاہِ رسالت مآب میں اس طرح شہادت دے کہ ؎

زندگی کچھ بھی نہیں تیری محبت کے بغیر
اور بے روح محبت ہے اطاعت کے بغیر

دین ہی میں کوئی لذت ہے نہ دنیا میں ہے لطف
اے غمِ عشقِ نبی تیری رفاقت کے بغیر

ساغرِ آبِ حیات آئے تو میں ٹھکرا دوں
بخدا نامِ محمد کی حلاوت کے بغیر

◆

باب ششم:

اطاعتِ رسول ﷺ

اطاعتِ رسول ﷺ

امت پر حضور اکرم ﷺ کے جو بنیادی حقوق عائد ہوتے ہیں، ان میں ”اطاعت رسول“ کو بہت نمایاں مقام اور اولیت حاصل ہے، اطاعت رسول کا دائرہ بے حد وسیع ہے، اس دائرے میں سب سے پہلے ”ایمان“ آتا ہے، پھر اس کے بعد پوری عملی زندگی آتی ہے، آپ ﷺ کی رسالت کی سچی تصدیق کے بغیر کوئی شخص ایمان کے حلقے میں داخل نہیں ہوسکتا، ایمانیات سے متعلق قرآن کی بیشتر آیات میں اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ پر ایمان کا ذکر آیا ہے، ارشاد فرمایا گیا:

> **يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلَى رَسُوْلِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِیْ أَنزَلَ مِن قَبْلُ وَمَن يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً بَعِيْداً.** (النساء: ١٣٦)

> اے ایمان والو! اللہ پر ایمان رکھو، اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر اتاری ہے، اور ہر اس کتاب پر جو اس نے پہلے اتاری تھی، اور جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور یوم آخرت کا انکار کرے وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دور جا پڑا ہے۔

> **آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنكُمْ وَأَنفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيْرٌ، وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ**

بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (الحدید: ۷-۸)

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو، اور جس (مال) میں اللہ نے تمہیں قائم مقام بنایا ہے، اس میں سے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرو، چنانچہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے (اللہ کے راستے میں) خرچ کیا ہے، ان کے لئے بڑا اجر ہے، اور تمہارے لئے کونسی وجہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہ رکھو، حالانکہ رسول تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان رکھو، اور وہ تم سے عہد لے چکے ہیں، اگر تم واقعی مؤمن ہو۔

فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالنُّوْرِ الَّذِيْ أَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. (التغابن: ۸)

لہٰذا اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس روشنی پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهُ مَكْتُوْباً عِنْدَهُمْ فِيْ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهِ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوْا النُّوْرَ الَّذِيْ أُنْزِلَ مَعَهُ أُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعاً الَّذِيْ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ. (الاعراف: ۱۵۷-۱۵۸)

(میری رحمت ان کو ملے گی) جو اس رسول، یعنی نبی ِ اُمی کے پیچھے چلیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دے گا، برائیوں سے روکے گا، اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا، اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے وہ طوق اتار دے گا جو ان پر لدے ہوئے تھے، چنانچہ جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائیں گے، اس کی تعظیم کریں گے، اس کی مدد کریں گے، اور اس کے ساتھ جو نور اتارا گیا ہے، اس کے پیچھے چلیں گے، تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے، (اے رسول! ان سے) کہو کہ: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہی زندگی اور موت دیتا ہے، اب تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کی پیروی کرو تا کہ تمہیں ہدایت حاصل ہو۔

مذکورہ آیات مختصر نمونے کا مقام رکھتی ہیں، ورنہ قرآن مجید میں اس موضوع کا ذکر بار بار آیا ہے۔

قرآن مجید میں رسولوں کی اطاعت کی لازمیت کو اس اصولی انداز میں بھی بیان کیا گیا ہے:

وَمَا أَرۡسَلۡنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذۡنِ اللّٰهِ. (النساء: ٦٤)

اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا کسی اور مقصد کے لئے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت امت کے ذمے فرض ہے، اور اس سے انحراف بدترین جرم ہے، قرآن نے ''اطاعت رسول'' کو نعمتِ خداوندی سے بھی تعبیر کیا ہے، چنانچہ فرمایا گیا:

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَمِیْثَاقَهُ الَّذِیْ وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ. (المائدة: ۷)

اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اسے اور اس عہد کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا تھا، جب تم نے کہا تھا کہ: ہم نے اچھی طرح سن لیا ہے، اور اطاعت قبول کرلی ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ یقیناً سینوں کے بھید سے پوری طرح باخبر ہے۔

سورۃ النور میں ایک ہی سلسلۂ بیان میں چھ بار اطاعت رسول کا مضمون دہرایا گیا ہے:

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ أَنْ یَقُوْلُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُوْلٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، وَمَنْ یُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَیَخْشَ اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ فَأُوْلٰئِکَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ، وَأَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَیْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَیَخْرُجُنَّ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ إِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ، قُلْ أَطِیْعُوا اللّٰهَ وَأَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَأُوْلٰئِکَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ، وَأَقِیْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. (النور: ۵۱-۵۶)

مؤمنوں کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی

طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ: ہم نے (حکم) سن لیا، اور مان لیا، اور ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں، اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کریں، اللہ سے ڈریں، اور اس کی نافرمانی سے بچیں، تو وہی لوگ کامیاب ہیں، اور یہ (منافق لوگ) بڑے زوروں سے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر (اے پیغمبر!) تم انہیں حکم دو گے تو یہ نکل کھڑے ہوں گے، (ان سے) کہو کہ: قسمیں نہ کھاؤ، (تمہاری) فرماں برداری کا سب کو پتہ ہے، یقین جانو کہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے، (ان سے) کہو کہ: اللہ کا حکم مانو، اور رسول کے فرماں بردار بنو، پھر بھی اگر تم نے منہ پھیرے رکھا تو رسول پر اتنا ہی بوجھ ہے جس کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے، اور جو بوجھ تم پر ڈالا گیا ہے، اس کے ذمہ دار تم خود ہو، اگر تم ان کی فرماں برداری کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے، اور رسول کا فرض اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ صاف صاف بات پہنچا دیں، تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنا دے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا، اور ان کے لئے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لئے پسند کیا ہے، اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے، اس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا، (بس) وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور جو لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں گے، تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے، اور نماز قائم کرو، اور زکوۃ ادا کرو، اور رسول کی فرماں برداری کرو، تاکہ تمہارے ساتھ رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔

ان آیات میں (ا) سچے اہل ایمان کا یہ طریق بتایا گیا ہے کہ وہ خوش دلی سے اپنے تمام

معاملات ومقدمات میں اللہ ورسول کی اطاعت کے خوگر ہوتے ہیں (۲) نیز اطاعت رسول پر فوز وفلاح کی ضمانت بھی دی گئی ہے، (۳) یہ بھی بتایا گیا ہے کہ منافقین زبانی دعوائے اطاعت کرتے ہیں مگر ان کا عمل وکردار اس دعوے کے خلاف ہوتا ہے، (۴) آگے صریح لفظوں میں اطاعت رسول کا حکم دیا گیا ہے، (۵) اور وضاحت کردی گئی ہے کہ ہدایت اطاعتِ رسول کے بغیر نہیں مل سکتی، (۶) آخر میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ رحمت الٰہی کا مورد بننے کے لئے اطاعت رسول لازمی ہے۔

وہ زندگی خدا کی قسم زندگی نہیں
جس زندگی میں عکسِ حیاتِ نبی نہ ہو

قرآن نے بار بار اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے صریح احکام امت کو دیئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: آل عمران: ۳۲، ۱۳۲، النساء: ۵۹، المائدہ: ۹۲، الانفال: ۱، ۲۰، ۴۶، المجادلہ: ۱۳، التغابن: ۱۲)

خواتین کو خصوصیت کے ساتھ حکم ہے:

وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ. (الاحزاب: ۳۳)

اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔

اللہ ورسول کی اطاعت کو جنت میں اولین داخلے کا معیار اور بڑی کامیابی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: النساء: ۱۳، ۴۱، الاحزاب: ۷۱، الفتح: ۱۷) نیز اسے جنت میں انبیاء وصدیقین وشہداء وصالحین کی معیت ورفاقت کا ضامن قرار دیا گیا ہے (النساء: ۶۹) سچے اہل ایمان کا تعارف جن امتیازی خوبیوں سے کرایا گیا ہے، ان میں اطاعت رسول کو نمایاں رکھا گیا ہے (التوبہ: ۷۱) یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ اطاعت رسول کے صلے میں کامل اجر عطا ہوگا، اور کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی (الحجرات: ۱۴) آپ ﷺ کی اطاعت کو بعینہ اللہ کی اطاعت بتایا گیا ہے (النساء: ۸۰) ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

فَـمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَـصَـى الـلّٰـهَ، وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ. (بخاری: الاعتصام: باب الاقتداء بسنن رسول الله: ۷۲۸۱)

جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، محمد ﷺ انسانوں کے درمیان حدفاصل ہیں (یعنی معیار ہیں)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں ایک دن آپ ﷺ کے ہمراہ تھا، دیگر صحابہ بھی تھے، آپ نے فرمایا:

أَلَسْتُـمْ تَـعْـلَـمُـوْنَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ فِي كِتَابِهِ: مَنْ أَطَاعَنِيْ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ؟

کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں یہ مضمون اتارا ہے کہ جو میری اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔

سب نے کہا:

بَـلَىٰ نَشْهَدُ أَنَّهُ مَنْ أَطَاعَكَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَإِنَّ مِنْ طَاعَةِ اللّٰهِ طَاعَتَكَ.

کیوں نہیں، ہم گواہی دیتے ہیں کہ جو آپ کی اطاعت کرتا ہے، وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے، یقیناً آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے ہی دائرے میں آتی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

فَـإِنَّ مِنْ طَاعَةِ اللّٰهِ أَنْ تُطِيْعُوْنِيْ، وَإِنَّ مِنْ طَاعَتِيْ أَنْ تُطِيْعُوْا أَئِمَّتَكُمْ. (المعجم الکبیر: ۱۲/ ۳۲۱: ۱۳۲۳۸)

بلاشبہ اللہ کی اطاعت کا تقاضا یہ ہے کہ تم میری اطاعت کرو، اور میری اطاعت کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنے حکام کی اطاعت کرو۔

قرآن میں آپ ﷺ کے ہاتھ پر اطاعت کے معاہدے اور بیعت کو خود اللہ کے ساتھ معاہدہ اور بیعت قرار دیا گیا ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ. (الفتح: ١٠)

(اے پیغمبر!) جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں، وہ در حقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

ان کی مرضی میں ہے اللہ تعالیٰ کی رضا
ان کی طاعت سے سنور جاتے ہیں دین و دنیا
ان کا ہر نقشِ قدم خُلد کی منزل کا پتہ
ان کا ہر لفظ ہے اسلام کا آئینِ دوام

یہود کے بارے میں کہا گیا کہ اگر وہ آپ ﷺ کے تئیں مکمل سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے تو اپنے حق میں اچھا کرتے، مگر انہوں نے ایسا نہ کر کے اپنے کو نقصان کا مستحق بنا لیا ہے۔ (النساء: ۴۶)

ایک مقام پر فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ، وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ، إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ، وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ. (الانفال: ٢٠-٢٣)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی تابع داری کرو، اور اس (تابع داری) سے منہ نہ موڑو، جب کہ تم (اللہ اور رسول کے احکام) سن رہے ہو، اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سن لیا، مگر وہ (حقیقت میں) سنتے نہیں ہیں، یقین رکھو کہ اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے، اور اگر اللہ کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی ہوتی تو وہ ان کو سننے کی توفیق دے دیتا، لیکن اب (جب کہ ان میں بھلائی نہیں ہے) اگر ان کو سننے کی توفیق دے بھی دے تو وہ منہ موڑ کر بھاگ جائیں گے۔

قرآن میں امت کو اصولی طور پر یہ حکم ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا. (الحشر:۷)

اور رسول تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں، اس سے رک جاؤ۔

بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کا حکم اور فیصلہ ہر حال میں واجب الاطاعت ہے، اس میں انسان کے لئے رد و قبول کا اختیار نہیں ہوتا، جو تعمیل کرتا ہے ماجور ہوتا ہے اور ہدایت پر قائم رہتا ہے، اور جو نافرمانی کرتا ہے وہ کھلی گمراہی کا شکار ہوتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا. (الاحزاب: ۳۶)

اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مؤمن مرد کے لئے یہ گنجائش ہے نہ کسی مؤمن عورت کے لئے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے، اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی

کی، وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

قرآن نے انتہائی سخت اسلوب اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو لوگ آپ ﷺ کے فیصلے کو برضا ورغبت قبول نہیں کرتے اور اس کے سامنے سرِ اطاعت خم نہیں کرتے ان کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہئے:

> فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُونَ حَتَّیَ یُحَکِّمُوکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْ أَنفُسِھِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً. (النساء:٦٥)
>
> نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کردیں۔

منافقوں کا کردار یہ بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتے، انہیں جب اپنے مقدمات آپ ﷺ کے پاس لانے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ اعراض سے کام لیتے ہیں، ان کا یہ انداز ان کے دلوں کے روگ کی علامت ہے، قرآن نے انہیں صاف لفظوں میں ظالم قرار دیا ہے۔ (النور:۴۸-۵۰)

قرآن نے رسول اللہ ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کو سخت جرم بتایا ہے، اور ایسا کرنے والوں کو دنیا و آخرت کے عذاب کی آگاہی دی ہے:

> فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ أَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ أَلِیْمٌ. (النور:٦٣)
>
> لہٰذا جو لوگ آپ ؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آپڑے، یا انہیں کوئی دردناک عذاب نہ آپکڑے۔

یہ بھی بتایا ہے کہ آپ ﷺ کی نافرمانی سارے کئے کرائے پر پانی پھیر سکتی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا أَعْمَالَكُمْ. (محمد: ٣٣)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

یہ بھی وضاحت آئی ہے کہ آپ ﷺ کے احکام سے سرتابی اور نافرمانی انسان کو دنیا میں گمراہی کے کھڈ میں گرا دیتی ہے اور آخرت کے بدترین عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْراً. (النساء: ١١٥)

اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (الانفال: ١٣)

یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، اور اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو یقیناً اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيْهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ. (النساء: ١٤)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ دوزخ میں داخل کرے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ایسا عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔

وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً. (الجن:۲۳)

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَن يُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِداً فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْىُ الْعَظِيْمُ. (التوبة: ٦٣)

کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو یہ بات طے ہے کہ اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، یہ بڑی بھاری رسوائی ہے۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَاباً أَلِيْماً. (الفتح: ١٧)

اور جو کوئی اطاعت سے منہ موڑے گا، اللہ اسے دردناک عذاب دے گا۔

آپ ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی دنیا میں اپنے لئے خود ذلت کا سامان مہیا کرنا ہے، قرآن نے صاف کہا ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ. (المجادلة: ٥)

یقین رکھو کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ایسے ہی ذلیل ہوں گے جیسے ان سے پہلے لوگ ذلیل ہوئے تھے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ أُوْلٰئِكَ فِيْ الْأَذَلِّيْنَ. (المجادلة: ٢٠)

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ذلیل ترین لوگوں میں شامل ہیں۔

ارشادِ نبوی ہے:

جُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِىْ. (مسند احمد: ۱۲۲/۷: ۵۱۱۵)

میرے حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کے لئے ذلت ورسوائی مقدر کردی گئی ہے۔

معصیت رسول کی شناعت واضح کرتے ہوئے اہل ایمان کو اس سے اجتناب کی تلقین فرمائی گئی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَاتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِىْ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ. (المجادلة:۹)

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشی کروتو ایسی سرگوشی نہ کرو جو گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی پر مشتمل ہو، ہاں ایسی سرگوشی کرو جو نیک کاموں اور تقویٰ پر مشتمل ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب کو جمع کر کے لے جایا جائے گا۔

احادیث میں بار بار ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے جن لوگوں سے بھی بیعت لی، ان سے ''سمع وطاعت'' (رسول اللہ ﷺ کی باتیں سننے اور ماننے) کا عہد ضرور لیا، حضرت جریرؓ کا بیان ہے:

بَايَعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ.

(بخاری: الاحکام: باب کیف یبایع الخ: ۷۲۰۴)

میں نے حضور پاک ﷺ سے سننے اور ماننے کا عہد کیا۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں:

بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِى الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلَى أَثَرَةٍ عَلَيْنَا. (مسلم: الإمارة: باب وجوب طاعة الأمراء الخ: ٤٧٦٨)

ہم نے حضور پاک ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم آسانی، سختی، خوش گواری، ناخوش گواری اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیئے جانے کے تمام حالات میں آپ کی ہر بات سنیں گے اور مانیں گے۔

قرآن میں آپ ﷺ کو ہدایت ہے کہ خواتین سے بیعت لیں تو اس میں (۱) شرک (۲) چوری (۳) زنا (۴) قتل ناحق (۵) تہمت و بہتان سے بچنے کے عہد کے ساتھ ساتھ (۶) رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی سے بچنے کا عہد ضرور لیں۔ (الممتحنہ:۱۲)

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی نافرمانی کرنے والے میدان محشر میں بدترین حال میں ہوں گے، آپ ﷺ ان کے خلاف گواہ کے طور پر سامنے آئیں گے، اور اس وقت ان کی تمنا ہوگی کہ انہیں زیر زمین دھنسا دیا جائے (النساء:۴۱-۴۲) قرآن میں آپ ﷺ کو یہ بھی حکم ہے کہ رسول کی نافرمانی کرنے والوں سے علی الاعلان اظہار برأت کردیں (الشعراء: ۲۱۶) احادیث میں بار بار:

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ. (بخاری: النكاح: باب الترغيب فى النكاح: ٥٠٦٣)

جو میرے طریقے سے اعراض کرے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

کے الفاظ آئے ہیں۔

اللہ نے اہل ایمان کے دلوں میں جن چیزوں کی نفرت پیدا کرنی چاہی ہے، ان میں ’’اللہ و رسول کی نافرمانی‘‘ کا عمل بھی ہے۔ (الحجرات:۷)

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ أُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى.

میری امت کے تمام لوگ جنت میں جائیں گے سوائے ان کے جو انکار کریں۔

سوال ہوا کہ انکار کرنے والے کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبَى. (بخاری: الاعتصام: باب الاقتداء بسنن رسول الله: ٧٢٨٠)

جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی وہ انکار کرنے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے:

فَمَنِ اتَّبَعَهُ كَانَ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ لَمْ يَتَّبِعْهُ عُذِّبَ عَذَابًا أَلِيمًا.

(الدر المنثور: تفسير آية: والله يدعو إلى دارالسلام: ٣٥٦/٤)

جس نے آپ کی اتباع کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے آپ کی اتباع نہیں کی وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوگا۔

قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی، آپ کے احکام کی مخالفت اور ان سے سرتابی کا عمل:

(۱) اللہ کی نافرمانی ہے (۲) شیطان کے گروہ (حزب الشیطان) میں شامل کردینے والا ہے (۳) توفیقِ خیر سے محرومی ہے (۴) اللہ کی محبت سے محروم کر کے عنداللہ مبغوض بنادینے والی چیز ہے (۵) کھلی ہوئی گمراہی ہے (٦) نفاق کی علامت اور منافقانہ طریقہ ہے (۷) سارے کئے کرائے پر پانی پھیر سکتا اور برباد کرسکتا ہے (۸) جنت سے دور کرنے والا ہے (۹) جہنم کے دردناک عذاب کا باعث ہے (۱۰) دنیا میں بھی عذاب الٰہی کو دعوت دیتا ہے

(۱۱) اپنے خلاف آپ ﷺ کو روزِ قیامت گواہ بنانے والا ہے (۱۲) ذلت وخواری کا سبب ہے (۱۳) اپنے آپ کو آپ ﷺ کی جماعت سے باہر کردینا ہے۔

جب کہ اطاعتِ رسول اور اتباعِ سنت کا عمل (۱) اللہ کی اطاعت ہے (۲) اللہ کی توفیق سے سرفرازی ہے (۳) سچے ایمان کی علامت ہے (۴) اللہ کا محبوب بنانے والا ہے (۵) کفارۂ سیئات ہے (۶) اللہ کے گروہ (حزب اللہ) میں شمولیت کا اعزاز بخشتا ہے (۷) اجر وثواب کے عظیم خزانے کا ضامن ہے (۸) قبر میں راحت وامان کا ذریعہ ہے (۹) آخرت میں اللہ کی خاص رحمت ورضا، آپ ﷺ کی شفاعت، جہنم وعذاب سے حفاظت اور جنت میں پہلے مرحلے میں داخلے کا باعث ہے (۱۴) جنت میں انبیاء وصدیقین وشہداء وصالحین کی رفاقت کا ضامن ہے۔

ایمان کی ہے جان محبت رسول کی
ہے فرضِ عین سب پہ اطاعت رسول کی

عام طور پر اطاعتِ رسول کی راہ میں اصل رکاوٹ اور آپ ﷺ کے احکام ونظام سے سرتابی کی بنیادی وجہ شیطانی وسوسہ کاری اور خواہش پرستی ہوتی ہے، قرآن نے آپ ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا ہے:

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ. (القصص: ۵۰)

پھر اگر یہ تمہاری اطاعت نہ کریں، تو سمجھ لو کہ درحقیقت یہ لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں، اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہش کے پیچھے چلے؟ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

حضور اکرم ﷺ کی محبت اور آپ کی اطاعت دو مستقل حقوق ہیں مگر وہ ایک دوسرے کے لئے اس طرح لازم وملزوم ہیں کہ جیسے شہد سے مٹھاس اور برف سے برودت کو الگ نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح محبت کو اطاعت سے اور اطاعت کو محبت سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

محبت کے فرائض میں ہے شامل
اطاعت بھی رسولِ محتشم کی

اللہ کی بارگاہ میں محبت کا وہی دعویٰ معتبر ہوتا ہے جو اطاعت کی صورت میں ظاہر ہو۔

زندگی کچھ بھی نہیں تیری محبت کے بغیر
اور بے روح محبت ہے اطاعت کے بغیر

احادیث میں ایک طرف یہ ذکر ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کو تمام محبتوں پر غالب کیئے بغیر ایمان معتبر نہیں ہوتا، (بخاری: الایمان: باب حب الرسول الخ: ۱۴) دوسری طرف یہ بھی بیان ہوا ہے کہ خواہشات نفس کو نبوی ہدایات وتعلیمات کے تابع بنائے بغیر ایمان معتبر نہیں ہوتا، (مشکوۃ المصابیح: الاعتصام: ۱۶۷) اس سے بھی محبت اور اطاعت کا تلازم واضح ہوتا ہے۔

بس وہ معیارِ محبت پہ کھرا اترا ہے
جس نے سرتاجِ رسالت کی اطاعت کی ہے
معتبر دین ہی اس کا ہے نہ ایماں زاہد
جس نے فرمانِ محمد سے بغاوت کی ہے

صحابہ کی سیرت میں اطاعت رسول کے نمونے اتنی کثرت سے ملتے ہیں کہ ان کے احاطے کے لئے کئی دفتر ناکافی ہیں، ان نمونوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے فیضِ تربیت سے صحابہ میں اطاعت واتباع اور تسلیم ورضا کی کیسی روح پیدا ہوگئی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے واقعات میں آتا ہے کہ وفاتِ نبوی کے بعد لشکر اسامہ کی روانگی کا مسئلہ آیا اور متعدد صحابہ نے اس وقت اس لشکر کو روانہ نہ کئے جانے کی بات کہی تو

حضرت صدیق اکبرؓ کا جواب تھا:

وَالَّذِیْ نَفْسُ أَبِیْ بَکْرٍ بِیَدِهٖ لَوْ ظَنَنْتُ أَنَّ السِّبَاعَ تَخْطِفُنِیْ لَأَ نْفَذْتُ بَعْثَ أُسَامَةَ کَمَا أَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ لَمْ یَبْقَ فِی الْقُرٰی غَیْرِیْ لَأَ نْفَذْتُهٗ.

اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے، اگر مجھے یقین ہو کہ مجھے جنگل کے درندے اچک لیں گے تب بھی میں لشکر اسامہ کو روانہ کروں گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے روانہ کرنے کا حکم دے رکھا ہے، اگر ان بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے تب بھی میں لشکر اسامہ کو ضرور روانہ کروں گا۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر: ۶/ ۶۹۶)

اس واقعہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جذبۂ محبت واطاعت سمجھا جاسکتا ہے۔

منقول ہے کہ طواف کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو خطاب کر کے فرمایا:

أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّیْ لَأَعْلَمُ أَنَّکَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْ لَا أَنِّیْ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِسْتَلَمَکَ مَااسْتَلَمْتُکَ.

بخدا! میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے، نہ نفع دے سکتا ہے، اگر میں نے نبی اکرم ﷺ کو استلام (حجر اسود کو ہاتھ لگا کر بوسہ دینا) کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی نہ چومتا۔

پھر حجر اسود کو بوسہ دیا، پھر رمل کے بارے میں فرمایا کہ یہ تو مسلمانوں کو کمزوری کا طعنہ دینے والے مشرکوں کو اپنی طاقت دکھانے کے لئے شروع کیا گیا تھا، اور اب تو وہ مشرک نہیں رہے، اس لئے بہ ظاہر اس کی ضرورت نہیں رہی مگر چونکہ یہ عمل آپ ﷺ نے کیا ہے، اس لئے آپ کی اطاعت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اسے بدستور کرتے رہیں۔ (بخاری: الحج: باب الرمل الخ: ۱۶۰۵)

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک ریشمی جوڑا دیا، میں اسے پہن کر

نکلا تو آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر غصہ کے آثار دیکھے، چنانچہ اسے پھاڑ کر (گھر کی) خواتین کو دے دیا۔ (مسلم: اللباس: باب تحریم لبس الحریر وغیر ذلک للرجال: ۵۴۲۰)

اطاعت رسول کے جذبے سے سرشار ایک خاتون صحابیہ ام حمید ساعدیہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ (مسجد نبوی میں) نماز پڑھوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہو، لیکن تمہارا گھر کے ایک گوشے میں نماز پڑھنا اپنے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور تمہارا کمرے میں نماز پڑھنا گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور تمہارا گھر کے صحن میں نماز پڑھنا محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور تمہارا محلّہ کی مسجد میں نماز ادا کرنا میری مسجد میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے، راوی کا بیان ہے کہ ام حمیدؓ نے اس کے بعد اپنے گھر میں مسجد بنانے کا حکم دیا، چنانچہ ان کے لئے گھر کے آخری حصہ میں مسجد بنائی گئی، جسے تاریک رکھا گیا یعنی اس میں روشن دان وغیرہ نہیں بنایا گیا، اور وہ ہمیشہ اسی میں نماز پڑھتی رہیں حتی کہ اپنے اللہ عزوجل سے جاملیں۔ (مسند احمد کامل: مسند ام حمید: ۲۶۴۵۹)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی، آپ نے اس کے ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا: تم میں سے کوئی شخص قصداً آگ کا انگارہ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے تو صحابۂ کرام نے اس سے کہا: اپنی انگوٹھی اٹھالو اور پہننے کے بجائے کوئی دوسرا فائدہ اٹھالو (مثلاً اپنی بیوی کو دے دو یا بیچ دو) اس آدمی نے جواب دیا: اللہ کی قسم! جس انگوٹھی کو رسول اللہ ﷺ نے پھینکا ہے، میں اسے کبھی نہیں اٹھاؤں گا۔ (مسلم: اللباس: باب تحریم خاتم الذہب علی الرجال: ۵۴۷۲)

ایک صحابی رنگین چادر اوڑھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ وہ سمجھ گئے کہ آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا ہے، بھاگے ہوئے گھر آئے اور اسے تنور (چولہے) میں ڈال دیا، اگلے دن آپ ﷺ نے پوچھا: چادر کا کیا ہوا؟ انہوں نے حقیقت بیان کی،

آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے وہ چادر اپنے گھر کی کسی خاتون کو کیوں نہیں پہنائی؟ عورتوں کے لئے ایسا کپڑا زیب تن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ابوداؤد: اللباس: باب فی الحمرۃ: ۴۰۶۶)

حضرت خریم الاسدیؓ صحابی ہیں، ان کا تہبند ٹخنے سے نیچے رہتا تھا، اور بال بھی کافی لمبے تھے، ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا: خریم الاسدی کتنا اچھا آدمی تھا اگر لمبے بال نہ رکھتا اور تہبند نیچے نہ باندھتا، ان کو معلوم ہوا فوراً قینچی سے اپنے بال کانوں تک کتر ڈالے اور اپنے تہبند کو نصف پنڈلیوں تک اونچا کرلیا اور زندگی بھر اسی پر قائم رہے۔ (ابوداؤد: اللباس: باب ماجاء فی اسبال الازار: ۴۰۸۹)

بیوی ہر ایک کو محبوب ہوتی ہے، لیکن صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی محبت کو دوسری ہر محبت پر غالب رکھتے تھے، آپ ﷺ نے جب غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی بنا پر تمام مسلمانوں کو حضرت کعب بن مالکؓ سے قطع تعلق کرلینے کی ہدایت فرمائی اور اخیر میں انہیں اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی تو حضرت کعبؓ نے کہا: طلاق دے دوں یا کچھ اور، لیکن آپ ﷺ کے قاصد نے کہا: صرف علیحدگی اور عدم قربت مقصود ہے تو انہوں نے فوراً بیوی کو میکے چلے جانے کا حکم دے دیا۔ (بخاری: المغازی: باب حدیث کعب بن مالکؓ: ۴۴۱۸)

آپ ﷺ کے دور میں خواتین بھی نماز باجماعت میں شریک ہوتی تھیں، ایسی صورت میں کمال عفت وعصمت اور حجاب کا عین تقاضا تھا کہ خواتین کے لئے مسجد نبوی کا ایک دروازہ خاص کردیا جاتا، آپ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا:

لَوْ تَرَكْنَا هٰذَا الْبَابَ لِلنِّسَاءِ.

کاش کہ ہم یہ دروازہ خواتین کے لئے چھوڑ دیتے۔

حضرت نافعؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس پر اتنی شدت سے عمل کیا کہ مرتے دم تک اس دروازے سے داخل نہیں ہوئے۔ (ابوداؤد: الصلاۃ: باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال: ۴۶۲)

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے غسل جنابت میں ایک بال بھی دھوئے بغیر چھوڑ

دیا اسے جہنم میں بدترین عذاب ہوگا، حضرت علیؓ نے اس حکم پر اس طرح عمل کیا کہ پوری زندگی اپنے بال ترشواتے رہے، حضرت علیؓ کا بیان ہے:

> فَمِنْ ثَمَّ عَادَیْتُ رَأْسِیْ، فَمِنْ ثَمَّ عَادَیْتُ رَأْسِیْ، فَمِنْ ثَمَّ عَادَیْتُ رَأْسِیْ.
>
> اسی لئے میں اپنے سر کا دشمن بن گیا۔

(ابوداؤد: الطہارۃ: باب فی الغسل من الجنابۃ: ۲۴۹)

اطاعت کا یہ منظر بھی سامنے آیا کہ آپ ﷺ نے شوہر کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کی موت پر سوگ اور ماتم کے لئے صرف تین دن مقرر کئے ہیں، اس سے زائد کو حرام قرار دیا ہے، حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی کا انتقال ہوا، چوتھے دن انہوں نے خوشبو لگائی، اور فرمایا: مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت نہیں تھی، لیکن آپ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل واطاعت مقصود تھی جس میں کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں ہے۔ (ابوداؤد: الطلاق: باب احداد المتوفی عنہا زوجہا: ۲۲۹۹)

حضرت ام حبیبہؓ کے والد کا انتقال ہوا، تو انہوں نے تین روز کے بعد خوشبو لی اور اسے اپنے چہرے پر ملا، پھر انہوں نے فرمایا: مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں تھی، میں نے یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی بنا پر کیا ہے جسے میں نے آپ سے خود سنا ہے کہ کسی ایسی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، جائز نہیں ہے کہ وہ شوہر کے علاوہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، البتہ شوہر پر سوگ منانے کی مدت چار مہینے دس دن ہے۔ (ایضاً)

حضرت حذیفہؓ مدائن کے سفر پر تھے، وہاں کے ایک رئیس نے چاندی کے ایک برتن میں آپ کو پانی پیش کیا، آپ نے اسے اٹھا کر پھینک دیا اور کہا: میں نے اس کو ایسا کرنے سے منع کیا تھا، لیکن یہ باز نہیں آیا، اللہ کے رسول ﷺ نے چاندی اور سونے کے برتن میں پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد: الاشربۃ: باب فی الشرب فی آنیۃ الذہب والفضۃ: ۳۷۲۳)

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک انصاری صحابی سے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح جلیبیبؓ (یہ ایک سیاہ فام صحابی تھے) سے کردو، انصاری صحابی نے اپنی بیوی سے مشورہ کی بات کہی، پھر گھر آئے، بیوی سے ذکر کیا، بیوی نے کہا: جلیبیب اس لائق کہاں ہیں؟ ہم اپنی بیٹی کا نکاح ان سے نہیں کرسکیں گے، اس پر ان کی بیٹی نے یہ کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ کا حکم اور خواہش ہے کہ میرا نکاح جلیبیب سے ہو تو آپ حضرات کو اس میں کچھ پس وپیش نہ ہونا چاہئے، میں آپ ﷺ کے حکم پر راضی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ مجھے ضائع نہیں کرے گا۔ (مسند احمد: ۱۹۷۶۴)

حضرت کعبؓ کا بیان ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد جب رسول اللہ ﷺ غزوہ میں شرکت نہ کرنے والوں سے ملاقات کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو میں بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ ﷺ کے سامنے آکر بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: تم جہاد سے کیوں پیچھے رہے؟ کیا تم نے جہاد کے لئے سواری نہیں خریدی تھی؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، سواری خریدی تھی اور اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی عذر بھی نہیں، اس وقت میں صحت اور مال و دولت کے اعتبار سے پہلے کی نسبت زیادہ بہتر تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچ بات کہی ہے (اور مجھے حکم دیا کہ) جاؤ حتی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے معاملے کا فیصلہ فرمادے، میں اٹھ کر چلا آیا، آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ ہم تین آدمیوں (حضرت کعب بن مالکؓ، مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ) سے کوئی شخص کلام نہ کرے، یہ حکم جہاد سے پیچھے رہ جانے والے ہم تین آدمیوں سے متعلق تھا، صحابۂ کرام نے ہم سے قطع تعلق کرلیا اور اس طرح بدل گئے جیسے جانتے ہی نہیں اور وہ سرزمین جسے ہم جانتے تھے ہمارے لئے اجنبی بن گئی۔

حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں: میرا جینا دوبھر ہوگیا، ایک روز میں اپنے چچازاد بھائی ابوقتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا، میں ابوقتادہ سے دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ محبت کرتا تھا، اسے سلام کیا، لیکن اللہ کی قسم! اس نے مجھے سلام کا جواب تک نہ دیا، پھر میں نے

اسے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا: ابوقتادہ! مجھے بتاؤ کہ تم مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا سمجھتے ہو یا نہیں؟ ابوقتادہ نے پھر خاموشی اختیار کی، میں نے دوبارہ اللہ کا واسطہ دے کر اس سے پوچھا تو پھر بھی اس نے خاموشی اختیار کی، تیسری مرتبہ میں نے پھر اسے اللہ کا واسطہ دے کر یہی بات پوچھی تو اس نے صرف اتنا جواب دیا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، یہ سن کر میری آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور میں باغ کی دیوار پر چڑھ کر واپس پلٹ آیا۔ (بخاری: المغازی: باب حدیث کعب بن مالک: ۴۴۱۸)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ صرف فضیخ (کھجور سے بنائی گئی) شراب ہی استعمال کرتے تھے، میں ایک مجلس میں ابوطلحہ اور دوسرے لوگوں کو شراب پلا رہا تھا کہ اچانک ایک آدمی آیا اور پوچھا: کیا تمہیں اطلاع مل گئی ہے؟ انہوں نے کہا: کون سی اطلاع؟ آدمی نے کہا: حرمتِ شراب کی، یہ سنتے ہی سب نے بیک زبان کہا: انس! یہ سارے مٹکے بہادو، حضرت انسؓ کہتے ہیں: حرمت شراب کی اطلاع ملنے کے بعد نہ تو کسی نے اس کے بارے میں کوئی سوال کیا اور نہ ہی کسی نے تکرار کی (بخاری: التفسیر: باب إنما الخمر الخ: ۴۶۱۷) صحابہ نے بے چون و چرا شراب کے مٹکے انڈیل دیئے اور مشکیزوں کے دہانے کھول دیئے، مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی اور تمام صحابہ بول پڑے: ہم باز آتے ہیں۔ (تفسیر القرطبی: سورۃ الانعام، بخاری: المظالم: باب صب الخمر فی الطریق: ۲۴۶۴)

حضرت حذیفہؓ ایک مرتبہ سفر میں تھے، جب آپ کھانا تناول فرما رہے تھے تو ایک لقمہ زمین پر گر گیا، حضرت حذیفہؓ نے اس کو اٹھا کر کھالیا، عجمی لوگ ان کی طرف دیکھ رہے تھے تو آپ کے ایک خادم نے آہستہ سے کان میں کہا: حضرت! آپ اس طرح نہ کریں یہ عجمی لوگ دیکھ رہے ہیں، یہ لوگ اس سے گھن کرتے ہیں تو حضرت حذیفہؓ نے کہا:

أَأَتْرُکُ سُنَّةَ حَبِیْبِیْ لِهٰؤُلَاءِ الْحُمَقَاءِ.

کیا میں اپنے حبیب ﷺ کی سنت کو ان بے وقوفوں کی وجہ سے چھوڑ دوں گا۔

(ملاحظہ ہو: لباس الرسول الخ: ابوطلحہ محمد یونس عبدالستار: ۱۶۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی کا والہانہ جذبہ رکھنے والے تھے، آپ کی ہر ہر سنت کو اپنانے والے تھے، منقول ہے کہ جب ابن عمرؓ سفر کرتے تو جہاں جہاں حضور ﷺ نے قیام فرمایا ہوتا، وہاں یہ بھی قیام کرتے، جس جگہ حضور ﷺ قضائے حاجت کی غرض سے بیٹھے ہوتے وہاں بغیر ضرورتِ قضائے حاجت کے بھی ابن عمرؓ محض اتباع کی غرض سے بیٹھا کرتے۔ (مسند احمد: ۱۹۱/۹)

روایات میں ہے کہ ایک انصاری صحابی کے مکان کے پاس سے آپ ﷺ کا گذر ہوا، انہوں نے اونچا گنبد نما حجرہ بنا رکھا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے، انصاری صحابی کا نام بتایا گیا، اس کے بعد جب وہ صحابی مسجد نبوی میں آئے تو آپ نے ان سے یک گونہ بے رخی برتی، انہوں نے دیگر صحابہ سے آپ کے اس اعراض کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو اسی گنبد نما تعمیر کی وجہ سے گرانی ہوئی ہے، چنانچہ وہ صحابی گھر گئے اور وہ عمارت ڈھا کر زمین کے برابر کر دی، کچھ دنوں کے بعد آپ ﷺ کا وہاں سے گذر ہوا تو آپ نے وہ عمارت وہاں نہ پا کر وجہ پوچھی، صحابہ نے صورت حال بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ضرورت اور مجبوری کی تعمیر کے علاوہ ہر تعمیر آدمی کے لئے وبال ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ: الزہد: باب فی البناء والخراب: ۴۱۶۱)

حضرت طلحہ بن البراءؓ نوجوان صحابی تھے، ان کا معمول یہ تھا کہ جب بھی خدمتِ نبوی میں حاضر ہوتے آپ کے قریب آکر قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے تھے، ایک دن انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں میں ہرگز اس کی خلاف ورزی نہیں کروں گا، وہ نو عمر تھے اس لئے ان کی اس بات پر آپ کو تعجب ہوا اور آپ نے بطور امتحان ان سے فرمایا: جاؤ اپنے والد کو قتل کر ڈالو، وہ فوراً اٹھے اور تعمیل حکم کے لئے چل پڑے، آپ نے انہیں واپس بلایا اور فرمایا: میں نے تمہارا امتحان لینا چاہا تھا، مجھے قطع رحمی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے، چند دنوں کے بعد یہی حضرت طلحہ بیمار ہوئے، آپ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے، موسم بارش اور سردی کا تھا، آپ کو اندازہ ہو گیا کہ طلحہ جاں بر نہ ہو سکیں گے،

گھر والوں سے فرمایا: مجھے ایسا لگتا ہے کہ طلحہ کی وفات کا وقت قریب ہے، ایسا حادثہ ہو جائے تو جلدی کرنا اور مجھے اطلاع ضرور دینا، آپ واپس ہوئے، ابھی راستے میں ہی تھے کہ طلحہ کی وفات ہوگئی، خود حضرت طلحہ نے وفات سے پہلے اہل خانہ کو تاکید کی تھی کہ میری وفات اگر رات میں ہو تو اس کی خبر آپ ﷺ کو مت دینا، کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ رات میں تشریف لانے پر آپ ﷺ کو مشقت ہوگی اور یہودی دشمن آپ کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں، چنانچہ گھر والوں نے آپ کو اطلاع نہ دی اور دفن کر دیا، اگلے دن آپ کو معلوم ہوا تو قبر پر تشریف لائے اور یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! آپ طلحہ سے ہنستے ہوئے ملئے اور انہیں بھی اپنے سے ہنس کر ملنے کی سعادت عطا فرمایئے۔ (حیاۃ الصحابۃ: ۲/ ۲۹۹)

یہ چند نمونے ذکر ہوئے، ورنہ اسوۂ صحابہ اور سیرت سلف میں ایسی مثالیں بے شمار موجود ہیں، واقعہ یہ ہے کہ پوری زندگی کو تعلیمات نبوی کے سانچے میں ڈھال لینا اور اپنے آپ کو سنت نبوی کی اتباع کے رنگ میں رنگ لینا ہی وہ عمل ہے جو سچے عشق رسول کی دلیل ہے، اور جس کے بغیر نہ ایمان معتبر ہوتا ہے اور نہ زندگی کارآمد ہوتی ہے۔

زیست ہے کارِ عبث اُن کی محبت کے بغیر
معتبر دعویٔ الفت نہیں طاعت کے بغیر
دین بے نور ہے سرکار کی سنت کے بغیر
ان کا ہر قول و عمل مشعلِ راہِ ہستی
اُن کا ہر نقشِ قدم قبلہ نما صل علی
مرحبا صل علی، مرحبا صل علی

◆

باب ہفتم:

توہین رسالت اور ہم

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

اہانت رسول ﷺ کے ناپاک ارادوں سے ڈنمارک وغیرہ میں طبع ہونے والے کارٹونوں اور ان کے ردعمل میں عالمی سطح پر امت مسلمہ کے احتجاجی سلسلوں کے حوالے سے ایک چشم کشا تحریر:

حضور اکرم ﷺ کی اہانت، بے ادبی اور گستاخی کی جو رذیل حرکتیں مغربی دنیا کی سرپرستی میں کچھ عرصے سے بڑے زور وشور سے جاری ہیں، ملت اسلامیہ کا ہر فرد ان کی وجہ سے اضطراب کا شکار ہے، ہر مسلمان کے دل میں ایک ہیجان ہے، ایمان کی چنگاری جو کبھی حالات کے دباؤ اور تہذیب حاضر کے زیر اثر آ کر دب جاتی ہے، پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں گستاخی کی حرکتیں دیکھنے اور سننے کے بعد شعلۂ جوالہ بن گئی ہے، اور ملت اسلامیہ کے ہر فرد کے سامنے یہ سوال آ کھڑا ہوا ہے ۔

آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

پیغمبر اسلام علیہ السلام جنھوں نے اپنی پوری حیاتِ مبارکہ میں ہر لمحے محنت کر کے ایک عجیب وغریب انقلاب پیدا کیا، انسانیت کو جاہلیت اور ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم وہدایت کا نور عطا کیا، پوری دنیا کو امن، رحمت، سلامتی، انسانیت نوازی اور ایثار ومساوات کا درس دیا، قرآنِ کریم نے انہیں ’’رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِینَ‘‘ قرار دیا، خود انھوں نے اپنا تعارف ’’إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ‘‘ (میں خدا کی رحمت ہوں جو دنیا والوں کے پاس بطور تحفہ بھیجی گئی ہے)

کے الفاظ سے کرایا، (مشکوۃ المصابیح: الفضائل: باب اسماء النبی وصفاتہ: ۵۸۰۰) انھوں نے دنیا کو احترام انسانیت کا اصول عطا کیا اور اپنے حسن اخلاق کی قوت سے دل فتح کر لئے، آج کچھ گستاخوں کی بدزبانیوں کی وجہ سے پوری ملت اسلامیہ کا جوش ایمانی ابھر آیا ہے، دنیا کے ہر حصہ میں ہر سطح پر ہونے والے مظاہرے، احتجاجی جلسے اور اجتماعات اہل اسلام کی اُسی ایمانی حمیت وغیرت کا ثبوت ہیں جو انہیں صحابہ کرام، اسلاف واکابر اور مجاہدین اسلام سے ورثے میں ملی ہے، گویا تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا کردار

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد محترم حضرت ابوقحافہ نے اسلام لانے سے قبل حضرت ابوبکر کے سامنے رسول اکرم ﷺ کی شان میں کوئی ایسی بات کہی جس سے بے ادبی ہوتی تھی، یہ سن کر حضرت ابوبکر کی ایمانی حمیت اور پیغمبرانہ عقیدت جوش میں آ گئی، اور انہوں نے بلاتاخیر اپنے والد کو ایک طمانچہ رسید کر دیا، طمانچہ اتنے زور کا تھا کہ ان کے والد زمین پر گر پڑے، حضرت ابوبکر جن کا خاص امتیاز زبانِ نبوت میں:

أَرْحَمُ أُمَّتِيْ بِأُمَّتِيْ أَبُوْبَكْرٍ. (ابن ماجة: المقدمة: الفضائل: فضائل خباب: ١٥٤)

میری امت میں سب سے زیادہ رحم دل انسان ابوبکر ہیں۔

کے الفاظ سے بیان ہوا ہے، مگر شانِ رسالت میں گستاخی کا ایک کلمہ خواہ سگے باپ کی زبان سے ہی کیوں نہ ہو، انہیں مطلق برداشت نہ ہوا۔ (ملاحظہ ہو: معارف القرآن: ۳۵۲/۸)

حضرت غرفہؓ کا کردار

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے، وہاں مقیم عیسائیوں سے جان، مال اور عزت وآبرو کے تحفظ کا معاہدہ تھا، حضرت

عمروؓ ذمی عیسائیوں کی خاص خبر گیری کرتے تھے اور اس کا اہتمام کرتے تھے کہ ان کا تحفظ رہے، اور کوئی گزند نہ پہنچے، ایک بار دورانِ مجلس ایک عیسائی سردار نے حضور اکرم ﷺ کو گالی دے دی، حضرت غرفہؓ وہاں موجود تھے، انہیں اس اہانت رسول پر بڑا طیش آیا اور انہوں نے اس گستاخ کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ رسید کر دیا، عیسائیوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ تک شکایت پہنچائی، حضرت غرفہؓ کو طلب کیا گیا، انہوں نے پوری صورتِ حال بتائی اور واضح کیا کہ ہمارا ان عیسائیوں سے معاہدہ ضرور ہے، مگر یہ ملحوظ رہے کہ ہم اپنی، اپنے والدین کی، اپنے اقرباء کی تذلیل وتوہین گوارا کر سکتے ہیں، مگر سرکارِ دو عالم ﷺ کی توہین قطعاً گوارا نہیں کریں گے، حضرت عمروؓ نے کہا: بے شک غرفہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ (اسد الغابہ: تذکرۂ غرفہ: ۴/۳۲۲: ۴۱۷۳)

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کا کردار

دور اول کے مسلمانوں میں صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا نامِ نامی سرِ فہرست ہے، خلافت فاروقی میں شام کی معرکہ آرائی میں مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے، رومیوں نے ان کو عیسائیت قبول کرنے اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے اور ان سے دست بردار ہونے کا حکم دیا، مگر انہوں نے پوری جرأت مؤمنانہ کے ساتھ انکار کر دیا، ان کے سامنے کھولتے ہوئے تیل کی کڑھائی میں بعض مسلمانوں کو ڈال دیا گیا، یہ منظر دیکھ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رونے لگے، عیسائیوں نے کہا کہ اب تمہیں موت نظر آ رہی ہے، اس لئے رو رہے ہو، اب بھی موقع ہے کہ عیسائیت قبول کر لو، اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

”تم یہ سمجھتے ہو کہ میں موت کے ڈر سے روتا ہوں، خدا کی قسم میں اپنے اس انجام پر نہیں؛ بلکہ اس مجبوری پر رو رہا ہوں کہ میرے پاس اللہ و رسول پر قربان کرنے کے لئے بس ایک ہی جان ہے، کاش! میری لاکھوں جانیں ہوتیں میں اس تیل کی کڑھائی میں گر کر ان کو اللہ

ورسول کے لئے قربان کرتا رہتا۔“

عشق وعقیدت کا یہ جذبہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے، رومیوں نے کہا کہ اگر تم ہمارے بادشاہ کی پیشانی کو بوسہ دو تو تم سمیت سبھی مسلمانوں کو آزاد کر دیا جائے گا، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے با دلِ ناخواستہ صرف اسّی مسلمانوں کی جان بچانے کی خاطر عیسائی بادشاہ کی پیشانی چومی، مدینہ منورہ پہنچے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو غایت مسرت سے انہوں نے حضرت عبد اللہ کی پیشانی چوم لی، واقعہ یہ ہے کہ: ع

جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہے زنجیریں

(اسد الغابہ: ۳/۲۱۳: ۲۸۹۱)

حضرت عبد اللہؓ بن عبد اللہ بن ابی کا کردار

غزوۂ مریسیع کے موقع پر رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے رسول اکرم ﷺ اور عام مسلمانوں کی شان میں گستاخی کی، انہیں ذلیل قرار دیا، انہیں مدینہ منورہ سے نکالنے کی منصوبہ سازی کی، اس نے اپنے ساتھیوں اور مدینہ منورہ کے باشندوں سے کہا کہ تم نے ان مسلمانوں کو کھلا پلا کر موٹا کیا ہے، اب یہ تم ہی کو آنکھ دکھا رہے ہیں، ان کی مثال تو اس کتے جیسی ہے جسے کوئی کھلا پلا کر موٹا کر دے اور پھر کتا اسی پر حملہ آور ہو جائے، قرآنِ کریم ذکر کرتا ہے:

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ. (المنافقون: ۸)

منافق کہتے ہیں کہ ہم مدینے واپس پہنچ جائیں تو عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال باہر کرے گا، حالاں کہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور اہل مدینہ کے لئے ہے، مگر یہ منافق جانتے نہیں ہیں۔

عبداللہ بن ابی کی اس حرکت کا علم ہوتے ہی حضرت عمر جوش میں آ گئے، خود عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے حضرت عبداللہ جو مخلص مسلمان تھے، آئے اور حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کا حکم ہو تو اپنے گستاخ باپ کی گردن پیش کر دوں، سفر سے واپسی پر حضرت عبداللہ مدینہ منورہ آنے سے قبل ہی تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور اپنے باپ سے کہا کہ آپ نے کہا تھا کہ مدینہ منورہ پہنچ کر عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا، اب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عزت آپ کی ہے یا اللہ و رسول کی، خدا کی قسم آپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ حضور ﷺ اجازت نہ دیں، پھر جب تک آپ ﷺ نے اجازت نہیں دی باحمیت مؤمن بیٹے نے اپنے منافق گستاخ باپ کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا۔ (معارف القرآن: ۸/۴۵۳ مختصراً)

مجاہد اعظم صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کا کردار

ہلالِ نو کی درانتی سے فصل صلیبی کاٹنے والا مرد مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی جب یہ سنتا ہے کہ عیسائی سالار ارناط نے شانِ رسالت میں گستاخی کی ہے اور مدینہ جا کر رسول اکرم ﷺ کی نعش مبارک نکال کر ذلیل کرنے کی سازش رچی ہے، تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے، قاضی بہاء الدین شداد کے بقول جب ارناط کچھ عرصے بعد سلطان کے سامنے لایا جاتا ہے تو ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر سلطان اپنی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیتا ہے اور سجدے میں گر جاتا ہے، اس کے آنسوؤں کی لڑیوں سے زمین دھلتی ہے، وہ کہتا ہے کہ خدایا! میرے نامۂ اعمال میں صرف سیاہ کاریاں ہیں، تیرے محبوب کی محبت و عقیدت میں گستاخ کا جو قتل میں نے کیا بس اسی کو توشۂ آخرت سمجھتا ہوں۔ (ہاتِ صلاح الدین: ۴۰)

شیخ عبد النبی رحمہ اللہ کا کردار

۱۵۷۹ء میں متھرا کے قاضی عبد الرحیم نے مسجد کی تعمیر کے لئے سامان جمع کیا، اس پر ایک برہمن سردار نے اعتراض کیا، اور مسجد کی جگہ زبردستی مندر تعمیر کرا لی، مسلمانوں نے روکنا چاہا

تو اس نے برملا رسول اکرم ﷺ کو گالیاں دیں، قاضی عبد الرحیم شکایت لے کر دربارِ اکبری کے صدر الصدور شیخ عبد النبی کے پاس پہنچے، صدر الصدور نے برہمن کو دربار میں طلب کر لیا، مقدمہ پیش ہوا، برہمن کا جرم ثابت ہو گیا، شیخ عبد النبی نے اسے موت کی سزا سنائی، برہمن مالدار اور بااثر تھا، اس کی سفارش میں اکبر کے وفادار راجپوت اور ہندو رانیاں اٹھ کھڑی ہوئیں، اس کی رہائی کی کوشش کی، اکبر کو مشتعل کر دیا، شیخ کو جان کی دھمکی دی گئی، مگر شیخ عبد النبی سمجھتے تھے کہ: ع

بے جرأتِ رندا نہ ہر عشق ہے روباہی

چناں چہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ مجھے اپنی جان کی قربانی گوارا ہے مگر اہانت رسول ﷺ گوارا نہیں، برہمن کو قتل کیا گیا، اور پھر شیخ عبد النبی کو بھی عقیدت کا خراج اس طرح ادا کرنا پڑا کہ انہیں شہید کر دیا گیا اور انہوں نے یہ کہتے ہوئے جان دے دی کہ: ع

اِک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

(رود کوثر: شیخ محمد اکرام: ۱۰۱)

گستاخِ رسول ﷺ کی سزا

عہد رسالت کا مشہور مجرم گستاخ رسول عبد العزیٰ بن خطل تھا، اس نے دو لونڈیاں آپ کی ہجو کے اشعار گانے کے لئے متعین کر رکھی تھیں، فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے اس کے خون کو رائگاں قرار دیا، اور حکم دیا کہ اگر وہ کعبے کے پردے کے نیچے بھی پایا جائے تو اسے قتل کر دیا جائے، چناں چہ اسے قتل کر دیا گیا، اس کی ایک لونڈی بھی قتل کی گئی، اور ایک نے اسلام قبول کر کے نجات حاصل کر لی۔ (الرحیق المختوم: ۶۳۵-۶۳۶)

گستاخوں کی تذلیل کا قرآنی اعلان

قرآنِ کریم بڑی وضاحت کے ساتھ کہتا ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ أُولٰئِكَ فِي الْأَذَلِّيْنَ، كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ. (المجادلة: ۲۰-۲۱)

بلاشبہ جولوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ترین مخلوقات میں سے ہیں، اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہوکر رہیں گے، فی الواقع اللہ زبردست اور غالب ہے۔

واضح کردیا گیا کہ مخالف گستاخ کا مقدر ذلت ورسوائی ہے، اور غلبہ خواہ سیاسی ہو یا اخلاقی، اللہ ورسول اور اہل ایمان کا مقدر ہے۔

لمحۂ فکریہ

قرآن وسنت، اسلام وشریعت، پیغمبر اسلام ﷺ اور مقدسات وشعائر اسلام کی اہانت اور تذلیل کے مقصد سے مغربی دنیا میں طویل مدتی اور انتہائی منظّم منصوبے کے تحت کی جانے والی گستاخانہ حرکتیں، تحریری اور تقریری جسارتیں اور قولی وعملی گستاخیاں اِدھر ایک عرصے سے پورے زوروشور سے جاری ہیں، اور دنیائے اسلام کے پرشور وپرزور مثالی احتجاج کے باوجود یہ گستاخیاں کرنے والی جماعتیں اپنے موقف پر اٹل اور اسے اپنی رائے کے اظہار کی آزادی قرار دینے پر مصر ہیں۔

تذلیل واہانتِ قرآن ورسول کی ناپاک کوششیں اس سے پہلے بھی ہوئی ہیں، مگر موجودہ کوشش اس عالمی منظرنامے میں ہورہی ہے کہ دجالی طاقتیں تمام مسلم ممالک کو تباہ کرنے کے لئے عملی قدم اٹھانے کی آخری تیاریوں میں ہیں، عریانیت اور فریب وبگاڑ کے خمیر سے تیارشدہ مواد میڈیا کے ذریعہ مسلسل پھیلایا جارہا ہے، اور اس طرح اخلاقی اقدار کو ملیا میٹ اور حقائق اور صداقتوں کو تزویروتلبیس کے پردوں میں لپیٹا جارہا ہے، اور اسلام کو مسخ کرنے کے لئے چوطرفہ کوششیں ہورہی ہیں۔

قرآنِ کریم اور حامل قرآن پیغمبر علیہ السلام سے اہل اسلام کا تعلق مذہبی اور جذباتی ہے، اور عاشقانہ وعقیدت مندانہ رنگ لئے ہوئے ہے، اس لئے اہانت کی حرکتوں پر جذبات کا

متلاطم ہونا اور قلب و دماغ کا اضطراب اور ہیجان ایک فطری امر ہے، اور پھر احتجاج و مظاہرہ کے ذریعہ گستاخوں کے تئیں اپنی نفرت کا اظہار اور اپنے حقوق اور مذہبی مقدسات کے تئیں فکر مندی کا اعلان ہمارا اپنا حق ہے، اور الحمد اللہ ہم اس پہلو سے بے حد بیدار مغزی، شعور اور دینی حمیت و غیرت کا ثبوت دے رہے ہیں، پورے ہندوستان؛ بلکہ پورے عالم میں ہونے والے مسلسل مظاہرے اور احتجاجی جلسے اس بات کا ثبوت ہیں کہ ملت اسلامیہ اپنے پیغمبر سے اور اپنے قرآن سے غایت درجہ جذباتی اور عقیدت مندانہ تعلق رکھتی ہے، اور پیغمبر علیہ السلام کی شان میں کسی بھی طرح کی بے ادبی اور اہانت کو گوارا کرنے کا تصور بھی وہ نہیں کرسکتی۔

پیغمبر اسلام ﷺ سے ہمارا یہ جذباتی تعلق اور ان کی اہانت پر ہمارا یہ اضطراب بے حد مبارک ہے، مگر اسلام ہم سے یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ پیغمبر اور قرآنِ کریم سے جذباتی تعلق کی طرح ہی ان سے ہمارا عملی تعلق بھی اتنا ہی ضروری ہے، مقام افسوس ہے کہ ہمارے جذباتی تعلق کی گواہ پوری دنیا بنے اور ہمارے عملی تعلق کا عالم یہ ہو کہ:

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں

آج ملت کی داخلی اور معاشرتی صورتِ حال یہ ہے کہ بد اخلاقی، بے راہ روی، دین سے دوری اور رسوم و خرافات کی اندھی تقلید کا ایک طوفان آیا ہوا ہے، مغربی تعلیم و تہذیب کی ترویج کی لعنت یہ ہے کہ عقائد پر زد پڑ رہی ہے، بے عملی کی فضا عام ہے، معاملات میں اسلامی اصول اور اجتماعی اقدار کو پامال کر کے صرف حصول زر کو مطمح نظر بنالیا گیا ہے، حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی ہے، سماجی زندگی، خاندانی، قومی، غیر اسلامی رسوم اور خرافات کی نذر ہوگئی ہے، حسن اخلاق کے جوہر گراں مایہ سے ہم تہی دامن ہوتے جارہے ہیں۔

اپنی عملی زندگی میں قرآن کریم و سنت رسول سے اس انحراف کا بدل کیا ہمارا جذباتی احتجاج ہوسکتا ہے؟ کیا صرف جوشِ گفتار کافی ہے؟ کیا عملی ایمان کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا ہمارا

یہ فرض نہیں کہ جس طرح ہم قرآنِ کریم اور پیغمبر اسلام سے جذباتی اور قلبی تعلق رکھتے ہیں، اس سے زیادہ عملی تعلق رکھیں، جس قوت سے ہم احتجاج کر رہے ہیں، اسی قوت سے اپنی عملی زندگیوں میں انقلاب پیدا کریں، اپنے سماج کی اصلاح کے لئے سرگرم ہوجائیں، اللہ نے اپنا نظام ایسا بنایا ہے کہ اگر انسان اپنے قلب کی دنیا میں انقلاب پیدا کر لے تو باہر کی دنیا میں بھی انقلاب آ ہی جاتا ہے۔

کرنے کے کام

موجودہ حالات میں ہمیں کیا کرنا ہے؟ اس کا مختصر خاکہ یہ ہے:

(۱) اپنے ایمان ویقین کو مستحکم اور مکمل کرنا ہے، جو نقائص اور کمیاں در آئی ہیں ان کا ازالہ کرنا ہے۔

(۲) دین کے لئے قربانیوں اور جاں فشانیوں کا مزاج پیدا کرنا ہے۔

(۳) معاشرے میں پھیلے ہوئے بگاڑ کی اصلاح کے لئے عملی قدم اٹھانا ہے۔

(۴) اپنی عملی زندگی کی اصلاح کو سب سے مقدم رکھ کر غازیٔ گفتار کے بجائے غازیٔ کردار بننا ہے۔

(۵) عقائد، معاملات، عبادات، معاشرت اور اخلاق سبھی شعبوں میں اسلام کے نظام کی تابع داری کرنی ہے۔

(۶) تقویٰ کی روحانی طاقت کے حصول کے ساتھ معاشی طور پر بھی اور اسباب ووسائل کے اعتبار سے بھی طاقت ور بننا ہے؛ تاکہ کوئی ہم کو نوالۂ تر سمجھنے کی غلط فہمی میں نہ رہے۔

(۷) ممکنہ اسباب اور محنت کے ساتھ ہی توکل اور دعا کا اہتمام کرنا ہے۔

(۸) دین کے معاملے میں کسی طرح کی مفاہمت اور کمپرومائز نہیں کرنا ہے؛ بلکہ ایمانی غیرت وحمیت کا ثبوت دینا ہے، اور دنیا کو یہ دکھا دینا ہے کہ اہل اسلام باطل سے کبھی دبنے والے نہیں ہیں۔

اس خاکے کے مطابق عمل کرلیا جائے تو اس بات کی ضمانت ہے کہ دنیا و آخرت کی کامیابیاں قدم بوس ہوں گی، باطل طاقتوں کے منصوبے ناکام ہوجائیں گے، اور اللہ کی نصرت حاصل ہوگی اور ”إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ“ (اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا) کا عملی ظہور ہوگا۔

حالات کا پیغام

پوری دنیا میں اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت کے جو طوفانی حالات ہیں اور جن کا ایک نمایاں مظہر اہانت رسول کی مجرمانہ حرکتیں ہیں، ان حالات کا واضح پیغام ہر مسلمان کے نام یہی ہے کہ ایمانی اور اخلاقی طاقت کے حصول کے ساتھ ہر مسلمان ظلم و جور کے سامنے سپر انداز نہ ہونے اور حق کے لئے جدوجہد کرتے رہنے اور تادم مرگ اسی مبارک سرگرمی میں لگے رہنے کا عہد کرلے؛ بلکہ اپنے دل میں قسم کھالے، ابلیسی اور طاغوتی طاقتوں کو اصل خطرہ مسلمانوں سے ہے۔ اقبال نے انہیں کی زبان میں کہا ہے:

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کے خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

ان کو خطرہ ہمارے شرار آرزو، روح جہاد اور ہماری بیداری سے ہے، ہمیں خود اپنی فضا بنانی ہے، اپنی بقاء کی فکر کرنی ہے، ہم دوسروں کے دست نگر نہیں ہیں، اقبال نے ہر مسلمان کو فتنے کے حالات کے لئے یہ پیغام عمل دیا ہے:

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری ❖ مرے درویش خلافت ہے جہاں گیر تری
ما سوا اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تری ❖ تو مسلمان ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کردے

اہانتِ رسول کے واقعات اور ہمارے کرنے کے کام

انسانیت کے لئے اس سے بڑا کرب ناک المیہ کیا ہوسکتا ہے کہ ایک مخصوص معاندانہ ذہنیت اور منفی مزاج رکھنے والے گروہ کی طرف سے وقفے وقفے سے کبھی کارٹون، کبھی خاکوں، کبھی فلم کی شکل میں اُس ذاتِ اقدس کی اہانت کی ملعون جسارت کی جارہی ہے، جو محسن انسانیت اور رحمت عالم بنا کر مبعوث کی گئی تھی، اس بابرکت شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، جس کے احسانات پوری انسانیت کو اپنے حصار میں لئے ہوئے ہیں۔

''انوسنس آف مسلمس'' (Innocence of Muslims) کے نام سے امریکہ میں تیار کی جانے والی فلم نے غلاظت اور خباثت کی تمام حدیں پار کردی ہیں، کوئی بدعمل سے بدعمل مسلمان اس کے مندرجات کو دیکھ کر اپنے ضبط پر قابو نہیں رکھ سکتا، ابھی یہ زخم تازہ تھا کہ فرانس کے ایک اخبار نے آپ ﷺ کے اہانت آمیز خاکے شائع کر کے پوری امت مسلمہ کے زخم پر نمک پاشی کی حرکت انجام دی، واقعہ یہ ہے کہ یہ مجرمانہ حرکت پوری دنیا میں موجود سوا ارب سے زائد مسلمانوں کی دلآ زاری ہے، ایک صحافی کے بقول:

''جن کے خاندانوں کے نسب نامے ہوٹل آف کیلیفورنیا کی یخ بستہ شاموں کی سیہ مستیوں میں کہیں گم ہوگئے تھے وہ اٹھ کر اس ذاتِ گرامی کے دامن سے الجھ رہے ہیں جس کی فکر سے وقارِ آدمیت نے جنم لیا تھا، وہ جن کی دانش شراب خانوں کے دروازوں پر اوندھی پڑی ہے اور شعور کے تمام ذرات مثانے کے دباؤ کے ساتھ خارج ہوگئے ہیں، وہ اٹھ کر اس دانائے سبل کے نام لیواؤں کو آزادیٔ اظہار کا نامعلوم کلیہ سمجھا رہے ہیں، جس نے تو تلی انسانیت کو

اظہار کی الف بے سمجھائی تھی، گز بھر کی وہ زبانیں جن کو خنزیر کی چربی لگ گئی ہے وہ جرمن شیفرڈ کی طرح اس ذات پر بھونکنے لگی ہیں، جس نے ان کے اجداد کو پہلی بار اخلاقیات کے فلسفے سے آشنا کیا تھا، وہ انگلیاں جو کہ شام وسحر بینکاک کی منڈیوں میں جنس ارزاں کی طرح بکنے والی زلفوں کی عشوہ طرازیوں میں رقص کناں رہتی ہیں، ان انگلیوں میں قلم آیا تو وہ گٹر کی طرح اس ہستی کی نگری میں ابلنے لگا جس نے ازم گاہوں میں بھی ان کی اسیر ماؤں کے سر پر حیا کی چادر تان دی تھی، وہ حیا باختہ قدم کہ جو آسودۂ شبستانوں میں موسیقی کی بکھرتی دھنوں پر تھرکتے ہیں وہ قدم کچھ دیر کے لئے باہر نکلے تو اس کوچے کی طرف بڑھے کہ جس کوچے میں انہوں نے ذاتِ پاک کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا تھا، یہ گستاخی انسانی تاریخ کی سب سے عظیم شخصیت کی شان میں کی گئی ہے جس کی ساری کائنات مرہونِ منت ہے، حیرت ان مغربی اقوام پر ہے جو اس قسم کی دریدہ ذہنی کو آزادیٔ رائے کا نام دیتی ہیں، کیا یہ رائے کی آزادی ہے کہ آدمی کے سامنے اس کے ماں باپ کو گالی دی جائے اور پھر یہ کہا جائے کہ یہ میری رائے ہے اور مجھے رائے کے اظہار کی آزادی حاصل ہے؟ یہ آزادیٔ رائے نہیں؛ بلکہ یہ بدتمیزی ہے، بداخلاقی ہے اور انسانی اقدار کی پامالی ہے، جسے اخلاق، معاشرتی اقدار، مذاہب عالم اور ہر شریف انسان رد کرتا ہے"۔

ایک صاحب ایمان کے لئے اس کی حیاتِ مستعار کی سب سے بیش قیمت متاع خداوند قدوس، قرآنِ مجید، دین حق اور رسولِ رحمت ﷺ کی محبت وعظمت ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس کے لئے ہر مسلمان اپنا سب کچھ نثار کرنا بہت سہل باور کرتا ہے، امت مسلمہ کی تاریخ حرمت دین اور ناموس رسالت پر سب کچھ قربان کرنے کے ناقابل یقین اور بے نظیر مظاہر اور نمونوں سے لبریز ہے، مغربی اسلام مخالف لابی اور اس کے تمام تر ذہین وشاطر دماغوں نے یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لی ہے کہ امت محمدیہ کی قوت کا اصل منبع ومرکز ایمان، قرآن اور نبی اکرم ﷺ سے بے انتہا عقیدت وتعلق ہے، انہیں بخوبی ادراک ہو چکا ہے کہ پورے عالم میں

یورپ کی اقدار و کردار سے عاری ملعون تہذیب کے مکمل غلبے کے راستے میں سب سے بڑا روڑا قرآن و حدیث کی ہدایات، آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور اسوۂ حسنہ ہے، انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ مسلمان اس معاملے میں بے حد حساس ہیں اور تمام تر کمزوری اور بگاڑ کے باوجود مسلمان شانِ رسالت مآب میں ادنیٰ سی گستاخی اور اہانت برداشت نہیں کر سکتے، اسی لئے معاندین ہمیشہ اس کوشش میں رہے ہیں کہ دین اور پیغمبر اسلام سے مسلمانوں کے اس عقیدت مندانہ رشتے کی ڈور کمزور کر دی جائے، ان کو اشتعال دلا کر ان کی شبیہ مجروح کر دی جائے اور اپنا مذموم مقصد حاصل کر لیا جائے، اہانت رسول کے یہ متواتر واقعات اسی مذموم مقصد کے حصول کے منصوبے سے منظر عام پر لائے جا رہے ہیں۔

مخالف اسلام شرانگیزیوں کے خلاف اصل رول مسلم حکومتوں کو ادا کرنا چاہیئے، مگر یہ بھی ہماری محرومی ہے کہ بالعموم تمام مسلم حکمراں بصیرت، تدبر اور جرأت سے عاری اور یوروپ کی نگاہِ کرم کے منتظر ہیں، صورتِ حال یہ ہے کہ مسلم عوام پورے جذبے کے ساتھ احتجاج کر رہے ہیں، اور حکمراں طبقے خاموش ہیں یا بڑے تحفظات کے ساتھ دبے لفظوں میں بول رہے ہیں۔

اہانت رسول کی اس حرکت پر مظاہروں اور احتجاجوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا جو اب تک جاری ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک طبعی اور فطری ردعمل ہے، ایسے گھناؤنے اور مجرمانہ واقعات پر اپنے ردعمل کا اظہار نہ کرنا بے غیرتی ہے، تاہم قابل توجہ بات یہ ہے کہ ہمارا ردِعمل کیسا ہونا چاہیئے؟ اگر ہمارے ردِعمل کی وجہ سے معاندین کے مذموم مقاصد پورے ہو رہے ہوں، اہانت رسول کی حرکت کے پس پردہ جو ہدف ہے وہ ہم خود اپنے اشتعال آمیز مظاہروں، ہوش وحکمت سے عاری اور مجنونانہ جوش سے لبریز اقدامات کے ذریعہ مکمل کر رہے ہوں، تو ظاہر ہے کہ کوئی صاحب عقل ایسے ردعمل کی معقولیت اور افادیت کا قائل نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کے دلوں میں موجود اور موج زن جوش و جذبہ کا رخ صحیح سمت میں موڑا جانا بہت بنیادی ضرورت ہے، امت کو ایسے تمام مواقع پر اپنے احتجاجی پروگراموں میں تشدد سے

اور ہر ایسی حرکت سے کلی طور پر گریز کرنا ضروری ہے جس سے اس کی یا اسلام کی شبیہ مسخ ہوتی ہو، یا منفی تاثر قائم ہوتا ہو، یا اسلام کے تئیں دلوں میں نفرت اور بے زاری کے جرثومے پروان چڑھتے ہوں، آپ ﷺ کے نام پر ہونے والے مظاہروں اور احتجاجوں میں تعلیماتِ نبوت کا عکس نمایاں رہنا چاہیے، اور انہیں مکمل باوقار اور پرامن نظر آنا چاہیے۔

امت کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ معاندین کی طرف سے اہانت اسلام، اہانت قرآن اور اہانت رسول کا یہ طویل مدتی منصوبہ بند پروگرام ہے، جس کا حل صرف مظاہروں اور جلوسوں سے نہیں ہوسکتا، کتاب وسنت میں مذکور اصول اور سیرتِ نبویہ میں موجود نمونوں کی روشنی میں اس حساس ترین موضوع کے حل کے لئے مضبوط مؤثر اور حکیمانہ منصوبہ بندی ضروری ہے، اصلاً یہ ذمہ داری علماء امت کی ہے، انہیں اس میں اپنا قائدانہ کردار ادا کرنا ہے۔

ایک قابل فکر بات یہ ہے کہ اظہار رائے کی آزادی انسان کا مسلمہ حق ہے، لیکن جو آزادی دوسرے کی دل آزاری، نقض امن اور قانون شکنی کا ذریعہ بنے اس کی اجازت کسی بھی مذہب اور ملک میں نہیں ہے، مغربی ممالک اپنے آپ کو آزادئ اظہار رائے کا سب سے بڑا علم بردار قرار دیتے ہیں، مگر ان ممالک میں بھی مذہبی جذبات مجروح کرنے پر قانونی پابندی ہے، لیکن اسلام کے بارے میں مغرب کا معیار شروع سے دوہرا رہا ہے، اور تمام گستاخانِ اسلام کو آزادئ اظہار رائے کے بہانے سے تحفظ فراہم کرنے کی ان کی روش بہت قدیم ہے، اہانت رسول واسلام کے مجرمین کی جرأت اور دیدہ دلیری اس وجہ سے بھی ہے کہ ان کو کوئی سزا تو دور کی بات پورا تحفظ اور در پردہ سرپرستی فراہم ہے، معاملہ طول پکڑتا ہے تو رسمی اظہارِ معذرت پر اکتفاء کرلی جاتی ہے، جس سے معاملہ سلجھتا نہیں ہے؛ بلکہ مجرم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

اس لئے ضرورت یہ ہے کہ مسلم ممالک عالمی قانونی اداروں کے ساتھ مل کر توہین مذہب پر بندش لگانے اور ایسی حرکت کرنے والے کو قرارِ واقعی سزا ملنے اور لازمی طور پر سزا کی تنفیذ کے قوانین بنائیں، امت کے بعض مفکرین نے اس تعلق سے عالمی سطح پر قانون سازی

کی ضرورت پر زور دیا ہے، یہ بہت اہم اور مفید رائے ہے، اور اس سمت میں ہر ممکن کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔

امت مسلمہ کے لئے یہ بھی لمحہ فکر یہ ہے کہ جس نبی کی شان میں ہونے والی گستاخی پر وہ احتجاج واضطراب کے ذریعہ اپنے تعلقِ عقیدت وعظمت کا ثبوت پیش کررہے ہیں (جو بے حد مبارک اور قابل فخر ہے) اس نبی کی حیات وسیرت وکردار کا کتنا عکس وپرتو ان کی اپنی عملی انفرادی واجتماعی زندگی میں پایا جاتا ہے، اس تعلق سے امت کا تجزیہ کیا جائے تو سوائے افسوس وحیرت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا، ہم جس ہستی کی ناموس کے لئے سراپا احتجاج ہیں اس ہستی کی پیروی کے لئے ہم کیوں تیار نہیں ہیں؟ یوروپ کی اہانت رسول کی حرکتوں پر ہم چراغ پا ہوجائیں (اور ہونا بھی چاہئے) مگر اپنی عملی زندگی میں پیغمبر کے نظام کے بجائے اسی یوروپ کے اخلاق باختہ عریاں اور منحوس وملعون نظام کی نقالی کرتے پھریں، آخر یہ دوعملی، نفاق اور محبت کے نام پر محبت کا رسمی مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمیں سمجھنا ہوگا کہ اس دوعملی کے ساتھ نہ ہم رسول کا حق ادا کرسکتے ہیں اور نہ ان مجرموں کو لگام دے سکتے ہیں، موجودہ واقعات وحالات کے پس منظر میں امت کے ہر خاص وعام کو یہ طے کرنا چاہئے کہ اسوۂ نبوی اور کردارِ محمدی کو عمل میں برتنے اور اپنا معاشرتی نظام تعلیماتِ نبوی کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے؛ تاکہ ہمارا ہر عمل غیروں کو اسلام سے قریب کرنے والا ثابت ہو، نہ کہ بیزار ودور کرنے والا۔

ایک بہت ضروری اور بنیادی کام جو ان حالات میں فوری توجہ کا متقاضی ہے، دنیا کو آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ اور اسوۂ حسنہ کے تمام پہلوؤں سے واقف کرانے کی مہم ہے، یہ امت کے ذمہ انسانیت کا قرض ہے، ہم کو یہ قرض ادا کرنا ہوگا اور دنیا کو آپ ﷺ کے مشن سے واقف کرانا اور یہ بتانا ہوگا کہ انسانیت کو نجات اور کامیابی کی منزل آپ ﷺ کی رہنمائی اور ہدایات کے بغیر میسر نہیں آسکتی، یہ قرض ہم نے اگر ادا کردیا ہوتا تو شاید یہ نوبت نہ آتی، رحمت عالم کے

پیغامِ رحمت اور محسن انسانیت کی اخلاقی تعلیمات ہر گھر اور ہر دل تک پہنچیں، امت کے لئے اصل کرنے کا کام اب یہی ہے اور حالات کا واضح پیغام بھی یہی ہے۔

امت کے دردمند فقیہ اور داعی ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے اپنی تنظیم ''الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین'' کی طرف سے بہت برموقع اور حکیمانہ بیان جاری کیا ہے، جس میں اس ملعونانہ حرکت کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ:

(۱) اس طرح کی رکیک حرکتوں سے کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کی عظمت کو مجروح نہیں کیا جاسکتا، دنیا ہر دور میں آپ ﷺ کی تعلیمات کے نور اور آپ کے کردار کی خوشبو سے فائدہ اٹھاتی رہے گی۔

(۲) اہانت رسول کی مجرمانہ حرکت کرنے والے تمام افراد کے خلاف مقدمہ چلنا چاہئے اور سخت کارروائی کی جانی چاہئے، اس لئے کہ اس حرکت سے پورے عالم کے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے، اور نفرت وتعصب کی تخم ریزی ہوئی ہے، آزادیٔ رائے کا بہانہ بنا کر اس جرم کی شناعت کو بالکل کم نہیں کیا جاسکتا، امریکی حکومت کی طرف سے یہ بہانہ کھلی دھاندلی اور مسلمانوں کی حرمت کو بے وقعت کرنا ہے، جن عیسائیوں نے یہ حرکت کی ہے ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اپنے اس عمل کے ذریعہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی تعلیمات سے بھی بالکل لاتعلقی اور نفرت کا ثبوت دیا ہے۔

(۳) ایسی حرکتوں کے ردعمل میں ہونے والے اقدامات میں حکیمانہ اور مثبت موقف اختیار کرنا چاہئے، اور ان کے رد کیلئے دیرپا اور ٹھوس اقدامات پر غور ہونا چاہئے، اور اسلامی اصول: ''وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ'' کے پیش نظر بے قصوروں کے ساتھ تشدد آمیز کارروائی سے گریز ہونا چاہئے، مسلمانوں کو احتجاج کے بجائے تعارفِ اسلام اور تعارفِ رسول کی مہم چھیڑنی چاہئے کہ یہی زیادہ برموقع اور اہم کام ہے۔ (موقع القرضاوی)

◆

ناموسِ رسول کی حفاظت کا قرآنی اسلوب

قرآنِ مقدس میں محسنِ انسانیت ﷺ کے احوال واخلاق، اسوہ وسیرت اور مآثر ومحامد کا ذکرِ جمیل جگہ جگہ موجود ہے، اور اس کثرت کے ساتھ ہے کہ کہنے والوں نے: ع

ہمہ قرآن در شانِ محمد

(پورا قرآن آپ ﷺ کی شان میں ہے)

کہہ دیا ہے، قرآن نے بہ صراحت زبانِ نبوت سے نکلنے والے ہر کلام کو وحی الٰہی قرار دیا ہے، (النجم:۳،۴) آپ کی نبوت عامہ، رسالتِ کاملہ اور رحمۃ للعالمینی کا ذکر کیا ہے، (الاعراف:۱۵۸، الانبیاء: ۱۰۷) آپ کو اخلاقِ عالیہ کے سب سے عظیم مقام پر فائز بتایا ہے، (القلم:۴) آپ کی بعثت کو پوری انسانیت پر عظیم ترین احسانِ الٰہی قرار دیا ہے، (آل عمران: ۱۶۴) آپ کی پیروی کو اللہ کی محبت کا اصل ذریعہ بتایا ہے، (ایضاً: ۳۲) اور آپ تو آپ ہیں، آپ کے اصحاب اور ازواج واہل بیت کے مناقب وفضائل کا تذکرہ کیا ہے، اس طرح پورا قرآن سیرتِ نبویہ کے ذکر وبیان سے لبریز ہے۔

قرآن نے دیگر پہلوؤں کے ساتھ احترامِ رسول اور حرمت وعظمتِ رسول کو خاص موضوع بنایا ہے، چناں چہ قرآن کی متعدد آیات رسول اللہ ﷺ کی حرمت وناموس کی پاسبان ومحافظ نظر آتی ہیں۔ ذیل میں اس کے چند نمونے ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) مشرکین نے آپ ﷺ پر جنون کا الزام عائد کیا اور آپ کو مجنون قرار دیتے ہوئے کہا:

وَقَالُوْا يَا أَيُّهَا الَّذِىْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ. (الحجر: ٦)

اے وہ شخص جس پر یہ قرآن اتارا گیا ہے! تم یقینی طور پر مجنون ہو۔

خداوند قدوس نے اپنے محبوب پیغمبر کی شان میں ہونے والی اس گستاخی کا سخت رد کیا اور جواب دیا، غور کیا جائے کہ اللہ عز و جل نے قسم کھا کر اور اپنے جلال کا اظہار فرما کر خود جواب دیا ہے، ایک عاشق اپنے محبوب کی مدافعت بھرپور کرتا ہے، یہاں تو معاملہ محبوبِ کائنات کا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُونٍ، وَإِنَّ لَکَ لَأَجْراً غَيْرَ مَمْنُونٍ. (القلم: ٢-٣)

آپ اپنے پروردگار کے فضل سے مجنون نہیں ہیں، اور یقین جانئے کہ آپ کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

اور آگے بیان کر دیا کہ عنقریب واضح ہو جائے گا کہ دیوانہ کون ہے؟ یعنی حالات خود مشرکین کی دیوانگی اور بے عقلی بالکل آشکارا کر دیں گے، چناں چہ فرمایا:

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ، بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ. (القلم: ٥-٦)

چناں چہ آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانگی میں مبتلا ہے؟

مزید براں جھوٹ کے دفاع اور مستقبل کے تذکرے کے درمیان آپ کو بلندئ اخلاق کی سب سے عظیم سند بھی تمام تر مؤکد اسلوبِ بیان میں اس طرح دے دی گئی کہ:

وَإِنَّکَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ. (القلم: ٤)

اور یقیناً آپ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہیں۔

غور کیا جائے تو اس ایک جملے میں بے انتہا معنویت ہے، آپ کی عظمت اخلاقی خود

اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ معاندین کی طرف سے دیوانگی کا الزام بالکل جھوٹ ہے؛ کیوں کہ اخلاقی بلندی اور جنون یکجا نہیں ہو سکتے، جنون ذہنی توازن کے بگاڑ اور مزاج کی بے اعتدالی کی علامت ہوتا ہے، جب کہ اخلاق کی بلندی انسان کی مکمل دماغی صحت، سلامتیٔ فطرت اور ذہن ومزاج کے کامل توازن کی آئینہ دار ہوتی ہے، قرآن نے اپنے اس ایک فقرے کے ذریعہ ہر معقول آدمی کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ جو لوگ ایسے بلند اخلاق انسان پر دیوانگی کی پھبتیاں کس رہے ہیں وہ آخری حد تک بے شرمی اور ڈِھٹائی میں مبتلا ہیں، آج بھی جو بدبخت افراد اپنی زبان وقلم سے یا کسی اور ذریعہ سے آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، آپ پر ناروا الزامات عائد کرتے ہیں، آپ پر جنون وتشدد کی تہمت رکھتے ہیں، قرآن جیسی بے نظیر کتاب اور پیغمبرانہ اخلاق کا اسوہ دونوں ایسے تمام افراد کو عقل وخرد سے بیگانگی اور عداوت وتعصب کے اندھے جذبات کے ساتھ لغو حرکتوں کا مجرم قرار دیتے ہیں۔

یہاں تفصیل کے باوجود مفسر عثمانی کا یہ بیش قیمت تفسیری نکتہ نقل کئے بغیر رہا نہیں جاتا۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

> ”(ان آیات میں) حق تعالیٰ نے اس خیال باطل کی تردید اور آپ کی تسلی فرمادی، یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے فضل وانعام ہوں جن کو ہر آنکھ والا مشاہدہ کر رہا ہے، مثلاً اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور حکمت ودانائی کی باتیں، مخالف وموافق کے دل میں اس قدر قوی تاثیر، بلند اور پاکیزہ اخلاق، کیا اسے دیوانہ کہنا خود اپنی دیوانگی کی دلیل نہیں؟ آج آپ کو (العیاذ باللہ) مجنون کے لقب سے یاد کرنا بالکل وہی رنگ رکھتا ہے جس رنگ میں دنیا کے تمام جلیل القدر اور اولوالعزم مصلحین کو ہر زمانہ کے شریروں اور بے عقلوں نے یاد کیا ہے؛ لیکن جس طرح تاریخ نے اُن مصلحین کے اعلیٰ کارناموں پر بقاودوام کی مہر ثبت کی اور ان مجنون کہنے والوں کا نام ونشان باقی نہ چھوڑا، قریب ہے کہ قلم اور اس کے ذریعہ سے لکھی ہوئی تحریریں آپ ﷺ کے ذکر خیر اور آپ کے بے مثال

کارناموں اور علوم و معارف کو ہمیشہ کے لئے روشن رکھیں گی، اور آپ ﷺ کو دیوانہ بتلانے والوں کا وجود صفحہ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ کر رہے گا، ایک وقت آئے گا جب ساری دنیا آپ ﷺ کی حکمت و دانائی کی داد دے گی، اور آپ کے کامل ترین انسان ہونے کو بطور ایک اجماعی عقیدہ کے تسلیم کرے گی، بھلا خداوند قدوس جس کی فضیلت و برتری کو ازل الآزال میں اپنے قلم نور سے لوحِ محفوظ پر نقش کر چکا، کس کی طاقت ہے کہ محض مجنون و مفتون کی پھبتیاں کس کر اُس کے ایک شوشہ کو مٹا سکے؟ جو ایسا خیال رکھتا ہو پَرلے درجے کا مجنون یا جاہل ہے۔" (تفسیر عثمانی: ۲/ ۷۱۵-۷۱۶)

مشرکین کی طرف سے آپ ﷺ کو "مجنون" قرار دینے والی گستاخی کا واضح رد اللہ کی طرف سے سورۃ التکویر میں بھی کیا گیا ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ. (التکویر: ۲۲)

(اے مکہ والو) تمہارے ساتھ رہنے والے یہ رفیق (محمد ﷺ) کوئی دیوانے نہیں ہیں۔

یہاں بھی آپ ﷺ کو اہل مکہ کا رفیق کہہ کر یہ احساس دلایا جا رہا ہے کہ جس پر تم دیوانگی کی تہمت لگا رہے ہو وہ کوئی اجنبی نو وارد نہیں ہے، تمہارا ہم قوم و ہم وطن ہے، تم نے اس کی چالیس سالہ قبل از نبوت صدق و دیانت، عقل و فراست، بصیرت و تدبر کی بے مثال شاہ کار زندگی کھلی آنکھوں دیکھی ہے، تم نے اس کی ذہانت و خرد کا بار بار تجربہ کیا ہے، محض عناد میں جان بوجھ کر ایسے عظیم انسان پر جنون جیسا غیر معقول اور بے ہودہ الزام لگاتے ہوئے تم کو شرم سے ڈوب مرنا چاہئے۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے ان جملوں کے مخاطب آج کے وہ معاندین بھی ہیں- خواہ وہ کسی رنگ و نسل، قوم و مذہب اور ملک کے ہوں- جو تاریخی معتبر استناد اور موجود سائنٹفک اصولوں پر مبنی موثوقہ شہادات و تصدیقات و بیانات کی روشنی میں آپ ﷺ کے مقدس کردار،

انقلابی مشن، اصلاحی خدمات، اعلیٰ اخلاق، پاکیزہ سیرت، شفاف وروشن تعلیمات کی جملہ تفصیلات سے پورے طور پر باخبر ہونے کے باوجود محض اسلام دشمنی اور عناد وتعصب کی منحوس آگ میں جھلس کر اسلام اور پیغمبر اسلام کو مجروح کرنے کے لئے رکیک الزام تراشیاں اور بے ہودہ گوئیاں کر رہے ہیں، قرآن ایسے تمام معاندین کو انجام بد سے ڈرانے کے ساتھ پیغامِ تدبر دے رہا ہے، ان کو اس حرکت پر شرم دلا رہا ہے اور آگاہ بھی کر رہا ہے کہ اپنے اِن سیاہ کرتوتوں کا خمیازہ وہ بھگت کر رہیں گے۔

(۲) مخالفین نے کبھی آپ ﷺ پر جھوٹ اور افترا کا الزام لگایا اور کہا:

أَفْتَرَى عَلَى اللّٰهِ كَذِباً أَمْ بِهِ جِنَّةٌ. (سبا: ۸)

پتہ نہیں، اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اسے کسی طرح کا جنون لاحق ہے۔

قرآن نے فوراً اس کے جواب میں فرمادیا:

بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ فِيْ الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيْدِ.

(سبا: ۸)

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ خود عذاب میں اور پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

(۳) آپ ﷺ کی رسالت کا صاف انکار ”لَسْتَ مُرْسَلاً“ (الرعد: ۴۳) (اے محمد! تم پیغمبر نہیں ہو) کے الفاظ سے ہوا، قرآن نے قسم کھا کر واضح کر دیا:

وَالْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ، إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ، عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (یٰس: ۲-۳)

حکمت بھرے قرآن کی قسم! آپ یقیناً پیغمبروں میں سے ہیں، بالکل سیدھے راستے پر۔

(۴) مشرکین نے کہا:

أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ. (الصافات: ٣٦)

کیا ہم ایسے ہیں کہ ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑ بیٹھیں۔

اللہ نے ان کا رد کیا اور فرمایا:

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ. (الصافات: ٣٧)

نہیں؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ (محمد) حق لے کر آئے اور انہوں نے دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کی۔

پھر مشرکین کو انجام بد بتایا:

إِنَّكُمْ لَذَائِقُو الْعَذَابِ الْأَلِيْمِ. (الصافات: ٣٨)

تم سب کو یقیناً دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا۔

(۵) مخالفین اسلام نے آپ ﷺ کے بارے میں یہ بکواس کی:

إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُوْنَ. (الفرقان: ٤)

یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں، بس ایک من گھڑت چیز ہے جو اس شخص نے گھڑی ہے اور اِس کام میں کچھ اور لوگ بھی اس کے مددگار بنے ہیں۔

اللہ نے اس کے جواب میں خود ان کو جھوٹا بتایا:

فَقَدْ جَاؤُوا ظُلْماً وَزُوراً. (الفرقان: ٤)

یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ پر اُتر آئے ہیں۔

پھر آپ ﷺ کو یہ حکم دیا:

قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِيْ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ. (الفرقان: ٦)

آپ کہہ دیجئے کہ یہ کلام تو اس اللہ نے تارا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہر بھید کو پوری طرح جانتا ہے۔

(۶) کفار نے آپ ﷺ کے بارے میں جب یہ کہا کہ:

مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِىْ الْأَسْوَاقِ. (الفرقان: ۷)

یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔

تو اللہ نے یہ جواب دیا:

وَما أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِىْ الْأَسْوَاقِ. (الفرقان: ۲۰)

ہم نے آپ ﷺ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، وہ سب ایسے تھے کہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

مشرکین نے رسول کے انسانوں میں سے ہونے کو مستبعد سمجھتے ہوئے جب یہ کہا:

أَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَراً رَّسُولاً. (الاسراء: ۹۴)

کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

تو اللہ نے اس کا جواب دیا:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِىْ الْأَرْضِ مَلآئِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكاً رَّسُولاً. (الاسراء: ۹۵)

آپ کہہ دیجئے! اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل رہے ہوتے تو بے شک ہم آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر ان پر اتار دیتے۔

اس طرح یہ بتا دیا گیا کہ پیغمبر کا اپنے مخاطبین کی جنس سے ہونا ضروری ہے؛ تا کہ وہ ان کی نفسیات اور فطری ضرورتوں سے واقف رہ کر ان کو ہدایات دے، آپ ﷺ کو انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہے، اس لئے آپ کے انسان ہونے پر اعتراض بالکل لغو ہے۔

(۷) دشمنانِ اسلام یہودیوں نے آپ ﷺ کے تعددِ ازدواج کو ہدفِ ملامت بنایا، آپ کے اولادِ اسماعیل میں سے ہونے پر ان کو حسد پیدا ہوا اور انہوں نے دشمنی اور عناد کا رویہ اپنایا، تو قرآن نے صاف لفظوں میں کہا:

أَمۡ يَحۡسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضۡلِهِ فَقَدۡ آتَيۡنَا آلَ إِبۡرَاهِيمَ الۡكِتَابَ وَالۡحِكۡمَةَ وَآتَيۡنَاهُم مُّلۡكاً عَظِيماً. (النساء: ٥٤)

کیا یہ لوگوں سے اس بنا پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا فضل کیوں عطا فرمایا ہے؟ تو ہم نے ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی، اور انہیں بڑی سلطنت دی تھی، (یعنی اللہ اپنی حکمت سے جس کو مناسب جانتا ہے، نبوت وخلافت عطا کرتا ہے، اب اگر اللہ نے اولادِ اسماعیل میں آپ ﷺ کو نبوت عطا کر دی ہے تو اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے)۔

(۸) آپ ﷺ کے صاحبزادے کے انتقال پر دشمنوں نے آپ کو بے نام ونشان قرار دیا تو اللہ نے فوراً آپ ﷺ کی طرف سے دفاع کیا اور جواب دیا:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡأَبۡتَرُ. (الکوثر: ٣)

بلاشبہ آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

(۹) مخالفین نے آپ ﷺ کے بارے میں کہا:

شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيۡبَ الۡمَنُونِ. (الطور: ٣٠)

یہ صاحب (محمد) شاعر ہیں، ہم ان کے بارے میں زمانے کی گردش کے منتظر ہیں (کہ یہ مر جائیں اور ان کی شاعری بھی ختم ہو)

اللہ نے اس کے جواب میں ایک طرف تو آپ سے یہ کہلوایا:

قُلۡ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الۡمُتَرَبِّصِينَ. (الطور: ٣١)

آپ کہہ دیجئے کہ کرلو انتظار، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

دوسری طرف واضح کر دیا:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ. (یس: ٦٩)

ہم نے اپنے ان پیغمبر کو نہ شاعری سکھائی ہے اور نہ وہ ان کے شایانِ شان ہے، یہ تو بس ایک نصیحت کی بات ہے اور ایسا قرآن ہے جو حقیقت کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔

(۱۰) معاندین نے قرآنِ کریم کے بارے میں یہ کہا کہ یہ شیطانوں کی بات ہے جو محمد ﷺ پر آتی ہے، اللہ نے واضح الفاظ میں اس کا رد کر دیا:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ، وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ.

(الشعراء: ٢١٠-٢١١)

اس قرآن کو لے کر شیطان نہیں اترے، نہ یہ قرآن ان کے مطلب کا ہے، اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

یہ چند نمونے ہیں، ورنہ پورا قرآن ایسے نمونوں اور مثالوں سے بھرا ہوا ہے، جن کے ذریعہ اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کا دفاع، آپ کی حرمت و ناموس کا تحفظ اور معاندین کا رد کیا گیا ہے، ناموسِ رسول کو مجروح کرنے اور ایذا پہنچانے اور شانِ رسالت میں گستاخی کی حرکت انتہائی سنگین جرم ہے، قرآن نے اس تعلق سے اصولی موقف اختیار کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوا:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُّهِيناً. (الاحزاب: ٥٧)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے، اور ان کے لئے ایسا عذاب تیار کر رکھا ہے جو ان کو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔

اس آیت میں ''ایذاء'' کا ذکر ہے جو ''معمولی شر'' کو کہتے ہیں، (رسائل ابن عابدین: ۲۹۵) اگر یہ بڑھ جائے تو اسے ضرر کہا جاتا ہے، واضح کر دیا گیا ہے کہ شانِ رسالت میں ادنیٰ سی بے ادبی، گستاخی اور ایذا رسانی کے جرم کی دو سزائیں ہیں:

(۱) لعنت اور پھٹکار: دنیا میں بھی جس کی صورت قتل کی سزا ہے، اور آخرت میں بھی جس کی صورت جنت و رحمت سے محرومی ہے۔ (الشفاء: قاضی عیاض: ۲/۲۲۴)

(۲) ذلت آمیز عذاب۔

مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

''جو شخص رسول اللہ ﷺ کو کسی طرح کی ایذا پہنچائے، آپ کی ذات یا صفات میں کوئی عیب نکالے خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً، وہ کافر ہو گیا، اور اس آیت کی رو سے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت دنیا میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی۔'' (تفسیر مظہری: ۹/۲۹۶)

شاتم رسول (آپ ﷺ کو برا کہنے والا گستاخ) بالاجماع کافر ہے، اور اس کا حکم قتل ہے، (تنبیہ الولاۃ والحکام ۳۰۵) البتہ یہ ملحوظ رکھنا ہوگا کہ شرعی سزاؤں کے نفاذ کے لئے شریعت میں متعین حدود اور شرائط ہیں، ہر کس و ناکس سزا نافذ کرنے کا مجاز نہیں ہوتا، ان شرائط کی پابندی ضروری ہے۔

شان رسالت میں ایک معمولی سی گستاخی بھی بہت ملعونانہ جرم ہے، قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

> **وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ، هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ، مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ، عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ، أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ، إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ، سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ.** (القلم: ۱۰-۱۶)

آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو (۱) بہت قسمیں کھانے والا

(۲) بے وقعت شخص ہے (۳) طعنے دینے کا عادی ہے (۴) چغلیاں لگاتا پھرتا ہے (۵) بھلائی سے روکنے والا (۶) زیادتی کرنے والا (۷) گنہ گار ہے (۸) بدمزاج ہے (۹) اس کے علاوہ بد اصل نچلے نسب والا (حرام زادہ) ہے، صرف اس وجہ سے کہ وہ بڑے مال اور اولاد والا ہے (اس کی باتوں میں نہیں آنا چاہئے) جب اس کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ پچھلے لوگوں کے افسانے ہیں، عنقریب ہم اس کی سونڈ (ناک) پر (قیامت میں سزا کے طور پر رسوا کرنے کے لئے انتہائی بدنما) داغ لگادیں گے۔

یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں اتری ہیں، یہ مکہ کا بدترین مخالف اسلام اور گستاخِ رسول کافر تھا، اس کے بارے میں قرآن نے صراحۃً ۹/اوصافِ ذمیمہ بیان کئے، قرآنی اسلوب میں کسی اور کافر کے لئے اتنے مفصل اوصافِ ذمیمہ بیان نہیں ہوئے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ جب اس نے اپنے بارے میں یہ آیات سنیں تو اپنی ماں کے پاس ننگی تلوار لے کر گیا اور کہنے لگا کہ ''محمد'' جھوٹ نہیں بولتا، اس نے میرے بارے میں ۹/باتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے آٹھ باتیں میرے علم کے مطابق مجھ میں ہیں؛ لیکن نویں بات میرے نسب سے متعلق ہے، یہ تم سے معلوم کرنا ہے، تم صحیح صحیح بتاؤ کہ میں ولدالزنا ہوں یا نہیں، اگر تم سچ نہیں بتاؤ گی تو اسی تلوار سے تم کو قتل کردوں گا، اس کی ماں نے جواب دیا کہ تیرا باپ مغیرہ نامرد تھا، اولاد نہیں ہورہی تھی، خطرہ تھا کہ جائیداد تیرے عم زادوں کو مل جائے گی، تو میں نے ایک چرواہے سے زنا کیا، جس کے نتیجے میں تم پیدا ہوئے، محمد نے سچ کہا ہے کہ تو ولدالزنا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن: قرطبی، حاشیہ تفسیر الجلالین)

حکیم الامت حضرت تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

''جس طرح حدیث شریف کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار درود پڑھنے

سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اسی طرح سے قرآن شریف کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی شانِ ارفع میں ایک گستاخی کرنے سے نعوذ باللہ منہا، اس شخص پر من جانب اللہ دس لعنتیں نازل ہوتی ہیں، چناں چہ ولید بن مغیرہ کے حق میں اللہ تعالیٰ نے بسزاءِ استہزاء دس کلمات ارشاد فرمائے۔'' (زاد السعید: ۲۸)

(ملحوظ رہے کہ نو کلمات تو اوپر آ چکے، یہ صریح ہیں، اور دسواں کلمہ ''حق کی تکذیب کرنے والا'' ہے جو ''قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ'' سے معلوم ہوتا ہے)

گستاخِ رسول ''ولید بن مغیرہ'' کے جو مذموم اوصاف قرآن نے نقل کئے ہیں، موجودہ حالات میں اہانت رسول کی ناپاک حرکت کرنے والے سرغنہ مجرموں کے کردار کا تجزیہ کیا جائے تو یہ اوصاف (سب یا کچھ) ضرور ان میں تلاش کئے جا سکتے ہیں۔

اہانت رسول کے واقعات کے ردِ عمل میں محبت رسول سے سرشار اہل ایمان کو اپنی غیرتِ ایمانی اور حمیت دینی اور ناموسِ رسول کی حفاظت کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کرنے کے جذبات کا اظہار باوقار و پر امن اور نبی رحمت کی تعلیماتِ رحمت و رواداری سے ہم آہنگ انداز میں کرنا چاہئے، اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے نظام و پیغام کی اشاعت کے لئے سرگرمِ عمل ہو جانا چاہئے، یہ وقت کی بنیادی ضرورت ہے۔

◆

ضمیمہ:

ہجرت نبوی ﷺ (اسباب، نتائج و پیغام)

ہجرت نبوی کا واقعہ بلاشبہ تاریخ کا محیر العقول اور اہم ترین واقعہ ہے، جس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ اسلام صورت وخیال کا نہیں، حقیقت وواقعہ کا نام ہے، اور جن کے دل حقیقت اسلام سے منور ومعمور ہوتے ہیں وہ دنیا کی ہر خرافات اور غلط روی کا مقابلہ کرتے اور انجام کار فتح مند وغالب رہتے ہیں۔ دوسری طرف جن کے سینے اس حقیقت سے تاباں نہیں ہوتے وہ کبھی بامراد نہیں ہوتے، ان کی نفسانی خواہشات ان پر حاوی رہتی ہیں، آزمائشوں میں وہ جادۂ مستقیم پر ثابت قدم نہیں رہتے، اور ان کے قدم ہر وقت لغزش کھاتے ہی رہتے ہیں۔

اللہ کے مخلص انصار ومہاجر بندے جن کے سینوں میں حقیقت اسلام کا نور روشن تھا، اسی لئے اللہ کے محبوب ومقرب قرار پائے، اللہ نے ان کے دلوں میں محبت ڈال دی، اور ان کے درمیان اخوت ومودت کا بے حد مستحکم اور اٹوٹ تعلق قائم کر دیا، ساتھ ہی اللہ نے ان مخلصین کا ناطہ ان بدنصیبوں سے منقطع کر دیا جو قدرت ووسعت کے باوجود ہجرت کی سعادت سے محروم رہے اور جن کو حقیقتِ اسلام کا کوئی ذرہ بھی میسر نہیں آسکا، قرآنِ کریم کہتا ہے کہ:

> **إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ آوَوْا وَّنَصَرُوْا أُوْلَـئِکَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَالَّـذِيْـنَ آمَنُواْ وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُم مِّنْ وَلاَيَتِهِم مِّنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوْا.** (الانفال: ۷۲)

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں

لڑائیں اور اپنے مال کھپائے، اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں، رہے وہ لوگ جو ایمان لے آئے مگر ہجرت نہ کی، تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے، جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔

ہجرتِ نبوی فی الواقع نفس کی خواہشات اور آرزوؤں کے خلاف اعلانِ جنگ تھی، اور اس کا مقصد دعوتِ اسلامی کے کارواں کو تیزی سے منزل مراد کی سمت پر گامزن کرنا تھا، ہجرت کے یوں تو مختلف اسباب ہیں، مگر چند بنیادی اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) اہل ایمان پر دشمنانِ دین کی طرف سے ظلم وستم، اذیت وقساوت کا سلسلہ ناقابل برداشت حد تک پہنچ گیا تھا، صحابہ پر کئے گئے مظالم کا صرف تذکرہ ہی دل ہلا دیتا ہے، اور رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ حضرت بلال حبشی، حضرت سمیہ، حضرت یاسر، حضرت خباب، حضرت عمار اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم پر کئے گئے مظالم کی لرزہ خیز داستان اس کا ایک نمونہ ہے۔ مظلوموں کو ظلم سے بچانے، غیروں کو دائرۂ اسلام میں لانے اور ظلم کے اقدامات سے دور رکھنے کے لئے ہجرت کا عمل ناگزیر ہو گیا تھا۔ چناں چہ ہجرت کے بعد اہل اسلام کا دائرہ وسیع تر ہوا اور مسلمانوں کو کافروں کے ظلم سے خلاصی حاصل ہوئی۔

(۲) اہل حق کے لئے دشمنوں کی طرف سے اقتصادی ومعاشی بے شمار رکاوٹیں تھیں، خاندان بنو ہاشم، اور دیگر تمام مسلمانوں کا ایک عرصہ تک تمام کافروں نے مقاطعہ کیا، مکمل بائیکاٹ کی وجہ سے ان مظلوموں کو درختوں کے پتوں تک پر گزر اوقات کرنا پڑی، دعوتِ اسلامی کی نشر واشاعت کو روکنے کے لئے باہر کے لوگوں سے مسلمانوں کی ملاقات پر پابندیاں عائد تھیں، اس صورتِ حال کا بھی ہجرت کے وقوع پذیر ہونے میں اہم رول رہا۔

(۳) حضور اکرم ﷺ کے ہمہ وقتی مؤید و مددگار اور مونس وغم خوار افراد کا سانحۂ وفات بھی بڑی اذیت کا باعث ہوا، چچا جان حضرت ابو طالب اور زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کا ایک ہی

سال میں آگے پیچھے انتقال ہو گیا، ان کے بعد قریش کو آپ پر برملا کھل کر ظلم کرنے اور پریشان کرنے کا موقع مل گیا، اس صورتِ حال نے آپ کو حد سے زیادہ دل گیر اور رنجور کیا، مدینہ منورہ کے انصار نے مخلصانہ تائید و تعاون کی جو پیش کش کی تھی، اس کو قبول کرنے میں اس صورتِ حال کا بھی کافی اثر رہا۔

(۴) قریش کی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی اور نخوت اور ان کا طبقاتی اونچ نیچ کا پائیدار نظام اسلام کی دعوت مساوات سے متصادم تھا، مدینہ منورہ میں اسلامی نظام مساوات کی تنفیذ کے کھلے مواقع فراہم تھے، یہ بھی ہجرت کا اہم سبب ثابت ہوا۔

بہر حال ہجرت نبویہ اسلام کے نئے دور کا نقطہ آغاز ثابت ہوئی، اور دعوتِ اسلامی کے میدان میں اس کی بنیاد پر ایک نیا انقلاب آیا، اور اس کے متعدد اثرات ظاہر ہوئے۔ ایک اثر دعوتِ حق کی آزادی کی شکل میں سامنے آیا، رسول اللہ ﷺ پوری آزادی کے ساتھ خدائے واحد کی عبادت کی دعوت میں مصروف ہو گئے، انصار کے دونوں قبیلے اوس و خزرج آپ ﷺ کے گرد پروانوں کی طرح اکھٹا رہتے تھے، ہر طرح سے آپ کی خدمت، مدد اور تعاون کے خواہاں تھے، یہ آزادئ دعوت ہجرت کا سب سے نمایاں نتیجہ تھا۔

قریش کی اذیتوں سے خلاصی اور مکمل امن وامان اور باہمی اخوت و محبت کی مضبوط بنیادوں پر استوار بے خوف مؤمنانہ زندگی میسر ہونا ہجرت نبویہ کا دوسرا نتیجہ تھا۔

تیسرا اثر ہجرت کا مستقل اسلامی حکومت کی تشکیل کے روپ میں ظاہر ہوا، مکی زندگی کے تیرہ سال افراد کی اصلاح و تعمیر میں مصروف تھے، قلت تعداد اور کثرت مخالفین کی بنیاد پر مکہ میں اسلامی حکوت کا قیام نہیں ہو سکتا تھا، مگر مدینہ میں اہل حق کی کثرت اور امن وامان کی وجہ سے اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا، جس نے قیامت تک کے لئے امت کو صحیح اسلامی حکومت کا نمونہ فراہم کیا۔

چوتھا اثر ہجرت کا یہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ پوری تیاری و تنظیم کے ساتھ اپنے دشمنوں کا

مقابلہ و مدافعت کرنے کی پوزیشن میں آ گئے، مکہ کی بے کسی کی زندگی میں صبر ہی کا حکم تھا، مقابلہ کی نہ وسعت وقدرت تھی اور نہ اجازت، اب مدنی زندگی میں مدافعت و مقابلہ کی اجازت دی گئی اور مختلف معرکوں میں اہل حق نے اہل باطل کو ناکوں چنے چبوادئے اور اپنی حقانیت کا علم لہرادیا۔

ہجرت کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد قباء پھر مسجد نبوی کی بنیاد رکھی، خود تعمیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوئے۔

مسجد کی تعمیر کا مقصد اجتماعی نظام عبادت کو قائم کرنا اور ساتھ ہی مرکزیت واجتماعیت کی روح کو فروغ دینا تھا، چناں چہ پھر مسجد ہی مرکز بنی رہی اور تربیت وتزکیہ کے تمام تر کام یہیں سے انجام پاتے رہے۔

اس موقع پر دوسرا کام یہ ہوا کہ انصار ومہاجرین میں مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمائی، اور اس بنیاد پر ایک ایسا مخلص ومؤمن معاشرہ تشکیل پایا جس کی نظیر ملنی ناممکن ہے۔

مواخات کے بعد تیسرے مرحلہ پر اسلامی حکومت کی تشکیل دی گئی، جس کی بنیاد وحدت عامہ، مساوات، ظلم وجرم کا مقابلہ، دشمن سے احتیاط، تعاون علی البر والتقویٰ، جیسے اصول پر رکھی گئی۔

یہ اس ہجرت نبویہ کے نتائج وثمرات ہیں جو عالم گیر انقلاب کا محرک اور داعی ثابت ہوئی، اور جس نے پوری انسانیت کو یہ پیغام دے دیا کہ ایمان وعقیدہ کی حفاظت جان سے بڑھ کر ہونی چاہئے، اللہ ورسول سے محبت کا بے حد مستحکم اور شعوری تعلق ہونا چاہئے، اور اعلاء حق اور غلبۂ دین کے لئے تڑپ اور فداکاری کا جذبہ دل میں موج زن ہونا چاہئے، اور اس کے لئے صبر وتحمل، توکل واعتماد، استقامت وثابت قدمی، سرفروشی وجاں بازی اور بلند کرداری وخوش خلقی کے اوصاف سے آراستگی کو کلیدی مقام حاصل ہے، یہی ہجرت نبویہ کا پیغام اور درس ہے، ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زندگی کا سفر اس کی روشنی میں رواں دواں رکھے اور کسی بھی موڑ پر اس روشنی سے خود کو محروم نہ ہونے دے۔

○❖○

مراجع ومصادر

(۱)	القرآن المجید	
(۲)	الجامع لاحکام القرآن	امام قرطبیؒ
(۳)	تفسیر القرآن العظیم	امام ابن کثیرؒ
(۴)	تفسیر جامع البیان	امام طبریؒ
(۵)	تفسیر البغوی	امام بغویؒ
(۶)	التفسیر الکبیر	امام رازیؒ
(۷)	تفسیر القرطبی	امام قرطبیؒ
(۸)	فی ظلال القرآن	سید قطب شہیدؒ
(۹)	احکام القرآن	امام ابن عربیؒ
(۱۰)	تفسیر الکشاف	علامہ جاراللہ زمخشریؒ
(۱۱)	بدائع التفسیر	امام ابن القیم جوزیؒ
(۱۲)	تفسیر بیضاوی	علامہ بیضاویؒ
(۱۳)	تفسیر طبری	علامہ طبریؒ
(۱۴)	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ
(۱۵)	تفسیر الجلالین	علامہ محلیؒ وسیوطیؒ
(۱۶)	معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
(۱۷)	تفسیر عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
(۱۸)	ترجمان القرآن	مولانا ابوالکلام آزادؒ

(۱۹)	تفہیم القرآن	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
(۲۰)	تدبر قرآن	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
(۲۱)	توضیح القرآن (آسان ترجمۂ قرآن)	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
(۲۲)	روح القرآن	ڈاکٹر اسلم صدیقی
(۲۳)	آسان تفسیر قرآن مجید	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(۲۴)	اسباب النزول	علامہ واحدیؒ
(۲۵)	صحیح البخاری	امام بخاریؒ
(۲۶)	صحیح مسلم	امام مسلمؒ
(۲۷)	جامع الترمذی	امام ترمذیؒ
(۲۸)	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤدؒ
(۲۹)	سنن نسائی	امام نسائیؒ
(۳۰)	سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہؒ
(۳۱)	مسند احمد	امام احمد بن حنبلؒ
(۳۲)	المستدرک علی الصحیحین	امام حاکم نیساپوریؒ
(۳۳)	المعجم الکبیر	امام طبرانیؒ
(۳۴)	الترغیب والترہیب	امام منذریؒ
(۳۵)	مجمع الزوائد	امام ہیثمیؒ
(۳۶)	کنز العمال	شیخ علی متقی ہندیؒ
(۳۷)	شعب الایمان	امام بیہقیؒ
(۳۸)	مشکوۃ المصابیح	علامہ خطیب تبریزیؒ
(۳۹)	صحیح ابن حبان	امام ابن حبانؒ
(۴۰)	سنن سعید بن منصور	تحقیق: علامہ اعظمیؒ
(۴۱)	السلسلۃ الصحیحۃ	علامہ ناصر الدین البانیؒ

(۴۲)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح	ملا علی قاریؒ
(۴۳)	طیبی شرح مشکوۃ المصابیح	علامہ طیبیؒ
(۴۴)	الخصائص الکبری	علامہ سیوطیؒ
(۴۵)	مواعظ الصحابۃ	صالح احمد الشامی
(۴۶)	موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا	امام ابن ابی الدنیاؒ
(۴۷)	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانیؒ
(۴۸)	ترجمان السنۃ	مولانا بدر عالم میرٹھی
(۴۹)	الوفاء باحوال المصطفیٰ	امام ابن الجوزیؒ
(۵۰)	اسد الغابۃ	علامہ ابن اثیرؒ
(۵۱)	صفۃ الصفوۃ	علامہ ابن جوزیؒ
(۵۲)	السیرۃ النبویۃ	امام ابن ہشامؒ
(۵۳)	زاد المعاد	علامہ ابن القیمؒ
(۵۴)	دلائل النبوۃ	امام بیہقیؒ
(۵۵)	سیرت المصطفیٰ	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۵۶)	الرحیق المختوم	مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوریؒ
(۵۷)	بیانات سیرت نبویہ	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی
(۵۸)	البدایہ والنہایہ	حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقیؒ
(۵۹)	الطبقات	امام ابن سعدؒ
(۶۰)	حلیۃ الاولیاء	حافظ ابونعیم الاصفہانیؒ
(۶۱)	سیرت ابن اسحاق	امام ابن اسحاقؒ
(۶۲)	سیرت ابن کثیر	علامہ ابن کثیرؒ
(۶۳)	سیرت سرور عالم	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
(۶۴)	سیرت النبی	مولانا شبلی نعمانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ

(۶۵)	سیرت ابن ہشام	علامہ ابن ہشامؒ
(۶۶)	دلائل النبوۃ	حافظ ابونعیم الاصفہانیؒ
(۶۷)	سنہری سیرت	عبدالمالک مجاہد
(۶۸)	سیرت احمد مجتبیٰ	شاہ مصباح الدین شکیل
(۶۹)	الاصابۃ	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
(۷۰)	سنہری کرنیں	عبدالمالک مجاہد
(۷۱)	اسد الغابۃ	امام ابن اثیرؒ
(۷۲)	مقالات سیرت	ڈاکٹر محمد آصف قدوائی
(۷۳)	نبیٔ رحمت	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
(۷۴)	حسنت جمیع خصالہ	طالب ہاشمی
(۷۵)	مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ	ڈاکٹر حمید اللہ
(۷۶)	سید انسانیت	نعیم صدیقی
(۷۷)	ذکر رسول مردوں کی مسیحائی	مولانا عبدالماجد دریابادیؒ
(۷۸)	حیاۃ الصحابۃ	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
(۷۹)	الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ	قاضی عیاض
(۸۰)	کاروان مدینہ	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
(۸۱)	الاستیعاب	حافظ ابن عبدالبرؒ
(۸۲)	خطبات بنگلور	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(۸۳)	خطبات مدراس	علامہ سید سلیمان ندویؒ
(۸۴)	پراسرار بندے	عشرت جاوید
(۸۵)	سلطان نورالدین محمود زنگی	طالب ہاشمی
(۸۶)	خلاصۃ الوفاء	علامہ سمہودیؒ
(۸۷)	لباس الرسول الخ	ابوطلحہ محمد یونس عبدالستار

(۸۸)	ہاتِ صلاح الدین	ابومحمد عکرمہ
(۸۹)	رودکوثر	شیخ محمد اکرام
(۹۰)	المواہب اللدنیہ	علامہ قسطلانیؒ
(۹۱)	زادالسعید	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۹۲)	شرح الزرقانی علی المواہب	علامہ زرقانیؒ
(۹۳)	اسلام دینِ فطرت	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی
(۹۴)	کتاب التوابین	ابن قدامہ المقدسی
(۹۵)	تنبیہ الغافلین	امام ابواللیث سمرقندیؒ
(۹۶)	حیااور پاکدامنی	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ
(۹۷)	احیاءالعلوم	امام غزالیؒ
(۹۸)	مجھے ہے حکم اذاں	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی
(۹۹)	اقبال اور محبت رسول	ڈاکٹر طاہر فاروقی
(۱۰۰)	تنبیہ الولاۃ والحکام	علامہ ابن عابدینؒ
(۱۰۱)	رسائل ابن عابدین	علامہ ابن عابدینؒ
(۱۰۲)	مواردالظمآن لدروس الزمان	عبدالعزیز السلمانؒ
(۱۰۳)	موسوعۃ النابلسی	د/محمد راتب النابلسی
(۱۰۴)	کلیات اقبال	علامہ اقبالؒ
(۱۰۵)	ذکرجمیل	ماہرالقادریؒ
(۱۰۶)	کلیات زاہد	ابوالمجاہد زاہد
(۱۰۷)	موجِ نسیمِ حجاز	تاج الدین اشعر رام نگری
(۱۰۸)	البلاغ: مدیر: مولانا آزادؒ	جنوری ۱۹۱۶ء

◆

مصنف کی مطبوعہ علمی کاوشیں

● اسلام میں عفت وعصمت کا مقام

یہ کتاب عفت وعصمت کے موضوع پر انتہائی تفصیلی اور اہم پیش کش ہے، اپنے مندرجات کی جامعیت اور نصوص کی کثرت کی بنیاد پر اپنے موضوع پر اردو زبان میں انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، ملک وبیرونِ ملک کے اکابر علماء کے تأثرات وتقریظات سے آراستہ ہے۔ مختصر سے عرصہ میں اس کے پانچ ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں، یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ عوام وخواص، علماء وعوام، مرد وعورت سبھی اس کو اپنے مطالعہ میں رکھیں۔

● بیاناتِ سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ کتاب موجودہ حالات میں سیرت نبویہ کے فکر انگیز پیغام اور گوشوں کو واضح کرنے والی مکمل، مدلل، مرتب، جامع اور موثر سیرت طیبہ سے متعلق چار مفصل بیانات پر مشتمل ہے، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں حسن ترتیب کے ساتھ پوری سیرت کو اس کتاب میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے، عوام وخواص ہر ایک کے لئے یکساں طور پر افادیت کی حامل اور قابل مطالعہ ہے۔

● اتحادِ امت سورۃ الحجرات کی روشنی میں

اس کتاب میں سورۃ الحجرات کا مطالعہ وحدتِ امت اور اجتماعیت کے مرکزی موضوع کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، اور اسلام کے نظامِ اخوت اور صلح ومصالحت کی بنیادی ہدایات کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ وحدت واخوت کو نقصان پہنچانے والے امور اور گناہوں (استہزاء، لعن طعن، برے نام سے پکارنا، بدگمانی، تجسس، غیبت اور نسلی بنیادوں پر تحقیر وغیرہ) کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔

● اسلام میں صبر کا مقام

یہ کتاب صبر کے موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، فاضل مصنف نے اس کتاب میں جدید اسلوب میں قرآن وحدیث، آثار صحابہ کی روشنی میں صبر کے مقام، اس کی اہمیت اور ضرورت کے متعدد پہلوؤں کو کافی شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا ہے، صبر وشکر کے تقابلی تجزیے پر مصنف نے بے حد

قیمتی باتیں تحریر کی ہیں، دور حاضر کے ہر نوجوان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

● ترجمان الحدیث

اس کتاب میں اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت و اخلاق کے متعلق ڈیڑھ سو صحیح ترین احادیث نبویہ کی مدلل اور عام فہم اسلوب میں عالمانہ تشریح کی گئی ہے۔ یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ اپنے مواد کی علمیت اور افادیت کی وجہ سے اسے مساجد اور اجتماعی مجالس میں سنایا اور پڑھایا جائے۔

● اسلام کی سب سے جامع عبادت نماز

اس کتاب میں نماز کی اہمیت، اقسام و انواع، خشوع کی شرعی حیثیت، خشوع کے مختلف طریقوں کا ذکر قرآن وسنت کی روشنی میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ خشوع کے موضوع پر جو فاضلانہ اور عالمانہ مفصل و مدلل بحث کی گئی ہے وہ اردو دنیا میں اپنی نوعیت کی منفرد چیز ہے، یہ کتاب ہر خاص وعام کے مطالعہ میں جگہ پانے کی اولین مستحق ہے۔

● اسلام اور زمانے کے چیلنج

موجود معاصر حالات کے تناظر میں مصنف کے اشہب قلم سے نکلی ہوئی پرسوز، پردرد اور واقعیت پسندی پر مبنی فکری تحریروں کا یہ مجموعہ موجودہ صورتِ حال میں ہر مسلمان کے لئے راہبر اور فکری غذا فراہم کرتا ہے، جو بات بھی لکھی گئی ہے باحوالہ اور نصوص کی روشنی میں ہے۔

● سیرتِ نبویہ قرآنِ مجید کے آئینے میں

یہ کتاب قرآن کی روشنی میں سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع اور روشن پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، قرآنی سیرت کے موضوع پر یہ اردو زبان میں پہلی باضابطہ کتاب ہے، جس میں سیرت طیبہ کو تاریخی ترتیب کے ساتھ قرآنی بیان کے آئینہ میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، اسلوبِ بیان بے حد پرکشش اور اچھوتا ہے۔ کتاب کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

● عظمتِ عمر کے تابندہ نقوش

یہ کتاب عربی کے مشہور ادیب شیخ علی طنطاوی کی پراثر تحریر ''قصۃ حیاۃ عمر'' کی ترجمانی ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمے سے مزین ہے، کتاب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت و عبقریت کے نمایاں پہلو بہت دل نشیں اور ساحرانہ اسلوب میں اجاگر کئے گئے ہیں، سیرتِ عمر پر یہ کتاب عمدہ اور قابل قدر اضافہ ہے۔

- **گناہوں کی معافی کے طریقے اور تدبیریں**

یہ کتاب صحیح ترین احادیث نبویہ کی روشنی میں گناہوں کی معافی کے مختلف طریقوں کو محیط ہے، اس میں گنہ گاروں کو مایوسی سے بچنے کی تاکید اور توبہ کی تحریک اور عمل صالح کی ترغیب ملتی ہے، ہر مسلمان نوجوان کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

- **گلہائے رنگارنگ**

تین جلدوں پر مشتمل یہ وقیع کتاب قرآن وسنت کی انقلابی تعلیمات، اصلاحِ قلب ونفس ومعاشرہ، اسلام کے خلاف پھیلائے گئے مغالطّوں اور شکوک وشبہات کی مکمل اور مدلل تردید کو محیط عام فہم اور دل نشیں اسلوب میں بیش قیمت اور فکر انگیز تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن بہت جلد مقبول ہوا، اب دوسرا ایڈیشن زیر طباعت ہے۔

- **مفکر اسلام؛ جامع کمالات شخصیت کے چند اہم گوشے**

یہ کتاب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات اور ان کی تابندہ زندگی کے روشن نقوش اور نمایاں امتیازات کی جامع اور مکمل تصویر کشی ہے۔ کتاب حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کے بیش قیمت مقدمات سے مزین ہے، متعدد اہل قلم کے تأثر کے مطابق مفکر اسلام کی شخصیت پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ کتاب اپنے مواد کی جامعیت، اسلوب کی دل کشی اور حسن بیان کے اعتبار سے انفرادی شان رکھتی ہے۔

- **علوم القرآن الکریم**

یہ کتاب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی اردو تصنیف علوم القرآن کا عربی ترجمہ ہے۔ مترجم نے بہت سلیس اور شگفتہ عربی زبان میں کتاب کو اردو سے منتقل کیا ہے، شروع میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کا مقدمہ زینت کتاب ہے۔

- **اسلام میں عبادت کا مقام**

یہ کتاب عبادت کے موضوع پر انتہائی جامع اور محیط کتاب ہے، جس میں عبادت کے تمام پہلوؤں کا کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ عوام اور خواص سب کے لئے یکساں مفید ہے۔

- **اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق**

یہ کتاب معاشرتی اصلاح اور سیرت وکردار کی تعمیر کے تعلق سے بے حد مفید اور جامع کتاب ہے، جس میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا ذکر بڑی تفصیل سے اور وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے، دور

حاضر میں ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

- **اسلام دین فطرت**

یہ کتاب مذہب اسلام کے امتیازات اور اس کی انسانیت نواز تعلیمات کو واضح کرتی ہے، اس میں اسلام کی جامعیت، واقعیت، حقیقت پسندی، ربانیت، امن واسلامتی، اخوت ووحدت، مساوات واجتماعیت جیسے متعدد اہم گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ہر باذوق کے لئے قابل مطالعہ ہے۔

- **دیگر کتب:**

○ اختر تاباں (تذکرہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ)
○ والد ماجد (تذکرہ حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحبؒ)
○ شیخ الہند: حیات، خدمات وامتیازات
○ مقام صحابہ اور غیر مقلدین
○ اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن عناوین
○ سچ اور جھوٹ کتاب وسنت کی روشنی میں ایک جائزہ
○ اسلام کا جامع اور مؤثر ترین تعزیری نظام
○ کچھ یادیں کچھ باتیں (تذکرہ حضرت مولانا مفتی محمد افضل حسین صاحبؒ)
○ اسلام اور دہشت گردی
○ بنیادی دینی اور تاریخی معلومات (اردو، ہندی)
○ منشیات اور شراب: اسباب ومحرکات، شرعی ہدایات، سدباب کی تدبیریں
○ موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں
○ اسلام میں عفو ودرگذر کا مقام

- **عربی کتب:**

○ **علوم القرآن الكريم** ○ **وان المساجد لله**
○ **لمعات من الاعجاز القرآني البديع** ○ **بحوث علمية فقهية**
○ **اصول المعاش الاسلامی فی ضوء نصوص الكتاب والسنة......**
○ **نظرة عابرة على القضاء والقضاة فی الاسلام**

○❖○

مصنف کی اہم تالیفات

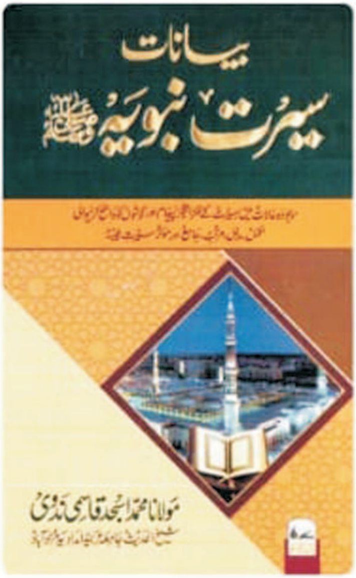
بیانات
سیرت نبویہ ﷺ
مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی

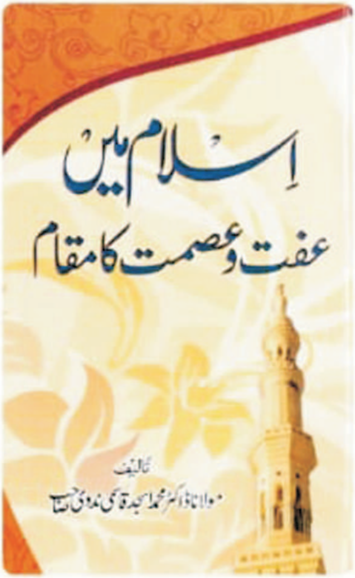
اسلام میں
عفت و عصمت کا مقام
تالیف
مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب

اتحادِ امت
سورۃ الحجرات کی روشنی میں
تالیف
مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب

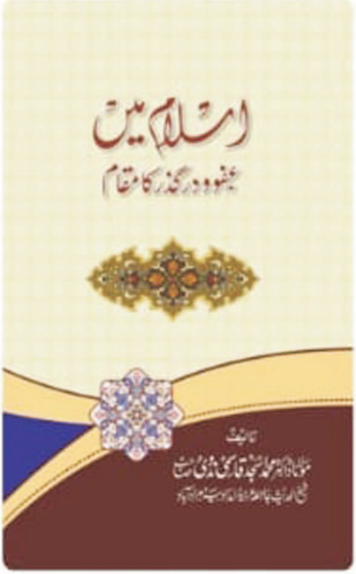
اسلام میں
عفو و درگذر کا مقام
تالیف
مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب